اسیر جنون

از قلم

اے یو

سفید حویلی—چاندنی رات میں چمکتی ہوئی، کسی خواب کی تعبیر لگ رہی تھی رات کے دو بج رہے تھے۔ خاموشی میں صرف برش کے چلنے کی ہلکی سی آواز تھی۔ وہ کینوس پر جھکی اپنے خیالات کے رنگ بکھیر رہی تھی، جیسے ہر رنگ کے پیچھے کوئی چھپا درد ہو۔

کینوس پر ایک اداس منظر تھا۔ ایک لڑکی جو کسی لڑکے کا ہاتھ تھامے رو رہی تھی، مگر لڑکا اپنا ہاتھ چھڑوا رہا تھا۔ وہ منظر جیسے اس کے دل کا آئینہ ہو، جہاں محبت اور جدائی کا ملاپ ہوتا ہے۔

iPhone الارم کی تیز آواز نے کمرے کی خاموشی توڑی۔ اس نے اپنے 17 Pro Max کو اٹھا کر الارم بند کیا، جو اسے بھائی نے گفٹ کیا تھا۔ لمحے بھر کو وہ ٹھہری، جیسے یادوں نے دل کو جکڑ لیا ہو۔

اس نے برش، کلرز اور کینوس سمیٹا، آخری نظر اپنی پینٹنگ پر ڈالی، اور ہلکے سے مسکرا کر کہا، "خدا کرے تمہیں مجھ سے بہتر ملے"... آنسو گال سے بہہ کر نیچے گرا، جیسے پینٹنگ کی آنکھ بھی رو پڑی ہو۔

وضو کے لیے اٹھی تو آئینے کے سامنے رک گئی۔ خود کو دیکھا—آنکھوں میں نمی، چہرے پر تھکن، مگر اندر اب بھی ایک امید کی چنگاری۔ دل میں سوال اٹھا، "آخر کمی کیا تھی مجھ میں۔۔۔؟" مگر جواب ہمیشہ کی طرح خاموشی میں دفن ہو گیا۔

جائے نماز بچھا کر اس نے ہاتھ اٹھائے۔ الفاظ نہیں بس آنسو تھے جو دعا بن کر بہہ رہے تھے۔ تہجد کی روشنی میں اس کا چہرہ سکون سے چمکنے لگا، جیسے رب نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو تسلی دے دی ہو۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

صبح ہوتے ہی سفید حویلی میں زندگی جاگ اٹھی تھی۔ ہر طرف ملازموں کی ریل پیل تھی، کوئی برتن سجا رہا تھا، کوئی صحن دھو رہا تھا، تو کوئی دسترخوان کے لیے برتن تیار کر رہا تھا۔ فجر کی اذان کی آواز گونج رہی تھی، ہوا میں خنکی کے ساتھ دیسی گھی کی مہک گھل چکی تھی۔

حویلی کے مرد — آغا جان، میر شاہ، باسل شاہ — نماز پڑھ کر واپس آ چکے تھے۔ آغا جان کے ساتھ ان کے بیٹے شاہ زیب شاہ اور باسل کے والد عیان شاہ بھی تھے۔ سفید لباس میں ملبوس سب کے چہروں پر صبح کی روشنی کا سکون جھلک رہا تھا۔

کچن سے پراٹھوں، دیسی مکھن، اور قہوے کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی تھی۔ بڑے صحن میں سبز گھاس پر شبنم کے قطرے چمک رہے تھے، جیسے موتیوں نے زمین پر بسیرا کیا ہو۔

لان میں بی جان اپنی مخصوص جگہ پر تسبیح لیے بیٹھی تھیں۔ ان کی عمر کے ساتھ ساتھ چہرے پر نرمی اور محبت کی جھلک اور گہری ہو چکی تھی۔ جیسے ہی مرد حضرات صحن میں داخل ہوئے، سب نے جھک کر بی جان کو سلام کیا۔

آغا جان ان کے برابر میں کرسی پر بیٹھ گئے۔ بی جان نے تسبیح روک کر ،ہمیشہ کی طرح ہاتھ اٹھائے، آنکھوں میں نمی کے ساتھ دعا دی

"یااللہ !میری شہزادی جہاں بھی ہے، اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔"

ان کے لب تھرتھرائے، اور ایک آنسو ان کے رخسار پر بہہ نکلا، جسے انہوں نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر چھپا لیا۔

اتنے میں ملازمہ دو کپ چائے لے کر آئی—دونوں بغیر شوگر کے۔ ایک بی جان کے سامنے رکھا، دوسرا آغا جان کے آگے۔ چائے کی بھاپ کے ساتھ خاموشی کا ایک لمحہ آیا، پھر دونوں گاؤں کے کچھ فیصلوں اور چند گھریلو معاملات پر بات کرنے لگے۔

باقی مرد حضرات اپنی اپنی کمروں کی جانب لوٹ گئے، اور سفید حویلی ایک بار پھر اپنی صبح کی شان و شوکت میں سانس لینے لگی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

سب لوگ ناشتے کی میز پر جمع تھے۔ ہر صبح کی طرح آج بھی حویلی کے بڑے ڈائننگ ہال میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف چمچوں کی ہلکی سی کھنک اور گلاس میں پانی ڈالنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

تھوڑے فاصلے پر، ایک طرف سب ملازم بھی ناشتہ کر رہے تھے۔ سفید حویلی جس کی شہرت انصاف کے نام سے تھی، یہاں کبھی کسی کو کمتر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ملازم بھی اسی محبت اور عزت کے ماحول میں کھانا کھاتے تھے۔

لیکن آج ان معمول کی آوازوں کے ساتھ ایک اور آواز بھی شامل تھی — کسی کے "سوں سوں" کرنے کی۔ سب کی نظریں ایک لمحے کو اٹھیں، پھر واپس پلیٹوں پر جھک گئیں، مگر میر شاہ نے فوراً پہچان لیا۔

"ماما، آج منت کو چیک اپ کے لیے لے جانا۔ مجھے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

اس نے ہاتھ صاف کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا، اور ایک نظر اپنی بہن پر ڈالی۔

"ن... نہیں بھائی، میں ٹھیک ہوں۔ بس ویسے ہی ہلکا سا نزلہ ہے۔"

منت نے جلدی سے ٹشو سے ناک صاف کرتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

"ٹھیک کہہ رہا ہے میر، میں بھی کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں ... تم بالکل ڈھیلی ڈھیلی سی ہو۔ آج مت جانا اسٹوڈیو ، میں تمہاری سرسوں کے تیل سے مالش کر دوں گی۔"

بی جان نے نرمی سے کہا۔ ان کی آنکھوں میں محبت تھی مگر ساتھ ہی فکر بھی۔

"بی جان، میرا جانا بہت ضروری ہے۔ آج ایگزیبیشن ہے تو..."

اس نے آنکھیں جھکاتے ہوئے بات مکمل کی، تاکہ اس کی براؤن آنکھوں میں چھپا درد کوئی نہ پڑھ لے۔

اسی وقت حیام نے ناک صاف کرتے ہوئے بیزاری سے کہا،

”کسی کو میرا نزلہ کیوں نظر نہیں آ رہا؟“

سب ہنس پڑے۔ زنیرہ شاہ نے پیار بھرے انداز میں کہا،

”بیٹا تم رہنے دو، تمہاری بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔“

مرضی ہے تمہاری لاڈلی۔ ویسے بھی ساری حویلی کی 'ڈسٹنگ' کرنے"
والی ہے۔۔۔

بی جان نے ہلکا سا مسکرا کر کہا،

"لو جی، یہ سراسر ناانصافی ہے۔ پوتی کو کہہ رہی ہوں چھٹی کر کے آرام
کرے، اور نواسی کو کام کی دھمکیاں دے رہی ہوں؟ پچھلی بار سب کے
لیے چائے بنائی تھی نا؟" بی جان، ۔۔مگر اس بار ڈسٹنگ؟ نہیں بابا، اس
سے تو اچھا ہے میں یونیورسٹی چلی جاؤں۔ ایسی سزا سے تو پڑھائی کی موت
"!ہی بہتر

حیام نے فوراً جواب دیا۔

منت نے حیام کی بات پر ہلکی سی مسکراہٹ دبائی اور خاموشی سے اٹھ گئی۔
بی جان نے اس کے ہاتھ پر لگا رنگ دیکھ کر سر ہلایا۔

"ایک تو مجھے اس لڑکی کی سمجھ نہیں آتی۔ آخر ان رنگوں سے کیا پڑھتی رہتی ہے؟ میر، کیا پڑھائی ہے جس نے اسے دیوانہ بنا رکھا ہے؟ جب دیکھو، سفید دیواروں پر کچھ بناتی رہتی ہے۔"

بی جان کی بات پر سب کے لبوں پر مسکراہٹ آئی، اور چند لمحوں کے لیے حویلی میں ایک مانوس سی گرمی پھیل گئی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

میر شاہ ناشتہ ختم کر کے اپنے کمرے میں آیا۔ کمرے میں خنکی تھی، دیوار پر لگے شیشے کے سامنے وہ کچھ لمحے رکا۔ پھر آہستہ سے بولا،

"روح... I miss you... and miss you so much."

اس کے ہاتھ میں پکڑی تصویر پر ایک آنسو گرا۔ تصویر میں ایک مسکراتی ہوئی لڑکی تھی، آنکھوں میں روشنی، لبوں پر زندگی۔

میر نے تصویر کو لبوں سے لگایا، پھر دھیرے سے اسے میز پر رکھا۔

"...تم نہیں جانتی، تمہارے بعد سب کچھ خالی ہو گیا ہے"

اس نے خود سے کہا، پھر اپنی کپ بورڈ کھولی۔ اندر سے کالا سوٹ اور اس کے ساتھ آف وائٹ شال نکالی—روح کی پسند کے۔

ایک لمحے کو وہ رکا، تصویر پر ایک اور نظر ڈالی، جیسے دل کہہ رہا ہو رک جاؤ ... مگر وہ چپ چاپ کپڑے اٹھا کر شاور لینے چلا گیا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

پرتگال کی صبح ٹھنڈی اور ہمیشہ کی طرح نکھری ہوئی تھی۔ نیلے آسمان پر سورج ابھی نرمی سے جھانک رہا تھا، اور ہواؤں میں سمندر کی نمکین خوشبو گھلی تھی۔

،ابھی صبح کے سات بج رہے تھے، جب ایک وجود، بلیک ٹریک سوٹ پہنے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ تکیے سے اٹھا۔

آنکھوں پر نیند کی ہلکی سی چادر تھی، اس نے اپنی ہیزل براؤن آنکھوں کو انگلیوں سے رگڑا، پھر بالوں کی ایک ضدی لٹ کو پیچھے کیا، اور ہلکے قدموں سے بالکونی کی طرف چلی گئی۔

نیچے باغ میں مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ حوریب نے ریلنگ پر کہنی ٹکاتے ہوئے سوچ میں گہری نظر سے اسے دیکھا۔

اچانک اس نے اپنی شہادت کی انگلی چن پر بنے چھوٹے سے تل پر رکھی، اور آنکھوں میں شرارت کی چمک جاگ اٹھی۔

”آئیڈیا...!“

وہ مسکرائی، تو گال کا ڈمپل مزید واضح ہوا۔

وہ تیزی سے نیچے اتری اور چہکتے ہوئے بولی،

”آج پودوں کو پانی میں دوں گی!“

مالی نے مسکرا کر ادب سے پائپ اس کے حوالے کیا، مگر ساتھ ہی بولا،

”بی بی، آئی تھنگ آپ کو پانی دینا نہیں آتا...“

حوریب نے شرارت سے بھنویں چڑھاتے ہوئے کہا،

”اچھا؟ ابھی دکھاتی ہوں کہ کیسے آتا ہے!“

اس نے پائپ کا رخ آسمان کی طرف کیا۔ اگلے ہی لمحے پانی فوارے کی طرح اوپر گیا، اور پھر چھینٹوں کی صورت میں واپس اس کے سر، کپڑوں اور چہرے پر برسنے لگا۔

"پانی ہی خود اور بولی، ہوئے ہنستے وہ..." آتا نہیں واقعی ... تھنگ آئی

سے بھیگ گئی۔اسکے کندھوں سے تھوڑا نیچے آتے بال چہرے پر آ رہے تھے۔

اسی وقت ٹیرس سے اس کے والد جنید میرزا نمودار ہوئے —— سفید شرٹ، چائے کا کپ ہاتھ میں، اور چہرے پر وہی تاثر جو عام طور پر والدین کے چہرے پر شرارتی بچوں کو دیکھ کر آتا ہے۔

”حوریب میرزا !یہ تم کیا کر رہی ہو؟“

،حوریب چونکی، فوراً سیدھی کھڑی ہوئی، اور ایکدم سنجیدہ چہرہ بنا کر بولی

بابا! دیکھیں نا، میں نے آج آپ کے پودوں کو اتنا پیار سے پانی دیا ہے“

”!کہ لگتا ہے اب یہ راتوں رات درخت بن جائیں گے

اس نے ہنس کر کہا، اور ساتھ ہی ایک چھوٹے پودے پر اتنا پانی گرا دیا کہ گملے سے پانی چھلک کر نیچے جا گرا۔

اسی لمحے اوپر سے بابا کی آواز آئی،

"حوریب! تم پھر میرے بونسائی کے ساتھ تجربے کر رہی ہو؟"

وہ شرارت سے آنکھیں نچاتے بولی،

"بابا آپ غلط سمجھتے ہیں، میں سائنسدان بننے کی پریکٹس کر رہی ہوں...

پودوں کی جذباتی نشوونما پر تحقیق!"

اوپر جنید میرزا نے سر تھام لیا۔

جذباتی نشوونما؟ پودے ہیں یا تمہاری دوست لیلا جو ڈراموں سے"
متاثر ہوتی ہے؟"

بابا! پودے بھی محسوس کرتے ہیں، آپ کو معلوم ہے؟ اگر ان سے"
اچھا سلوک نہ ہو تو وہ رو بھی سکتے ہیں!"

وہ معصوم بن کر بولی، اور اگلے ہی لمحے خود پانی کی پائپ سے پھسل کر زمین پر گر گئی۔اور اسکا کالا ٹریک سوٹ کیچڑ سے گندا ہو گیا تھا—پورا پانی اس پر چھڑک گیا۔

"اب دیکھیں نا بابا، پودے خوش ہو گئے، خوشی کے مارے انہوں نے مجھے نہلا دیا!"

وہ قہقہہ لگاتے بولی، اور جنید میرزا نے بے اختیار ہنستے ہوئے کہا،

"بس بیٹا، تمہاری وجہ سے میرا دل ہر روز اسپتال چلا جاتا ہے، اور دماغ پیرس کی فضا میں چھٹیاں مناتا ہے!"

حوریب نے ہنستے ہوئے پائپ بند کیا، بالوں سے پانی جھاڑا، اور شرارت سے بولی،

"تو پھر آج شام کو ہم آئس کریم کھانے چلیں؟ پودوں کی خوشی میں!"

”آئس کریم؟“

”ہاں بابا، بونسائی کا برتھ ڈے ہے نا آج!“

جنید میرزا نے بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا—

”اللہ مجھے صبر دے، اور حوریب کو عقل... اگر ممکن ہو تو تھوڑی سی زیادہ!“

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

صبح کی ہوا میں سفیدی گھلی ہوئی تھی۔ سفید حویلی کے اونچے در و دیوار جیسے کسی صدی کی خاموش گواہی دے رہے تھے۔ درختوں کے پتے ہلکی ہوا کے ساتھ سرسراتے، اور پرندوں کی آوازیں اس منظر کو کسی کلاسیکل فلم کے بیک گراؤنڈ میوزک کی طرح مکمل کر رہی تھیں۔

دروازے کے قریب کھڑا ملازم سیدھا ہو گیا۔ اس کی نگاہ بار بار بند دروازے پر جا ٹھہرتی۔ حویلی کا ہر ذرہ واقف تھا کہ ابھی اس کا مالک نمودار ہونے والا ہے۔

— دروازہ آہستہ سے کھلا

اور میر شاہ باہر آیا۔

بلیک شلوار قمیض پر آف وائٹ شال کندھے پر اوڑھے قدموں میں ایسی ٹھہراؤ کہ زمین بھی لمحے بھر کو رک سی گئی۔ دھوپ کی کرن جب اس کے چہرے پر پڑی تو اس کے براؤن آنکھوں میں چمک کے بجائے گہرائی دکھائی دی — وہ گہرائی جو صرف طاقت، درد اور تجربہ ساتھ لا کر دیتی ہے۔

اس نے ایک نظر حویلی پر ڈالی — جیسے کسی سلطنت کے بادشاہ نے اپنے قلعے کو آخری بار دیکھا ہو۔

ملازم نے فوراً آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

”میٹنگ آفس میں شروع ہو چکی ہے، سر…“

”شروع ہونے دو۔ فیصلہ میرے آنے کے بعد ہی ہوگا۔“

اس کا لہجہ نرم تھا مگر اس میں ایک انکار کی گونج تھی — انکار کسی جھکاؤ، کسی سمجھوتے سے۔

گاڑی کے پہیے مٹی اڑاتے ہوئے حویلی سے باہر نکل گئے۔

پارٹی آفس میں غیر معمولی شور تھا۔

سینیٹرز، ممبرز، رپورٹرز — سب ایک ہال میں جمع تھے۔

آج بات "چک نمبر 48 کی زمین " پر تھی۔

ایک طرف سینیٹر فہد ملک — پارٹی فنڈ کا سب سے بڑا ذریعہ۔

دوسری طرف عبدالرزاق — ایک بوڑھا کسان، جس کے چہرے کی لکیروں میں غربت نہیں، حق کی پکار لکھی تھی۔

دروازہ کھلا۔

میر شاہ داخل ہوا۔

کالی شلوار قمیض، آف وائٹ شال، نگاہ سیدھی، قدموں میں سکون مگر رعب ایسا کہ سانسیں بھی دھیمی ہو گئیں۔

وہ سیدھا اپنی کرسی پر بیٹھا۔

فائل کھولی۔ ایک نظر بیٹھے لوگوں پر ڈالی۔۔فہد ملک نے مسکرا کر اسکی طرف دیکھا جیسے کچھ چیلنج کیا ہو ۔

"یہ زمین عبدالرزاق کے نام ہے۔ مگر قبضہ فہد ملک کے لوگوں نے کیا ہے۔"

کمرے میں ہلچل مچ گئی۔

"ایک شخص بولا" :سر ...فہد ملک پارٹی کے لیے اہم ہیں۔

میر شاہ نے سر اٹھایا۔

براؤن آنکھیں سیدھی اس شخص پر جمی تھیں۔

"...اہم وہ نہیں ہوتا جو چندہ دے"

"اہم وہ ہے جو ضمیر نہیں بیچتا۔

کمرہ خاموش ہو گیا۔

صرف ایئر کنڈیشنر کی ہلکی سی آواز باقی تھی۔

فیصلہ صاف ہے — زمین عبدالرزاق کو واپس ملے گی۔"

"اور فہد ملک ...پارٹی سے معطل۔

فہد ملک کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تم جانتے ہو تم کس سے ٹکرا رہے ہو، میر شاہ؟"

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

ہال کے اندر خاموشی کا بوجھ اتنا گہرا تھا کہ سانسیں بھی محتاط تھیں۔

میر شاہ نے چادر کندھے پر ڈالی، ایک نظر ہال پر ڈالی—— وہی نگاہ جس میں وقار بھی تھا، چیلنج بھی۔

“میں غلطی سے نہیں… ناانصافی سے ٹکرا رہا ہوں۔

اور اگر میرا فیصلہ غلط ہے، تو میں ثبوت مانگتا ہوں۔

ہیں کسی کے پاس ... ثبوت؟”

لفظ ‘‘ثبوت ’’ہال کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹا، مگر جواب کوئی نہ آیا۔

سب اپنی کرسیوں پر ایسے بیٹھے تھے جیسے کسی نے ان کی زبانیں زنجیروں سے باندھ دی ہوں۔

— میر شاہ کی نظریں ایک ایک چہرے سے گزریں

"یہ خاموشی... میں کیا سمجھوں؟ خوف؟ مفاد؟ یا عادت؟ یا پھر میرے فیصلے سے رضامندی"

پیچھے سے ایک بھاری آواز ابھری۔

"جیسا آپ کریں سردار صاحب، آپ بے شک مخالف پارٹی کے ہیں، مگر ہم نے ہمیشہ آپ کے فیصلے کو سراہا ہے۔"

یہ جملہ جیسے کسی نے سیاسی میدان میں پتھر پھینک دیا ہو۔

ہال میں بیٹھے کئی چہرے چونکے، فہد ملک کا چہرہ زہر آلود سرخی میں ڈوب گیا۔

اس کے جبڑے سخت ہوئے، آنکھوں میں چنگاریاں۔

اس نے اپنے ہی پارٹی کے ممبران کو دیکھا—— وہ جو چند لمحے پہلے تک اس کے ساتھ تھے،

اب نظریں چرا رہے تھے۔

دانت پیستے ہوئے وہ اٹھا۔

کرسی کی ٹانگیں فرش سے ٹکرائیں اور ایک کھڑک سی گونجی۔

،یہ سب ایک ڈرامہ ہے "!وہ غرایا"

اور اگلے ہی لمحے دروازہ زور سے کھول کر باہر نکل گیا۔

،میر شاہ نے خاموشی سے میز پر رکھی فائل اٹھائی

زمین کے کاغذات نکالے، اور عبدالرزاق کے سامنے رکھ دیے۔

"یہ تمہارا حق ہے۔ اب اسے کبھی مت چھیننے دینا۔"

عبدالرزاق کے آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے کاغذ لیے،

اور جھک کر میر شاہ کے ہاتھوں کی پشت کو چوما۔

اچانک کیمروں کی فلیش چمکیں۔

میڈیا کے رپورٹر پہلے ہی بلائے جا چکے تھے۔

تصویر قید ہوئی—— ایک سیاستدان اور ایک کسان، انصاف کے ایک لمحے میں جُڑے ہوئے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

یونیورسٹی کے لیے تیار ہوتی حیام آئینے کے سامنے کھڑی تھی، جیسے خود سے کوئی خاموش مقابلہ کر رہی ہو۔ اس نے ہیزل براؤن آنکھوں پر ہلکا سا مسکارا لگا تو وہ اور گہری لگنے لگیں—ایسے جیسے کسی کہانی کے کردار میں چمک چھپی ہو۔ ہونٹوں پر ہلکی لپ اسٹک کا لمس آیا تو چہرہ جیسے کسی پوشیدہ روشنی سے بھر گیا۔ لمبے ریشمی بالوں کو نفاست سے جوڑے کی شکل میں

قید کرتے ہوئے وہ ایک لمحے کو مسکرائی، اور اس کی مسکراہٹ میں نجابت، معصومیت اور ضبط کا حسین امتزاج تھا۔

دوپٹے کو اسٹولر اسٹائل میں لپیٹ کر کندھے پر سیٹ کیا تو وہ مکمل تصویر لگنے لگی–ایسی تصویر جس پر نظر پڑے تو دل دعا دینے لگے۔

ماما ... مس یو، کاش آپ میرے ساتھ ہوتیں، "اس نے دھیرے سے" کہا، اور سائیڈ ٹیبل پر رکھی اپنی ماں کی تصویر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کا کنارہ بھیگ گیا۔ وہ لال ناک کو رومال سے صاف کرتی نیچے آئی تو زیمرہ شاہ ،نے اسے دیکھ کر محبت سے پکارا

"میری بیٹی ...دھیان سے جانا۔"

زیمرہ شاہ اس کی ماں نہیں تھی، مگر شاہ حویلی والوں نے کبھی اسے ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

جی ممانی جان، ڈرائیور کو بول دیا ہے، آپ فکر نہ کریں، "حیام نے نرمی" سے کہا، اور بی جان کے ہاتھ چوم کر ڈرائیور کے ساتھ نکل آئی۔

گاڑی پُرسکون سڑکوں سے گزرتی شکر کے راستے پر تھی۔ حیام کی نظریں موبائل پر تھیں، جہاں وہ اپنے پسندیدہ ناول کی دنیا میں کھوئی بیٹھی تھی۔

اچانک ایک جھٹکا لگا——گاڑی زور سے رکی۔

بی بی جی، لگتا ہے گاڑی میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہے،"ڈرائیور نے تشویش"
سے کہا۔

"!اوہ نو !...آج تو انگلش کا ٹیسٹ ہے، اور مجھے ایک لفظ بھی یاد نہیں"
،حیام نے دل ہی دل میں سوچا، پھر مسکرا کر بولی

"چلو، اچھا ہے، بہانہ تو مل گیا۔"

، اس نے دوپٹے کو کندھے پر رکھا اور مرر نیچے کیا

"اب چچا، کیا کرنا ہے؟"

"بی بی جی، اگر آپ نیچے اتر آئیں تو شاید پاس ہی کوئی مکینک مل جائے"
ڈرائیور نے جواب دیا۔

ٹھیک ہے، "وہ مسکراتی ہوئی نیچے اتری۔"
اس کی ہیزل براؤن آنکھوں میں خوشی کی چمک جھلکنے لگی تھی، جیسے
آزادی کا مزہ پہلی بار چکھا ہو۔

ڈرائیور گاڑی سے نیچے اترا اور بونٹ اٹھا کر جھانکنے لگا،

"بی بی جی، اتنا مسئلہ نہیں ہے، تھوڑی دیر میں گاڑی ٹھیک ہو جائے گی۔"

حیام نے سر ہلایا اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ دن ہلکی دھوپ میں چمک رہا تھا، ہوا میں تازگی تھی —— مگر اگلے لمحے جو ہوا، اس نے سب کچھ بدل دیا۔

اچانک ایک بلیک رینج روور رفتار سے اس کے پاس سے گزری، اور زمین پر پڑا پورا کیچڑ چھلک کر حیام کے کپڑوں پر جا گرا۔

وہ ایک لمحہ ساکت کھڑی رہی، پھر جیسے غصے نے جسم میں بجلی بھر دی ہو ——

"واٹ دا ہیل!" وہ چیخی، گاڑی کی سمت ہاتھ لہراتی ہوئی۔

رینج روور ایک دم رکی۔ ٹائروں کے نیچے سے دھول اڑتی رک گئی۔

گاڑی کے دروازے سے ماہیر خان اترا —

سیاہ تھری پیس سوٹ، برانڈڈ چمکتے جوتے، کلائی پر ڈیجیٹل واچ،

اور چہرے پر وہ رعب جو عام انسانوں کا نہیں ہوتا۔

اس نے گاڑی کا دروازہ آہستگی سے بند کیا، اور نگاہ سیدھی حیام پر ٹک گئی۔

"واٹ دا ہیل ! تمیز نہیں ہے تمہیں؟ یہ کیا کیا تم نے؟"

حیام آگے بڑھی، ہونٹ غصے سے کپکپا رہے تھے۔

"بس بڑی بڑی گاڑیوں میں بیٹھنے کا شوق ہے، چلانا کچھ نہیں آتا!"

ماہیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ وہ معافی مانگنے آیا تھا —

لیکن اس لڑکی کے لہجے میں جو آگ تھی، اس نے اس کے اندر کا ضبط ہلا دیا۔

"محترمہ... دیکھ رہا ہوں آپ میں کتنی تمیز ہے؟" وہ بولا، مگر بات مکمل کرنے سے پہلے ہی حیام کا جملہ اس کے اوپر گرا،

"شٹ اپ! شکل گم کرو کیچڑ جیسی۔ میرا فیورٹ جوڑا خراب کر دیا، اتنے شوق سے بنایا تھا۔"

،ماہیر کے لبوں پر ایک خشک مسکراہٹ آئی

"کتنی تمیزدار ہیں آپ۔"

،ڈرائیور نے پیچھے سے آواز لگائی

"بی بی جی، گاڑی ٹھیک ہو گئی۔"

،حیام نے غصے سے گاڑی کی طرف رخ موڑا

ہمم، مجھے حویلی چھوڑ دو۔ اب یونی جانے والی حالت نہیں ہے۔ آجاتے"

ہیں کھیتوں سے ۔۔۔

ماہیر کی آنکھیں تنگ ہوئیں۔

"اتنا ہی بولو جتنا سہہ سکوں۔"

اس کی آواز دھیمی مگر خطرناک تھی۔

ماہیر خان ہے نام میرا، اور اگر زبان نہ سنبھالی تو ابھی اٹھا کے ایسی جگہ"
"پھینکوں گا جہاں سانس لینا بھی مشکل ہو جائے گا۔

،حیام نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا

میری طرف سے ماہیر خان ہو یا ہیر خان، فرق نہیں پڑتا۔ شاید تمہیں پتا"
"نہیں میں کون ہوں ... کس کی بہن ہوں۔

ایک پل کے لیے وہ تھمی— چہرے پر سختی کے ساتھ ساتھ ہلکا سا خوف بھی جھلکا،

مگر اگلے لمحے خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے نگاہ پھیر لی۔

ماہیر نے جاتے ہوئے ایک نظر ڈرائیور پر ڈالی۔

بس ایک نظر کافی تھی —

اسے فوراً پہچان گیا کہ یہ شاہ حویلی کا ملازم ہے۔

لیکن اس کے ساتھ کھڑی یہ لڑکی کون تھی؟

— یہ سوال اس کے ذہن میں اٹک گیا

ایک افلاطون، جو اس کی آنکھوں کے رنگ سے لے کر اندازِ گفتگو تک،

کسی ان کہی پہچان جیسی لگ رہی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

باسل دروازے کے چوکھٹ سے لگا کھڑا تھا، سامنے صوفے پر بیٹھی

حوریب میرزا کے چہرے پر وہی اداسی چھائی ہوئی تھی جس کے بارے

میں جنید میرزا نے بتایا تھا۔

ہاتھ میں کافی کا کپ تھا، مگر نگاہیں کہیں اور بھٹک رہی تھیں۔

"کیا ہوا لڑکی؟ اتنی اداس کیوں بیٹھی ہو؟"

باسل نے نرمی سے پوچھا۔

،حوریب نے نظریں چرائیں

"...مجھے آپ سے بات نہیں کرنی، بھائی"

اس کے لہجے میں بچپنا بھی تھا اور خفگی بھی۔

،باسل نے صوفے کے سامنے بیٹھتے ہوئے مسکراہٹ دبائی

"یار، میں تو یونیورسٹی سے سیدھا یہاں آیا ہوں۔ جنید انکل نے بتایا تھا تم پاکستان جانے کا سن کر اداس ہو گئی ہو۔"

"تو؟ "وہ کندھے اچکاتے بولی، "اداس ہو گئی تو کیا ہوا۔"

"یار کیا ہو گیا ہے، تم بولو نا۔ میں نہ جاؤں پاکستان؟"

"نہیں، جاؤ، میں نے کب روکا؟"

"پھر منہ کیوں لٹکایا ہے؟"

باسل نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

میری بہن ہو تم،یہی کہتے ہو نا پھر بہنو کو کوئی ایسے چھوڑ کر تھوڑی جاتا" ہے۔"

باسل شاہ"!وہ اس کے بازو کو کھینچتی چلائی،"جانا ضروری ہے چڑیل"، ورنہ میری ماما بابا اکیلے ہیں۔بی جان، آغا جان، سب میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

پھر اچانک شوخی سے بولی،

"اور تمہارا وہ اکڑو سڑیل بھائی بھی جو روز فون کرتا ہے۔"

،حور "!باسل نے ناک سکیڑی"

تمہیں پتا ہے، تم میرے بھائی سے جلتی ہو۔ ایسے بول لیتی ہو، ورنہ ہم"
"سب تو ان سے بہت ڈرتے ہیں۔

"اچھا؟"

،وہ طنزیہ ہنسی ہنستی ہوئی بولی

"ڈرتے ہو گے تم سب، لیکن حوریب میرزا کسی سے نہیں ڈرتی۔"

"باسل ہنسا، "ہاں، پتا ہے، تم ڈراتی ہو، ڈرتی نہیں ہو۔

پھر اس نے سنجیدگی سے پوچھا،

"ویسے کب لگاؤ گی پاکستان کا چکر تم؟"

"جب تم بلاؤ گے..." وہ ہلکا سا مسکرائی،

"ویسے بھی بابا کہہ رہے ہیں اب ہم پاکستان میں ہی رہیں گے۔ بزنس وہ خود سنبھالیں گے اور میں بھی شاید کسی یونی میں اپنی اسٹڈی کنٹینیو کروں۔"

باسل نے اس کی مسکراہٹ کے ساتھ ابھرتا ڈمپل دیکھا تو خود بھی مسکرا اٹھا۔

"ہمم، ٹھیک ہے، پھر ہماری ملاقات پکی۔ بہت مزہ آیا تمہارے ساتھ۔"

"واقعی؟"

قسم سے، تم نے بہن کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ تنگ کر کے رکھا"

"مگر دل جیت لیا۔

اسکے دماغ میں ہلکا سا ماضی کا سراپا لہرایا تھا

"!ہاں اور آپ بھی میرے سب سے پیارے بھائی ہو"

وہ ہنستے ہوئے بولی، "اپنا خیال رکھنا، اور ہاں، شادی پر ضرور بلانا مجھے۔ تم

"جانتے ہو، مجھے پاکستان کا کلچر دیکھنے کا شوق ہے۔

"ہمم، اور تم بھی بلانا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

باسل نے اٹھتے ہوئے کہا،

"چلو آج باہر چلتے ہیں، کچھ کھا کر آتے ہیں۔"

حوریب کی آنکھوں کے کنارے اب بھی نم تھے، مگر باسل کی بات پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

"!ٹھیک ہے، میں ریڈی ہو کے آتی ہوں، دس منٹ بس"

،وہ قہقہہ لگاتی ہوئی کمرے کی طرف بھاگی

باسل دروازے کے پاس کھڑا دیر تک مسکراتا رہا۔

دل میں بس ایک خیال آیا —

"اگر میری بہن ہوتی… تو شاید ایسی ہی ہوتی۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

کمرے میں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہلکی ہوا کے ساتھ سرسرا رہے تھے، جیسے وہ بھی کسی دبے درد کو محسوس کر رہے ہوں۔

زیمرہ شاہ آرام دہ کرسی پر بیٹھی تھیں، مگر ان کے وجود سے تھکن اور اداسی صاف جھلک رہی تھی۔

،عیان شاہ نے ان کے قریب آ کر نرم لہجے میں کہا

"زیمرہ شاہ، کیا میں پوچھ سکتا ہوں؟ بیٹا واپس آ رہا ہے، پھر بھی اتنی اداس کیوں بیٹھی ہو؟"

وہ خاموش رہیں، صرف نظر کھڑکی کے پار بھیج دی، جیسے وہاں کوئی جواب چھپا ہو۔

،پھر آہستہ سے بولیں

نہیں، عیان شاہ... خوشی تو ہے، میرا بیٹا، میرے جگر کا ٹکڑا... پانچ سال"
بعد واپس آ رہا ہے۔

"لیکن دل ... میرا دل تو میرے پاس نہیں ہے۔

،عیان نے گہری سانس لی

"زیمرہ، تم بھول کیوں نہیں جاتی؟"

زیمرہ شاہ کی ہنسی تلخ تھی، "بھول؟ شاید ہمیں یہ ہمارے گناہ کی سزا ملی
"ہے۔

"گناہ کی سزا اتنی لمبی مدت کی ہوتی ہے، کیا؟؟؟ زیمرہ؟"

،زیمرہ نے نظریں جھکائیں

آج میری حور جوان ہو گئی ہو گی ...اسے ماں کی ضرورت ہے۔"

لیکن کوئی ہے وہاں؟ کوئی سنبھالنے والا؟

میری غلطی کی سزا میری بیٹی کو ملی...عیان شاہ نے اپنی من آنکھوں کو پونچھا ---

اور میر شاہ...اُس نے تو جیسے دل میں ٹھان لیا ہے کہ حور کے علاوہ کسی کو "سوچے گا بھی نہیں۔

عیان نے بے بسی سے کہا،

"تم سمجھاؤ اسے، کب تک یونہی رہے گا؟"

"کوشش تو کرتی ہوں، عیان...

لیکن جب میں میر شاہ کو دیکھتی ہوں، تو مجھے لگتا ہے، میری حالت سے زیادہ بُری حالت اُس کی ہے۔

کاش اُس رات وہ بچہ سامنے نہ آتا...

کاش وہ منحوس بشیر ڈرائیور میری بیٹی کو نہ لے جاتا...

خود تو مر گیا، لیکن ہمیں... نہ جینے دیا، نہ مرنے دیا!"

وہ چلائیں، اور غصّے میں پاس رکھا لیمپ اٹھا کر زور سے دیوار پر دے مارا۔

—— آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھلا

،میر شاہ اندر آیا

"چچی ...کیا ہوا؟ کیا ہوا چچی کو، چاچو؟"

زیمرہ شاہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

!م۔۔۔ میر !میری حور کو لا دو نا"

تم تو لا سکتے ہو نا، کچھ بھی ناممکن نہیں تمہارے لیے... پھر یہ کیوں ممکن نہیں ہو رہا؟"

میر خاموشی سے آگے بڑھا، ان کے قریب گھٹنے ٹیک کر بیٹھا،

ان کے لرزتے ہاتھوں کو تھام کر بولا،

"چچی ...بس، سکون کریں۔"

ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکل کر زمین پر گرا۔

چچی ...شاید اب ہمیں ایسے ہی زندگی گزارنے کی عادت ڈال لینی" چاہیے۔

"شاید اب ہمیں اس نام کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔

"...ایسا نہ بولو میر"

زیمرہ کی آواز کانپ گئی۔

"...وہ میری جان تھی... تمہاری روح تھی نا؟ بلا لو نا اسے اپنے پاس"

چچی، پلیز ...خاموش ہو جائیں۔"

"بس بھول جائیں سب کچھ۔

،زیمرہ شاہ نے آنسو پونچھے، مگر دل کی چیخ زبان پر آ گئی

بھول جاؤں؟ اگر ایسی بات ہے تو تم شادی کیوں نہیں کر لیتے، میر؟"

"!تم بھی بھول جاؤ نا، جیسے سب کہتے ہیں

نہیں بھول سکتا میری روح ہے وہ اسکو نا سوچو تو جسم بے جان سا ہونے لگتا ہے اسنے نم آنکھیں صاف کی

—— دروازہ دھڑ سے کھلا

بی جان اوپر آ چکی تھیں۔

ان کے پیچھے زیزہ شاہ اور منت بھی تھیں۔

"!زیمرہ، بس کرو بچے"

بی جان نے نرمی مگر رعب سے کہا۔

میر شاہ بہت جلد اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرے گا۔"

"!ورنہ ہم خود اس کی شادی کریں گے

میر شاہ کا وجود تن گیا۔

آنکھوں میں ایک ٹھہرا ہوا طوفان سا ابھرا۔

"...یہ آپ کی بھول ہے، بی جان"

،اس نے دھیرے مگر کرڑک لہجے میں کہا

ہم صرف میسر اپنی روح کو ہیں۔"

"ہماری توجہ کسی اور کے لیے میسر نہیں ہو سکتی۔

،زیزہ شاہ نے رندھی آواز میں کہا

"...میر، ہم تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتے، بیٹا"

میر نے چہرہ موڑا، لہجہ سخت مگر آنکھیں نم تھیں۔

تو پھر حکم کریں، ہم یہ شہر، یہ حویلی چھوڑ دیتے ہیں۔"

اگر اتنا مسئلہ ہے تو یہ دنیا بھی چھوڑ دیں۔

— لیکن ایک بات طے ہے

"ہم نے زندگی کا تصور صرف حورعین شاہ کے ساتھ کیا ہے۔

"تو کیا ساری زندگی ایسے گزار دو گے؟"

زیبزہ کی آواز ٹوٹ گئی۔

"!ہم تمہاری ماں ہیں، ایسے دیکھ کر مر جائیں گے"

— میر نے نگاہ اوپر اٹھائی

اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔

"کوئی نہیں مرتا، ماما...

ہمیں بھی یہی خوش فہمی تھی کہ روح کے بغیر مر جائیں گے۔

دیکھ لیجیے — بائیس سال سے جی رہے ہیں نا؟

اسی امید پر، کہ شاید ہمارا خدا ہم پر رحم کر دے..."

پھر اس نے شال کندھے پر سیدھی کی،

آنکھوں کے آنسو بے دردی سے پونچھے،

اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں صرف سسکیاں رہ گئیں۔

— بی جان، عیان شاہ، زیزہ، زیمرہ، اور منت

سب خاموش، سب بے بس۔

— اور ان سب کی آنکھوں میں ایک ہی سوال

کیا محبت واقعی مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتی؟

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿:

ماضی کی گونج

شاہ حویلی کی شان و شوکت اس دور میں اپنی مثال آپ تھی۔

آغا جان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھے——

بڑا بیٹا شاہزیب شاہ، اس کے بعد زرمین شاہ، اور سب سے چھوٹا عیان شاہ۔

شاہزیب شاہ کی شادی زیبزہ بیگم سے ہوئی تو حویلی کی فضاؤں میں نئی خوشبو پھیل گئی۔ شادی کے ایک سال بعد ہی ننھا میر شاہ اس دنیا میں آیا —آغا جان کی آنکھوں کا تارا، ان کی امیدوں کی روشنی۔

پھر زرمین شاہ نے خان حویلی کے بڑے سپوت اسد خان سے پسند کی شادی کر لی۔

محبت سے شروع ہونے والی کہانی کا انجام مگر دکھ بھرا نکلا —— آٹھ سال بعد زرمین نے اپنی بیٹی حیام خان کو جنم دیا ،

خان حویلی والے اگرچہ وجاہت میں شاہوں جیسے تھے دل کے اچھے ،

اسد خان نے اولاد کے لیے دوسری شادی کر رکھی تھی اس بات کا شاہ حویلی والوں کو پتا چلا تو زرمین نے خلع کے لی تو شاہ حویلی والوں نے زرمین اور حیام کو اپنے پاس بلا لیا۔

آغا جان نے اعلان کیا:

"ہے، اب یہ ہماری بیٹی ہے، ہماری عزت دونوں اس حویلی میں رہے گی۔

یوں حیام شاہ حویلی کا حصہ بن گئی،

جہاں اسے کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی گئی۔

دوسری طرف عیان شاہ کی زندگی بھی مکمل تھی

زیزہ کی بہن زیمرہ شاہ اس کے نصیب میں آئی۔

،اللہ نے پہلے بیٹا دیا، باسل شاہ

اور پھر چار سال بعد بیٹی حورعین شاہ۔

جبکہ شاہزیب اور زیزہ کے گھر ننھی منت شاہ نے جنم لیا۔

بیٹیوں کی آمد سے حویلی کی رونقیں دوبالا ہو گئیں۔

صبحیں قہقہوں سے روشن ہوتیں اور شامیں بچوں کے شور سے مہکتی

تھیں۔

،چھوٹا سا میر شاہ، آٹھ برس کا

ہمیشہ حورعین کو گود میں لیے پھرتا۔

حورعین بھی سارا دن میر کا ہاتھ پکڑے پوری حویلی میں گھومتی رہتی۔

وہ چار سال کی تھی اور میر دس سال کا

منت اور باسل بھی پاس ہوتے مگر میر کی دنیا بس حورعین کے گرد گھومتی تھی۔

”!یہ میری ہے !کوئی نہیں آئے گا اس کے پاس“ >

میر شاہ کے معصوم مگر حاکمانہ لہجے پر سب ہنس دیتے۔

،باسل شاہ چھوٹا سا منہ بناتا

”!میں تو اس کا بھائی ہوں“

—میر فوراً سینہ تان لیتا

”!تو میری بہن کا بھائی بن، یہ میری روح ہے۔ میری دلہن“ >

سب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔

آغا جان کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔

انہیں لگتا جیسے تقدیر نے خود ان کے خاندان کے لیے بندھن بُنا ہو۔

،ایک دن، سب کی نظروں سے چھپ کر نہیں بلکہ خاندان کی رضا سے

آغا جان نے حورعین شاہ اور میر شاہ کا نکاحِ صغار کر دیا۔

اس دن شاہ حویلی کے دیوان میں اذانوں کی آواز کے ساتھ ایک اور گونج

بھی تھی —

ایک ننھی روح کے نصیب میں لکھے گئے عشق کی ابتدا کی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

کمرے میں داخل ہوتے ہی حیام نے جوتے ایک طرف پھینکے اور بیگ بیڈ پر اچھالا۔

موبائل اٹھایا تو اسکرین پر ''فریحہ کالنگ ''جگمگا رہا تھا۔

بغیر وقت ضائع کیے کال اٹھائی۔

''ہاں چڑیل، آج یونی کیوں نہیں آئی؟''

دوسری طرف سے فریحہ کی شوخ آواز گونجی۔

"یار کیا بتاؤں ... گاڑی خراب ہو گئی، ڈرائیور بھی نخرے دکھانے لگا،
...پھر رکشے والے نے بیچ راستے چھوڑ دیا"

حیام نے ایک سانس میں سارا حال سنا ڈالا۔

"اچھاا... جھوٹ کم بول ۔۔سیدھا بھونک تُو نے ٹیسٹ سے جان
چھڑوا لی؟"

فریحہ کی ہنسی کمرے میں گونجی۔

"ہاں، اور نہیں تو کیا! میں کیا انگریزوں کی اولاد ہوں جو یہ انگلش پڑھ
پڑھ کر کہانیاں لکھوں؟"

”حیام نے ناک سکیڑی، “ویسے تیرا ٹیسٹ کیسا ہوا؟

”!ٹیسٹ ہوا ہی نہیں، حیام خان“

فریحہ نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

”کیاا؟ کیوں؟ پھر اتنا شور کس بات کا تھا؟“

”!کیونکہ آج یونی میں ...اوہ حیام، کیا بندہ آیا ہے“

”کون بندہ؟“

"نیو پروفیسر !انگلش کے ...اففف کیا پرسنیلٹی ہے۔ تیرے ناول کے
ہیرو جیسے ہیں سیم یار۔۔۔ سارا لیکچر انگلش میں دیا، لیکن جب بولتے ہیں
تو دل کرتا ہے بندہ بس ان کے ہونٹوں کو ...نا—دل کرتا ہے بندہ بس ان کے ہونٹوں کو"

"بس کر، فری"! حیام نے شرماتے ہوئے اسے ٹوکا۔

"تو بتا، میں کیا کروں اب؟"

"یار کل ٹیسٹ ہے، ریڈی ہو جا۔ یہ سر بڑے سٹریکٹ ہیں۔ قسم سے،
کلاس میں میمونہ اور لیلیٰ کی بھی بولتی بند کروا دی۔"

فریحہ نے مزے لے لے کر خبر سنائی۔

“ل... لیکن کیسے ریڈی کروں، فری؟ مجھے انگلش نہیں آتی۔ میں کوئی
بہانہ مار لوں گی...”

حیام نے سر دباتے ہوئے دوپٹہ بیڈ پر پھینکا۔

“بہانہ نہیں چلے گا جانِ من۔ نہ ہی چیٹنگ۔ پہلے بتا رہی ہوں، اپنا
بندوبست کر کے آنا۔ اس بار میں تیری مدد نہیں کر سکتی!”

“فری ... تو مجھے ڈرا مت۔ مطلب میں فیل ہو جاؤں گی
”

"ہمم، کچھ ایسا سمجھ لے!"

فریحہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"فریحہ ... شاہ حویلی کی عزت خاک میں مل جائے گی! میں ایسا نہیں ہونے دے سکتی!"

"ارے ریلیکس ہو جا۔ خوبصورت تو تُو ہے ہی، کوئی ادا دکھا کر کام بنوا لینا!"

فریحہ کی بات پر حیام نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

”افف خدایا! کہاں پھنس گئی ہوں! ایک سے بڑھ کر ایک نمونہ“

فون بند کرتے ہی اس نے بکس اٹھائی اور صاف کتاب کے صفحے پلٹنے لگی۔

”...چلو، اینڈ سے سٹارٹ کرتی ہوں“

وہ خود کو موٹیویٹ کر رہی تھی۔

—لیکن دس منٹ بعد ہی سچائی سامنے تھی

کتاب بند، بال بکھرے، چہرے پر نا امیدی۔

"میرے بس کی بات نہیں انگلش پڑھنا!"

اس نے غصے سے کتاب بند کی، موبائل اٹھایا، اور منہ پھلاتے ہوئے ناول کھول لیا۔

"کم از کم ناول ہی دل خوش کر دے گا... یہ انگلش تو خون خشک کر دیتی ہے!"

وہ بڑبڑاتی رہی، اور پسِ منظر میں دیوار پر لگی گھڑی ٹک ٹک کرتی، اس کی انگلش دشمنی پر مسکرا رہی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

شاہ حویلی کی ناشتہ گاہ میں صبح کی روشنی جھلملاتی کھڑکیوں سے اندر آ رہی تھی۔

لمبی میز پر سب لوگ جمع تھے، مگر فضا میں ایک انجانی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

سب کی نظریں ایک ہی سمت تھیں — دروازے کی طرف۔

کچھ لمحے بعد بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔

میر شاہ، سرخ آنکھوں کے ساتھ، ہاتھ میں شال درست کرتا، ہمیشہ کی طرح متوازن مگر تھکے قدموں سے اندر آیا۔

چہرے پر نیند کی کمی صاف جھلک رہی تھی، مگر وقار ویسا ہی قائم تھا۔ کرسی کھینچ کر بیٹھا تو کمرے کی فضا میں جیسے ایک خاموش سا رعب پھیل گیا۔

آغا جان نے نرمی سے کہا،

”میر...“

”جی آغا جان۔“

باسل شاہ پرسوں آرہا ہے۔ استقبال کا سارا انتظام خود دیکھ لینا۔ "کسی بھی چیز میں کمی نہیں ہونی چاہیے۔ آخر ہمارا چھوٹا سردار ہے ...اور اب ڈاکٹر بن کر لوٹ رہا ہے۔"

میر شاہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، "جی آغا جان، بہت خوشی کی بات ہے۔ میں سب دیکھ لوں گا، آپ فکر نہ کریں۔"

آغا جان مطمئن انداز میں سر ہلاتے نوالہ اٹھاتے ہیں،

مگر ٹیبل کے ایک کونے میں بیٹھی منت شاہ کے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔

اس نے چمچ پلیٹ میں رکھ دیا،

سانسیں الجھنے لگیں،

دل کی دھڑکن جیسے کانوں میں سنائی دینے لگی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی گڑیا؟"

میر نے نگاہ اٹھائی، تو سامنے منت کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔

"ن ... نہیں بھائی، ٹھیک ہوں۔"

وہ جلدی سے گلاس لبوں سے لگاتی ہے مگر پانی بھی ہونٹوں کے کنارے سے بہہ جاتا ہے۔

"پھر یہ ہاتھ اتنے ٹھنڈے کیوں ہیں؟"

— میر نے اس کا ہاتھ تھاما

چھو کر لگا جیسے برف ہو۔

"ابھی کے ابھی میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہو۔"

اس کے لہجے میں سردارانہ حکم تھا، جو انکار برداشت نہیں کرتا۔

”نہیں بھائی ...بس ہلکا سا سر درد ہے، ف۔۔فکر نہ کریں۔“

منت نے بمشکل ہونٹوں سے الفاظ نکالے، آنکھیں جھکا لیں۔

”!منت“

میر کی آواز اب تھوڑی بلند ہوئی،“میں کچھ کہہ رہا ہوں، اور تم کچھ چھپا

”رہی ہو ہم سب سے؟

،وہ کانپ اٹھی

”ک ...کچھ نہیں بھائی ...و ...وہ بس“

الفاظ گلے میں اٹک گئے۔

میر نے ایک گہری سانس لی، نیپکن سے ہاتھ صاف کیے،

”کھانا کھا لو، پھر میرے ساتھ چلنا۔ گاڑی میں انتظار کروں گا۔“

اتنا کہہ کر وہ اٹھا،

اس کی شال ہلکی ہوا کے جھونکے کے ساتھ اڑی،

اور اس کے قدموں کی چاپ کے ساتھ کمرے کا سکوت اور گہرا ہو گیا۔

،منت شاہ بھی گھبراہٹ سے اپنی کرسی پیچھے کرتی کھڑی ہوئی

دل میں خوف، آنکھوں میں نمی، اور زبان پر ایک نہ کہی ہوئی بات۔

وہ جانتی تھی —

...اس بار میر شاہ کے حکم کو ٹالنا

شاید ناممکن تھا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

منت آہستہ قدموں سے آ کر گاڑی میں بیٹھی۔

ہلکی سی ہوا شال کے کنارے سے کھیل رہی تھی۔

میر شاہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی، پھر گاڑی سٹارٹ کی۔

کچھ لمحے خاموشی میں گزرے، پھر اس نے دھیرے سے کہا،

"منت ...بھائی کی جان، کیا مسئلہ ہے؟"

گاڑی کے اندر بس انجن کی گونج تھی۔

"ایسی نہیں تھی تم، ہنس مکھ تھی، شور مچانے والی... کہاں ہے تمہاری وہ ہنسی؟ کہاں گئیں تمہاری باتیں؟"

منت نے نظریں شیشے سے باہر بھگا لیں۔

”بھیا...میں ایسی ہی تو ہوں“

آواز میں ایک جھوٹی مسکراہٹ کی تھکن تھی۔

میر نے سر ذرا سا جھکایا،

“ایسی نہیں تھی میری جان، کیا چھپا رہی ہو؟ تمہارا بھائی ہے، حکم کرو

کیا چاہیے؟ —”

منت کے دل میں جیسے کسی نے کانٹا چبھو دیا۔

وہ دل ہی دل میں بولی :جو چاہیے، وہ مانگ کر لینا نہیں چاہتی۔

لیکن لب خاموش رہے،

"ک ...کچھ نہیں بھائی"

"ہاتھ کیوں کانپ رہے تھے؟ کس کا ڈر ہے؟"

ک ...کسی کا بھی نہیں "...اس نے جلدی سے آنسو روکے۔"

"باسل سے کب بات ہوئی تھی؟"

میر کی نظریں اب اس پر جمی تھیں۔

منت کی سانس رک گئی۔

اس نام پر دل جیسے کچھ دیر کے لیے دھڑکنا بھول گیا۔

”و ...وہ منتھ پہلے“

میر نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر دھیرے سے بولا،

”اچھا ...ٹھیک ہو گیا۔ کہاں ہے وہ؟“

و ...وہ آبروڈ ہے ”...اس نے نگاہیں جھکا لیں۔“

ٹھیک ہو گیا ”...میر نے زیرِ لب کہا۔“

،پھر ایک وقفے کے بعد

سٹوڈیو کا سب سے کیوں چھپانے کا بولا گڑیا؟ تمہارے ہاتھ میں ہنر“

—— ہے، پھر کیوں سب سے چھپاتی ہو

،بھائی ...بس شوق کے لیے کرتی ہوں۔ جب دل کیا چھوڑ دوں گی“

”...بس

وہ گھبراہٹ سے انگلیاں مروڑنے لگی۔

،ہمم ”...میر نے نظریں سیدھی سڑک پر گاڑ دیں“

لیکن اتنی افسردہ پینٹنگز کیوں؟ کیا غم ہے جو اندر ہی اندر کھا رہا ہے“
”تمہیں؟

گاڑی رکی۔

میر نے پورا رخ اس کی طرف کیا۔

اس کی نگاہ میں نرمی تھی، مگر لہجے میں وہی ٹھہراؤ—— جو حکم سے کم نہیں ہوتا۔

”...کچھ نہیں بھائی، مجھے بس شوق ہے“

”...ہمم“

وہ ہلکا سا مسکرایا، مگر مسکراہٹ آنکھوں تک نہ پہنچی۔

اور تمہیں پتہ ہے؟ تمہاری پینٹنگز نے سوشل میڈیا پر دھوم مچا دی ہے۔“

”اب تو آبروڈ تک سیل ہو رہی ہیں۔

منت نے فقط سر ہلایا۔

”جی بھائی۔“

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔
تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔
آپ کے تعاون کا شکریہ۔

”...آخر کوئی تو بات ہے ان میں“

میر کے لہجے میں سوال چھپا تھا۔

،پھر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا

بے‌شک، تم نا بتاؤ، میں سب خود پتا کر لوں گا۔“

”اور اگر کچھ مجھ سے چھپایا گیا ...تو پھر بہت برا پیش آؤں گا۔

یہ کہہ کر وہ باہر نکلا۔

منت نے آنکھیں بند کر کے سانس اندر کھینچی۔

گلے میں کچھ اٹک گیا تھا۔

— نم آنکھوں سے اس نے دھیرے سے تھوک نگلا

وہ جانتی تھی، میر شاہ کسی کی آنکھوں میں دیکھ کر سچ جان لیتا ہے۔

اور اب، جب پانچ سالوں سے وہ ہر بار ’’کچھ نہیں‘‘ کہتی آئی تھی،

تو شاید...

اب کچھ ہونے والا تھا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

ہسپتال کی ٹھنڈی راہداری میں منت کے قدم دھیرے دھیرے چل رہے تھے۔

میر شاہ اس کے ساتھ تھا، مگر اس کی نگاہوں میں وہی خاموش تجسس —— جیسے ہر بات کا جواب اس چہرے پر ڈھونڈ رہا ہو۔

کلینک کا دروازہ کھلا۔

ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں مسکرا کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”جی، بتائیے منت صاحبہ، کیا مسئلہ ہے؟“

منت نے گہرا سانس لیا،

ڈاکٹر... ، کمزوری سی لگتی ہے، اور کچھ دنوں سے سر میں درد بھی رہتا“

ہے...”

میر نے پہلو بدلا، اور ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

وہ نظر ایسی تھی جیسے "سب ٹھیک ہے" کی جھوٹی چادر ایک لمحے میں اتار دے۔

ڈاکٹر نے قلم اٹھایا،

"اچھا ...تو آپ نے کوئی ٹیبلٹ لی اس دوران؟"

"...جی ...لیتی ہوں، جب درد برداشت نہ ہو"

منت نے نظریں نیچی کر کے جواب دیا۔

ڈاکٹر نے بلڈ پریشر چیک کیا۔

”سب نارمل ہے۔ کوئی خاص پریشانی یا ذہنی دباؤ؟“

منت نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں ...کچھ نہیں“

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے ٹیبلیٹ لکھنا شروع کیا،

ٹھیک ہے، میں کچھ ٹیسٹ لکھ کر دے رہا ہوں، آپ یہ لیبارٹری سے"
کروا لیجیے گا۔

دو دن میں رپورٹس آ جائیں گی۔

"یہ دوائیاں ریگولر لینی ہیں — کوئی ناغہ نہیں۔

اس نے پرچی آگے بڑھائی۔

منت نے خاموشی سے پکڑ لی۔

میر نے بس ایک نظر اس کی طرف ڈالی— وہ نظر سوالوں سے بھری ہوئی تھی، مگر لب پھر بھی بند تھے۔

لیبارٹری میں جا کر ٹیسٹ کروانے کے بعد،

جب دونوں باہر نکلے تو دھوپ ہلکی سی زردی لیے افق پر پھیلی ہوئی تھی۔

میر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے رخ اس کی طرف کیا،

"چلو ...آج میں اپنی بہن کو مزے دار سا کچھ کھلاتا ہوں۔"

گاڑی ایک مشہور ریسٹورنٹ کے سامنے رکی۔

منت نے خاموشی سے شال درست کی،

اور سوچ میں گم سی بولی،

”بھیا...میں کچھ نہیں کھاؤں گی“

میر شاہ نے نگاہیں سڑک پر گاڑ دیں۔

”کھانا نہیں — بات کرنی ہے تم سے، گڑیا۔“

اس کی آواز میں نرمی بھی تھی، اور فیصلہ بھی۔

— منت کے دل کی دھڑکن لمحہ بھر کو رک گئی

کیونکہ وہ جانتی تھی، میر شاہ جب نرمی سے بات کرتا ہے... تب فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

میر نے ریسٹورینٹ کے شیشے کے دروازے کو دھکیل کر کھولا تو اندر ہلکی روشنیوں اور خوشبوؤں نے ان کا استقبال کیا۔

ماربل کے فرش پر پڑتی روشنی منت کے چہرے پر چمک کی طرح جھلک رہی تھی، مگر اس کے چہرے پر وہی خاموشی بسی ہوئی تھی—جیسے دل کے اندر کوئی شور دبا ہو۔

ویٹر مؤدب انداز میں آگے آیا،

"سر، کیا آرڈر کریں گے؟"

میر نے پرسکون لہجے میں کہا،

"ہمم… میری گڑیا کو میٹھا بہت پسند ہے، ہے نا؟ تو پہلے چاکلیٹ مولٹن کیک اور پھر گرلڈ چکن اسٹیک، ساتھ میں پائن ایپل جوس لے آؤ۔"

منت نے ہلکا سا چونک کر اس کی طرف دیکھا،

”بھیا، آپ کو یاد ہے مجھے چاکلیٹ پسند ہے؟“

،میر ہلکا سا مسکرایا

”بھائی ہوں تمہارا ... بھول سکتا ہوں کیا؟“

منت نے نظر جھکا لی۔

لیکن بھائی میں یہ سب کیسے کھاؤں اتنا میٹھا۔۔۔وہ اتنا سب دیکھ کر ہچکچائی ۔۔

جیسے پہلے کھاتی تھی ۔۔۔میر نے کیک کو نائف سے کاٹتے اسکے آگے کیا

بھائی میں موٹی ہو جاؤں گی۔۔۔وہ مسکراتی ہوئی بولی۔۔

نہیں ہوتی تم۔۔۔۔ اور نا ہی تو میری بہن کو کوئی موٹی کہہ سکتا ہے۔۔۔کیک اسکے آگے کرتا میر مسکرایا

لیکن منت کی آنکھیں اسکی بات پر نم ہوئی تھی۔

یہ کہہ کر ہی تو آپ کی بہن کو ٹھکرایا گیا ہے۔وہ

کیک کو منہ میں ڈالتی دل میں بولی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

ماہیر یونیورسٹی سے سیدھا اپنے ویلا کی طرف لوٹ آیا۔ وہ دن بھر کی تھکن اپنے کندھوں پر سوار کیے ہوئے تھا مگر اس کے قدموں میں ایک

غیر محسوس عجلت تھی—— جیسے کوئی گھڑی اندر کہیں تیزی سے ٹک ٹک کر رہی ہو۔ اس نے دروازہ دھکیل کر اندر قدم رکھا تو ہال میں روشنی اور فرنیچر کی خاموشی میں بھی اک چابکدستی سی مہک تھی؛ آج اسی میں ایک ملاقات طے تھی۔

کارل، جو اس کا خاص آدمی تھا،اسکا دوست پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ کارل کا چہرہ معمول کی طرح سخت اور بیقرار—— بلیک کوٹ میں لپٹا، بالکونی کی طرف کھڑا تھا۔

سر، ہمارا شک یونیورسٹی میں بالکل درست نکلا۔ لڑکیوں کو ہراساں کیا" جا رہا ہے، اور یہ کوئی اتفاق معلوم نہیں ہوتا۔ "کارل خاموشی توڑتے ہوئے بولا۔

نے اس کے پورے (mask) ماہیر نے چہرہ موڑا، بلیک رنگ کی ہڈی چہرے کو ڈھکا رکھا تھا، مگر آنکھوں کی دھندلک میں ایک جرأت سی جھلک رہی تھی۔ "کارل، بس — بہت کم دن لگیں گے ہمیں اس مشن میں۔ تم ڈی جی کے مشن پر غور کرو۔ "اس کی آواز میں آسانی نہیں، حکم تھا۔

کارل نے جلدی سے نوٹس لیا۔ ''سر، میرا آدمی ایک لڑکی کو بھیج چکا ہے اس کے آفس میں۔ ان شاء اللہ کام ہو جائے گا۔''

ماہیر نے سردی سے سر ہلایا، ''اچھا۔ سالا اسمگلنگ کر رہا ہے—— اس کے خلاف ثبوت اکٹھا کرو۔ کبھی بھی کمزور نہیں پڑنا۔''

جی سر اور کوئی حکم ۔۔

ہاں شاہ حویلی کی لڑکیوں کی تصویریں وید نیم چاہیے۔؟ ایک گھنٹے میں ہو جانا چاہیے یہ کام

جی سر فکر نا کریں ابھی ڈیٹیل مل جائے گی آپ کو

کارل نے احترام سے سر جھکایا اور باہر نکل آیا۔ دروازے کی آواز خاموشی میں سمٹ گئی، مگر ماہیر کے دماغ میں ایک خیال کا طوفان ابھرا—— وہی جو صبح سے اس کے شعور میں نیم روشن تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں، اور پھر اپنی انگلیاں میز پر رکھ کر زور سے سہلاتا ہوا بولا ،خود سے شاید" : کیا یہ زرمین چچی کی بیٹی ہے؟

میری بچپن کی منکوحہ ۔۔۔ سامنے کچھ دن اپنی ماں باپ کی سنی باتوں کو یاد کیا ۔

اگر شاید وہ انکی باتیں نا سنتی تو اس لڑکی کی زندگی برباد ہو جاتی

وہ تصور جس نے صبح اس کے سینے کو چیر کر رکھا تھا، اب واضح دھندلاہٹ میں بدل رہا تھا۔ اگر وہی تھی — اسد چاچو کی وہ بیٹی — تو بہت جلد وہ شاہ حویلی کی وہ ننھی، صاف دل مورت چشمہ اس کی پناہوں میں ہوگی۔ ماہیر کے دماغ میں ایک منصوبہ پالنے کی حرارت جیسے آہستہ آہستہ جلتی چلی گئی۔

باہر کارل کے قدم دور ہوتے گئے اور ویلا کی کھڑکیوں پر شام کی روشنی ٹمٹمائی۔ ماہیر کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا، اونچے گھنے درختوں کے سائے میں بکھرے ہوئے حویلی کے عکس میں اپنی طاقت کی تصویر دیکھ رہا تھا — اور اسی عکس کے پیچھے ایک نیا نشانہ، ایک نیا وعدہ، ایک نیا کھیل۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

،افف تیار ہو جا حیام

— آج تیرا انگلش کا پیر ہے

جس کا تجھے الف ب بھی نہیں آتا۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی، بلیک سوٹ میں خود کو دیکھتی، بالوں کو درست کرتے بڑبڑائی۔

،خوبصورت تو تم ہو حیام"

بس فری کے آئیڈیا پر عمل کر لینا۔

”!شاہ حویلی کی عزت تمہارے کندھوں پر ہے بی بی

،وہ پنک لپ گلوس لگاتی مسکرائی

—— پھر ہاتھ میں چوڑیاں اٹھائیں

امم، یہ بھی پہن لیتی ہوں، اچھی لگیں گی۔“

”!کیا پتا کوئی اسی سے متاثر ہو جائے

چوڑیاں چھن چھن کرتی تھیں اور حیام خان کے لبوں پر خود سے لڑکیوں جیسی مسکراہٹ تھی۔

—— ایک نظر گھڑی پر ڈالی

"اوہ خدا !آٹھ بج گئے"

جلدی سے بیگ کندھے پر ڈالا، موبائل ہاتھ میں لیا،

اور سیڑھیاں دو دو کر کے اترتی ہوئی نیچے پہنچی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

اسلام آباد انٹرنیشنل یونیورسٹی کے سامنے جیسے ہجوم کا سمندر تھا۔

ہر طرف لڑکوں کے گروپس، لڑکیاں ہنستی باتیں کرتی جا رہی تھیں۔

حیام کا دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی باہر نکل آئے گا۔

سامنے فریحہ کو دیکھا تو ہاتھ ہلایا۔

"واہ بھئی !آج تو لگ رہی ہے پوری فلمی ہیروئن"

فریحہ نے آنکھ مار کر کہا۔

بس اب تو ریڈی ہو جا، وہ والا آفس ہے سر کا۔"

"ابھی ابھی لیکچر ختم کر کے اندر گئے ہیں۔

"یار، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"!کچھ نہیں ہوتا !گھبرا نا —— جا جلدی، ٹائم نکل جائے گا"

"اچھا یار تو میرا بیگ پکڑ۔"

بولتے ہوئے وہ دل کو قابو میں رکھتی آفس کی طرف بڑھی۔

دروازے کے قریب پہنچی تو سانس رک گئی۔

ایک لمحے کو رکی۔

—— پھر بغیر دستک دیے دروازہ کھولا

اندر ماہیر خان اپنی فائل میں کچھ دیکھ رہا تھا۔

،سٹائلش عینک، چہرے پر سنجیدگی

لیکن ماتھے پر ہلکی سی شکن تھی۔

— اس کے سامنے رکھی فائل میں کچھ نام درج تھے

:اور ایک نام پر اس کی نظریں تھم گئی تھیں

> “Hayam Khan — Department of English Literature.”

حیام خان مطلب حیام اسد خان۔۔۔ میری بچپن کی منکوحہ جس سے مجھے بے خبر رکھا گیا۔ لیکن ماہیر خان سے کچھ نہیں چھپتا وہ فائل بند کرتا ہلکا سا مسکرایا ۔اور ہلکی سی حیرت کے ساتھ اس نے خود سے کہا۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر نظریں اوپر اٹھیں۔

— اس نے پہلی نظر اس چہرے پر ڈالی

جس کے بارے میں آج ہی پتہ چلا تھا۔کہ وہی لڑکی۔۔۔اس کی بچپن کی منکوحہ اسکی کزن اسکے سامنے کھڑی تھی۔

—— وہ چند لمحے جیسے خاموشی میں منجمد رہا

جبکہ حیام کے دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو گئی کہ

اسے لگا کمرے کی خاموشی میں وہ سنائی دے رہی ہے۔

"ت۔۔۔ تم؟"م۔۔مطلب آپ وہ سکتے کی حالت میں بولی ۔"

،حیام ہلکی کپکپاہٹ کے ساتھ پیچھے ہٹی

میں... سوری، غلطی سے"...وہ پیچھے مڑتی جانے کے لیے پر تول رہی تھی

لیکن جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کی کلائی مضبوطی سے تھامی گئی۔

"غلطی؟"

ماہیر کی آنکھوں میں بجلی چمکی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو حیام خان؟"

آواز میں اتنی سختی تھی کہ دیواریں بھی جیسے سہم گئیں۔

”ک… کچھ نہیں، بس غلطی سے آ گئی۔“

”غلطی نہیں، سب پلان تھا۔“

وہ جھک کر اس کے چہرے کے قریب آیا۔

“

—— حیام کا دل دھڑکنے لگا، سانسیں بے ترتیب

”نہیں پلیز… وہ …میری دوست نے کہا تھا“

دوست نے کیا کہا تھا۔۔ حیام خان اسکی آنکھیں سرخ ہوئی تھی ۔

”کچھ نہیں کہا" وہ مشکل سے بولی

”پھر یہاں آنے کا مقصد؟“ ماہیر نے اسے کھینچتے اپنے سینے سے لگایا تھا

”وہ۔۔۔ اس نے کہا تھا کہ آپ...آپ انگلش کے نیو سر ہیں۔۔۔ اور اگر

میں۔۔۔ مطلب...“

”اگر تم کیا؟“

”اگر میں آپ کو ...اپنی اداؤں سے خوش کر دوں تو مارکس پورے آ

جائیں گے۔“

اس نے آنکھیں بند کر لیں —— الفاظ جیسے زہر بن کر گرے۔

ماہیر کی گرفت سخت ہوئی اسکے بازوں پر

وہ اسکے چہرے کے قریب جھکتا دیوار سے لگا گیا

دوست نے کہا تو کر لو گی؟ "تم کچھ بھی"

ماہیر کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔

اسنے دھیمے سے بولتے ہونٹ اسکی کان

کی لو سے ٹچ کیے

حیام کے وجود میں سرسری دوڑی تھی

اسکا وجود اس باڈی بلڈر کے آگے

چڑیا جتنا لگ رہا تھا۔

پ۔۔پلیز جانے دیں مجھے۔۔۔

غلطی ہو گئی۔۔

حیام مشکل سے بولی

ادائیں دکھانے آئی تھی وہ تو دکھاتی جاؤ

ماہیر بولتے اسکے لبوں پر جھکتا اپنا ہلکا سا لمس چھوڑ گیا۔۔

ک۔۔کچھ نا کرنا میرے ساتھ ۔۔پ۔۔پلیز میں ایسی نہیں ہوں۔۔حیام کے لب کانپے تھے

"تمہیں لگتا ہے میں اس سطح کا ہوں؟"

غصے اور دکھ کے بیچ اس کی آواز کانپ گئی۔

تم سے زیادہ بیوقوف لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی، حیام“
”خان۔

وہ ایک قدم پیچھے ہٹا، غصہ ضبط میں کرتے ہوئے میز کے گرد چکر کاٹا۔
حیام ساکت کھڑی، آنکھوں میں نمی لیے بس دیکھتی رہی۔

میں… جا سکتی ہوں؟ ”اس نے ہچکچاتے پوچھا۔“
”نہیں۔“
ماہیر کی آواز پھر گونجی — بھاری، حکم دینے والی۔

”جب تک میں نا چاہوں، تم کہیں نہیں جاؤ گی۔“

ریسیور اٹھاتے اس نے سکون سے بولا،

”جی، میں ذرا بزی ہوں... لیکچر کے لیے مس ماریہ کو بھیج دیں۔“

پھر فون رکھتے وہ مڑا،

اور حیام کے قریب آتے ہوئے ٹھہر گیا —

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

کمرے میں خاموشی کا ایسا پہر چھایا ہوا تھا جیسے دیواریں بھی سانس روک کر دیکھ رہی ہوں۔

ماہیر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اسے دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں اک سختی، اک تجسس، اور شاید اک عجیب سا شعلہ۔

"ہمم۔۔۔ تو دکھاؤ حیام خان اپنی ادائیں، نمبر پورے دوں گا، ٹرسٹ می!"

اس کے لہجے میں طنز بھی تھا، غرور بھی۔

حیام کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

"ن۔۔۔نہیں سر۔۔۔ پ۔۔۔پلیز جانے دیں!"

وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی، جیسے ہر لفظ اس کے دل سے کٹتا ہوا نکل رہا ہو۔

ماہیر نے اس کی چوڑیوں بھری کلائی تھامی۔

لمحہ بھر کے لیے وقت رک گیا۔

حیام کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں، دل کی دھڑکنیں کانوں تک سنائی دینے لگیں۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔۔۔؟"

اس کے لہجے میں خوف، لاچاری، اور شرمندگی سب کچھ تھا۔

ماہیر نے نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا، حیام خان۔۔۔ تو بہت آگے کا سفر طے کر چکا"

ہوتا۔

یہ دنیا بھری پڑی ہے درندوں سے۔۔۔ اور تم۔۔۔ اپنی معصومیت میں

"بھی جلتی چنگاری لگتی ہو۔

،حیام نے ہاتھ جوڑے، آنسو بہتے چہرے پر لرزتے ہونٹوں سے کہا

"غلطی ہو گئی۔۔۔ س۔۔۔سر پلیز۔۔۔ مجھے جانے دیں۔۔۔"

ٹھیک ہے حیام خان لیکن اگلی بار ایسی غلطی نا ہو اسکی آنسو اپنے انگلی کی پوروں سے صاف کرتے دوپٹہ اسکے سر پر ٹھیک کرتے بولا

،حیام بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی

لیکن جلدی میں اس کا ماتھا دروازے کے کونے سے ٹکرا گیا۔

دھپ کی ہلکی سی آواز گونجی۔

—— ماہیر نے پلٹ کر دیکھا، مگر کچھ نہ بولا

:بس اتنا کہا، دھیمی آواز میں، جیسے خود کو جواز دے رہا ہو

،یہ ضروری تھا، حیام خان۔۔۔ ورنہ تم کہیں بھی چلی جاتیں“

”اور شاہ حویلی کی عزت پہ انگلی اٹھتی۔

دروازہ بند ہوا۔

،کمرے میں باقی رہ گیا صرف خاموشی کا شور

اور ایک انسان —— جو اپنے غصے پر کنٹرول کرتا ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

حیام آفس سے باہر نکلی تو اس کا سانس بے ترتیب چل رہا تھا۔

دل جیسے ابھی بھی کسی طوفان کے بیچ پھنسا ہوا تھا۔

خود کو سنبھالنا اس کے لیے آسان نہیں تھا، مگر پھر بھی اس نے خود کو کمپوز کیا، دوپٹے کو سنبھالا، اور ایک گہری سانس لی۔

باہر فریحہ بے چینی سے کھڑی تھی، جیسے کسی فلم کے اگلے سین کا انتظار ہو۔

"کیا ہوا ڈارلنگ؟ بات بنی؟"

حیام کی آنکھوں میں چمک کی جگہ اب صرف غصہ تھا۔

"دفع ہو جاؤ، شکل گم کرو! دوبارہ ایسی حرکت کا نام بھی مت لینا!"

وہ چلاتی ہوئی تیز قدموں سے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی۔

فریحہ نے پیچھے سے آواز دی، مگر حیام نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔
کلاس میں داخل ہو کر کرسی کھینچی اور سب سے پچھلی لائن میں جا بیٹھی۔
کلاس میں شور شرابا تھا، لڑکیاں میک اپ گپ شپ میں مصروف تھیں۔
حیام نے سر ہاتھوں میں تھام لیا، "کاش یہ پیپر ضروری نہ ہوتا، تو کبھی یہاں نہ آتی۔ کس منحوس کے کہنے پر انگلش رکھی تھی، جس کی A for apple بھی سمجھ نہیں آتی!"

وہ خود سے بڑبڑائی اور آنکھیں موند لیں۔

دروازہ کھلا۔

کمرے میں ایک سنجیدگی سی دوڑ گئی۔

ماہیر خان، بلیک شرٹ اور گھڑی کی چمک کے ساتھ کلاس میں داخل ہوا۔

اس کے چہرے کی سختی ایسی تھی جیسے دیوار پر وقت ٹھہر گیا ہو۔

حیام نے جلدی سے ہاتھ منہ پر رکھا، ناخن دانتوں میں لیے خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔

لیکن وہ دیکھ چکا تھا — پورے دھیان سے۔

کلاس کی لڑکیوں نے تیزی سے اپنی کرسی سیدھی کی، لپ اسٹک کے ڈھکن بند ہوئے، اور دو تین نے تو آنکھوں میں مصنوعی چمک ڈال لی۔

ماہیر نے ایک نظر فرنٹ پر بیٹھی لڑکیوں پر ڈالی، جن کی بولڈ ڈریسنگ دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

پھر اچانک اس کی نگاہ حیام پر رکی۔

“Yes, you. Black dress.”

اس نے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔

“Come in front seat.”

حیام نے ساکت ہو کر آنکھیں اٹھائیں۔

”م… مگر سر، یہی ٹھیک ہے۔“

“I said come in front! And both of you. Last row girls, move!”

فریحہ نے آنکھ ماری، مگر حیام کے قدم جیسے زمین سے جڑے ہوئے تھے۔

آخر بیگ کو کندھے پر لٹکایا، اور سست قدموں سے فرنٹ پر آکر بیٹھی۔

— ماہیر نے ایک نظر اسے دیکھا

وہ گردن جھکائے بیٹھی تھی، بال کندھوں پر بکھرے، اور آنکھوں کے کنارے اب بھی سرخ تھے۔

وہ لمحہ اس کے اندر کہیں گہرا اتر گیا۔

اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا، اور پیپرز تقسیم کرنا شروع کیے۔

— حیام کے سامنے جب پیپر آیا، تو اس نے سوال دیکھا

"Write an Essay on Your Favorite Hero."

وہ ساکت رہ گئی۔

”ہیرو؟ میرے ہیرو؟“

سانس روکی، تھوک نگلا۔

”کیا لکھوں؟ ایک علامہ اقبال، ایک قائدِاعظم—— دو تین لائنوں سے آگے کچھ نہیں آتا!“

اس نے آہ بھری۔

"ایسا کرتی ہوں ناول کا ہیرو لکھ دیتی ہوں۔ آخر وہ بھی تو ہیرو ہی ہیں۔"

خود سے بولی، اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

پھر چونک کر سر جھٹکا —

"لیکن اگر اس کھڑوس نے غلط کر دیا تو؟ اوف حیام! تمہیں اپنی قبر خود کھودنے کی بہت عادت ہے!"

"Miss Hayaam!"

وہ چونکی۔

"Time's almost over. You haven't written a single word yet." ماہیر اس کے پاس آیا تھا، جھک کر بولا

"!لکھ لوں گی جب کچھ یاد آئے گا" حیام نے لب کاٹے، رعب دہ انداز میں بولی۔

ماہیر کے لبوں پر دبی ہوئی مسکراہٹ اُبھری۔

دل میں سوچا، ہاں، یہی تو ہے وہ جنگلی بلی۔۔۔

“Fine. Write now, Miss Hayaam. Let’s see your creativity.”

وہ بولا، اور ایک قدم پیچھے ہٹا۔

—— حیام نے لمبی سانس لی، اور دل میں کہا

دیکھ کر توبہ توبہ کی کرو گے۔۔۔“

حیام نے بے پناہ چاہتا ہوں ناول کے ہیرو عرشمان شاہ کے بارے میں" اردو پلس انگلش مکس ویرژن لکھنا شروع کیا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

“So basically… my favourite hero is Aurshman Shah 😔❤️

He is not a film hero or TikTok star, okay? He is from a novel — and trust me, that man is a full package!”

‘‘ہاے full package indeed!” حیام نے خود ہی سر ہلایا، پھر تیزی سے لکھنا شروع کیا۔

“Matlab banda handsome bhi, serious bhi, aur caring to level melt-your-heart wala

He talks less but jab bolta hai na, straight to the point, like arrow hits the heart.”

وہ لکھتے لکھتے خود ہی ہنس پڑی۔

”لکھ رہی ہو؟ exam mein love letter، اففف حیام“

وہ سر ہلاتی بڑبڑائی۔

“His date of birth? 12th December.

I remember because us din main bhi

born hui thi... okay not same year, but

still connection lagta hai 😎”

قلم رکا، نظریں اوپر اٹھیں۔

ماہیر سر سامنے کھڑے تھے۔

دل نے ایک جھٹکا کھایا۔

“Focus, Miss Khan,”

:اس کی سرد آواز پر حیام نے فوراً پیپر کے اوپر جھک کر اگلا جملہ لکھا

“He loves poetry, rain, and sitting silently with a diary — matlab full sad boy aesthetic.”

“Sad boy aesthetic?”

اس کے قریب بیٹھی لڑکی نے سرگوشی کی۔

بنادیں گے ”! حیام نے sad boy شٹ“، چپ کر ورنہ سر سچ میں“
ہلکی آواز میں کہا۔

“He wears white kurta like he owns the moon 🌝.

And when he smiles, lagta hai light aa gayi!”

اب وہ خود ہنس رہی تھی۔

”!ضرور بن گیا ہے essay comedy ہیرو تو نہیں، مگر“

“His love style? Silent but dangerous.

He brings coffee when you’re angry and says,

‘You need this more than attitude.’

Like excuse me, who gave you the right to be this perfect?! 😤❤️”

قلم رکتا چلا گیا، اور چہرے پر شرم و مسکراہٹ دونوں ایک ساتھ۔

آخر میں لکھا:

"In short, Aurshman Shah is not just my favourite hero —

He's my emotional support fictional character 🥰."

پیپر بند کیا، لمبی سانس لی، اور خود سے بولی:

"اگر اس essay پہ full marks نہ ملے نا...تو سر کو ہی اپنا hero بنا لوں گی!"

وہ مسکراتی ہوئی آنکھیں بند کر گئی یہ بھول گئی تھی کہ ہر بار ایسی چیزیں لکھ کر وہ پاس نہیں ہو سکتی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

میر اسے پورچ میں چھوڑ کر سیدھا پر چلا گیا تھا، جہاں کچھ معاملات سلجھانے تھے۔

...دوسری طرف منت خان نے خود پر بمشکل قابو پایا ہوا تھا۔ آٹھ سال ہاں، پورے آٹھ سال ہو گئے تھے اسے یہ سب جھیلتے ہوئے۔ شاید اب یہ دکھ اس کی عادت بن چکا تھا۔

وہ چہرہ جھکائے آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ بی جان کی نرم مگر فکرمند آواز نے اسے روک لیا۔

"میری دلاری کو کیا ہوا؟"

منت نے فوراً اپنی نم آنکھوں کو چھپاتے ہوئے مصنوعی مسکراہٹ اوڑھی۔

"کچھ نہیں بی جان، سر میں تھوڑا درد ہے...ڈاکٹر نے دوا دی ہے۔ میں تھوڑا آرام کر لوں؟ پلیز کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔"

بی جان نے نرمی سے سر ہلایا، اور وہ سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دروازہ بند ہوتے ہی اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔

دوپٹہ بے رخی میں بیڈ پر پھینک کر وہ منہ کے بل گر گئی۔

آنکھوں سے بہتے آنسو تکیے میں جذب ہونے لگے۔

—— دماغ، جیسے آٹھ سال پیچھے دوڑ گیا ہو

وہ لمحہ، وہ چہرہ، وہ دھوکہ ...سب ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے۔

کس خلوص سے اس نے چاہا تھا،

کس یقین سے اس نے اپنا دل سونپا تھا...

اور پھر؟

اسے ٹھکرایا گیا۔

اس کا جذبہ روند دیا گیا جیسے وہ کوئی احساس ہی نہ رکھتی ہو۔

محبت؟ "وہ ہنسی تھی، ایک کڑوی، خالی ہنسی۔"

...شاید وہ لفظ صرف کتابوں میں اچھا لگتا ہے۔ حقیقت میں تو یہ زہر ہے"

"جو آہستہ آہستہ اندر سے مار دیتا ہے۔

،کمرے کی خاموشی میں صرف اس کی دبی سسکیاں گونج رہی تھیں

— اور باہر شام اتر رہی تھی

لیکن منت خان کی زندگی پر اندھیرا تو برسوں پہلے چھا چکا تھا۔

پانچ سال پہلے

وہ سفید رنگ کی فراک پہنے، ہاتھ میں سرخ گلاب تھامے، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ باسل کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک دی، اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

باسل اپنے سامان پیک کر رہا تھا۔

آج سفید جوڑا پہن کر کس کو ڈرانے کا ارادہ ہے؟"وہ مسکراہٹ دباتے" ہوئے بولا۔

،منت کے لبوں پر ایک لمحے کو خاموشی طاری ہوئی، پھر ہچکچاتے ہوئے بولی

"مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔"

"جی بولیے، سن رہا ہوں۔"

باسل نے بےدھیانی سے جواب دیا، پھر زپ بند کرتے ہاتھ روکے۔

"نہیں، آپ مکمل دھیان میری طرف کریں۔"

وہ سنجیدگی سے بولی، جیسے آج زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کرنے جا رہی ہو۔

باسل نے حیرت سے اسے دیکھا، "طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟ لگتا ہے کچھ زیادہ ہی سورج لگ گیا ہے۔"

وہ تھوڑا سا آگے بڑھی، اور گلاب آگے کرتے ہوئے بولی،

"میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔"

کمرے میں لمحے بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

باسل کے چہرے پر حیرت اور طنز کے ملے جلے تاثرات آئے۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا، منت شاہ؟"

وہ دھیمے مگر تیز لہجے میں بولا،

"کیا بول رہی ہو تم؟ دفع ہو جاؤ میرے کمرے سے!"

منت نے نم آنکھوں سے کہا،

"میں جانتی ہوں آپ کے لیے یہ سب نیا ہے... مگر میں سچ میں آپ کو چاہتی ہوں، باسل۔"

"چپ رہو!"

اس نے جھٹکے سے اس کا بازو پکڑا۔

"ادھر آؤ ...خود کو دیکھو اور پھر مجھے دیکھو آئینے میں!"

باسل نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اپنے وجود پر غور کرو—— کتنی موٹی ہو تم! تم میری ہمسفر؟ ہاہ...مزاق مت کرو۔"

اس کی آنکھوں میں ذلت کے تیر چبھ گئے۔

منت کی سانسیں رکنے لگیں۔

" م۔۔۔میں سب کچھ بدل لوں گی، باسل، بس مجھے ایسے

"!میں مر جاؤں گی ...

وہ لرزتی آواز میں بولی۔

،باسل سرد لہجے میں بولا

!کوئی نہیں مرتا منت شاہ"

اور یاد رکھنا، یہ محبت ہی سب کچھ نہیں ہوتی ہے—— اپنی پڑھائی پر فوکس

"! کرو ابھی بچہ ہو تم شاباش

پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

منت کی ٹانگوں نے جیسے ساتھ چھوڑ دیا۔

وہ بمشکل اپنے کمرے تک پہنچی، دروازہ بند کیا، اور زمین پر گر گئی۔

اس کے اندر جیسے کوئی چیز ٹوٹ گئی تھی — ہمیشہ کے لیے۔

،ساری رات وہ روتی رہی، بخار میں تپتی رہی

کبھی ہوش میں آتی، کبھی بیہوش۔

کسی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا ہوا ہے۔

،پھر وہ آہستہ آہستہ ٹھیک تو ہو گئی

مگر بولنا، ہنسنا، خواب دیکھنا —— سب چھوڑ دیا۔

،اس کے بعد اس نے خدا کا سہارا لیا

اور اپنا دکھ پینٹنگز میں اتارنے لگی۔

،اس نے آرٹ کی پڑھائی مکمل کی

اور میر کے کہنے پر اپنا اسٹوڈیو بنایا۔

،وقت کے ساتھ اس کی پینٹنگز دنیا بھر میں پسند کی جانے لگیں

—— لیکن اس کے دل کے کینوس پر اب بھی ایک زخم تھا

جو بھرنے سے انکار کرتا تھا۔

...اور آج، جب وہ بےوفا پھر لوٹنے والا تھا

—— تو اس کے دل کی دھڑکنیں جیسے پھر سے وہی درد دہرا رہی تھیں

،آٹھ سال پرانا زخم

جو شاید آج پھر سے تازہ ہونے والا تھا۔

شام کا دھندلکا تھا۔ شہر کی روشنیوں میں بھی ایک خوف سا گھلا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

ماہیر خان کی گاڑی یونیورسٹی سے نکل کر سیدھی اس کی حویلی کے پچھلے حصے میں داخل ہوئی —

وہ حصہ جہاں عام آدمی تو کیا، اس کے خاص گارڈز بھی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھتے تھے۔

دھات کے بھاری دروازے کھلے،

کارل پہلے سے منتظر کھڑا تھا۔

”سر، دونوں اندر ہیں۔“

اس کے لہجے میں اعتماد کم اور خوف زیادہ تھا۔

،ماہیر نے سیاہ چشمہ اتارا

آنکھوں میں وہی خاموش طوفان تھا۔

”چلو۔“

بیسمنٹ میں داخل ہوتے ہی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ ایک عجیب بوجھ اتر آیا۔

،دیواروں پر ہلکی نیلی لائٹس

،کونے میں لگے مانیٹرز

اور سامنے دو لڑکے کرسیوں سے بندھے،

چہرے پر خوف، اور آنکھوں میں رحم کی التجا۔

"س۔۔۔سر چھوڑ دیں، غلطی ہو گئی سر..."

ایک نے کانپتی آواز میں کہا،

دوسرا تو اتنا ڈرا ہوا تھا کہ الفاظ ہی نہیں نکل رہے تھے۔

ماہیر خاموشی سے آگے بڑھا،

اپنے دستانے چڑھائے،

اور کارل کی طرف دیکھ کر بولا،

"کارل، انہیں بتاؤ میں کون ہوں۔"

کارل کی آواز گونجی،

"یہ وہ شخص ہے جس کے سامنے رحم صرف کمزوروں کے لیے ہوتا

ہے۔

اور تم دونوں نے اس کے ادارے، اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔" "تم

لوگ لڑکیوں کو ہراس کرتے ہو

اور ڈرگز کی اسمگلنگ بھی ---

ماہیر آہستہ سے ایک کے قریب جھکا۔

تم نے سوچا ہوگا ...یونیورسٹی میں بدتمیزی کر کے بچ جاؤ گے؟"

وہاں قانون کا دائرہ محدود ہے،

لیکن یہاں "... وہ مسکرایا،

"یہاں میرا قانون چلتا ہے۔"

لڑکے رونے لگے۔

"سر ہم ہاتھ جوڑتے ہیں، پلیز، معاف کر دیں۔"

،ماہیر نے سرد لہجے میں کہا

کارل، ان کے ہاتھ نیچے کرو۔“

”میں کسی جھوٹے احترام کا تماشا نہیں دیکھتا۔

اس کی آواز اتنی پُر سکون تھی کہ خوف اس کے ہر لفظ سے ٹپک رہا تھا۔

یہ تمہارے لیے سزا نہیں، سبق ہے۔“

،جب کسی عورت کی عزت پر نگاہ اٹھاؤ

—— تو یاد رکھو

"ماہیر خان دیکھ رہا ہوتا ہے۔

،اس نے ایک اشارہ کیا

کارل کے آدمیوں نے آگے بڑھ کر اپنا گرم ابلتے پانی میں ان کے ہاتھ ڈالے تھے۔۔۔۔۔

بیسمنٹ میں لڑکوں کی سسکیاں گونجنے لگیں۔

،ماہیر نے ہاتھ پیچھے باندھے

ایک گہری سانس لی،

اور آہستہ سے بولا،

کارل، جب ختم ہو جائے تو انہیں وہاں چھوڑ آنا جہاں سے اٹھائے

تھے۔

لیکن آئندہ میری زمین پر قدم نہ رکھیں۔"

کارل نے سر ہلایا،

"جی سر۔"

ماہیر پلٹ کر باہر آیا،

سیڑھیوں پر چڑھتے چڑھتے رک گیا۔

چہرے پر وہی سرد مسکراہٹ آئی —

"دنیا سمجھتی ہے میں صرف پروفیسر ہوں...

اگر جان لے تو شاید دنیا چھوڑ دے۔"

وہ اوپر کی روشنیوں میں غائب ہو گیا۔

نیچے صرف بیسمنٹ میں گونج رہی تھی — ماہیر خان کی خاموش وحشت۔

وہ بیسمنٹ سے سیدھا خان حویلی آیا تھا۔

چہرے پر خاموشی، آنکھوں میں وہی خطرناک ٹھہراؤ۔

،رات کی ہوا میں ہلکی سی نمی تھی

لیکن اسکے وجود سے جو وحشت ٹپک رہی تھی، وہ خود فضا کو گرم کر رہی تھی۔

—— آج اُس نے دو لڑکوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا تھا

کیمپس میں لڑکیوں کی ویڈیوز بناتے۔

— ماحیر کے اصول سخت تھے

عورت پر ہاتھ اٹھانے یا اسکی عزت پر حرف لانے والوں کے لیے

اسکے دل میں نہ رحم تھا، نہ معافی۔

— وہ دونوں لڑکے اب اسکے پرسنل بیسمنٹ میں پڑے تھے

جہاں چیخیں گونجتی نہیں تھیں، دب جاتی تھیں۔

کارل نے سب سمیٹ لیا تھا،

اور ماہیر کے چہرے پر اب وہی سکون تھا جو طوفان کے بعد کے سمندر میں ہوتا ہے۔

— ماہیر خان کے بارے میں لوگ کم جانتے تھے

وہ کہنے کو لیکچرار تھا،

مگر اسکی زندگی کے صفحات پولیس فائلوں سے زیادہ خطرناک تھے۔

دن میں یونیورسٹی کا پروفیسر،

رات میں مافیا ڈاؤن۔

اسکے اپنے اصول، اپنی عدالت،

اور اپنی سزا۔

پاکستان میں اسکی واپسی کچھ مہینے پہلے ہوئی تھی۔

—— وجہ

وہ کیسز جن میں لڑکیوں کو یونیورسٹیوں میں ہراس کیا جا رہا تھا۔

اور جب حکومتی ادارے چپ رہے،

—— تو ماحیر خان نے اپنی پرسنل ٹیم بنائی

ایک خاموش مگر جان لیوا نیٹ ورک۔

کارل اسکا دایاں ہاتھ تھا،

وہ کام جو پولیس کے لیے ''ناممکن ''ہوتا،

کارل کے لیے ''روزمرہ ''تھا۔

پوری شاہ حویلی آج دلہن کی طرح سجائی گئی تھی۔

ہر کونے میں روشنیوں کا جال بچھا تھا، صحن میں تازہ گلابوں کی خوشبو گھل رہی تھی۔

برآمدے میں بڑے بڑے فانوس، کھڑکیوں پر جھلملاتی لائٹیں، اور در و دیوار پر رنگ برنگے پھول جیسے خود چمک اٹھے ہوں۔

—— آج باسل شاہ واپس آ رہا تھا

وہی ہنرمند ڈاکٹر جس کے نام پر گاؤں والے فخر سے سینہ چوڑا ہو گیا تھا۔اب انکو اپنی صحت کے لیے پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔

،ہر کوئی خوش تھا، ہر چہرے پر مسکراہٹ تھی

لیکن ان سب کے بیچ ایک چہرہ ایسا بھی تھا جس پر روشنی نہیں، صرف اداسی تھی۔

وہ تھی —— منت شاہ۔

وہ صبح سے کوئی دس بار رو چکی تھی۔

کل شام سے ہی اس نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کر رکھا تھا۔

دروازے پر دستک دینے والی نوکرانی کو سختی سے کہہ دیا تھا،

”کوئی اندر نہیں آئے گا۔ مجھے ڈسٹرب نا کیا جائے۔“

کمرے میں صرف خاموشی تھی—

اور منت کا دل جو ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑی، وہ اپنے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

آنکھیں سرخ تھیں، ہونٹوں پر نمی،

اور چہرے پر ایک بے بسی تھی جو برسوں کا دکھ اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھی۔

"ک۔۔کتنے سال"

وہ دھیرے سے بولی، آواز کانپ رہی تھی۔

"کتنے سال، باسل شاہ...میں نے خود کو سمجھایا کہ تم میرے نہیں ہو،

اور میں تمہارے قابل بھی نہیں..."

اس کی آواز نم ہو گئی۔

آنسو ایک بار پھر گالوں سے پھسلنے لگے۔

"ل۔۔لیکن آج..." وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی،

"آج میں پھر خود کو سنبھال نہیں پا رہی..."

بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اس کے آنسو تکیے پر بکھرتے جا رہے تھے۔

— دل جیسے پھر وہی سولہ سالہ لڑکی بن گیا ہو

جس نے محبت کی تھی، اور جواب میں ذلت پائی تھی۔

تبھی اس کا موبائل بجا۔

ایک جھٹکے سے وہ چونکی،

سر درد سے چکرا رہا تھا۔

اسکرین پر مینجمنٹ گرل کا نمبر چمک رہا تھا۔

افف "... وہ بڑبڑائی"،

"ابھی تو ایگزیبیشن کی تیاری بھی باقی ہے..."

مجبوراً کال اٹھائی۔

دوسری طرف سے لڑکی ہانپتی ہوئی بولی،

"میم، کام بہت پیڈنگ ہے ! سٹوڈیو کی ڈیکوریشن بھی باقی ہے۔

میں کل سے آپ کو کال کر رہی ہوں۔

پینٹنگز کم پڑ رہی ہیں اور بلنگز بڑھتی جا رہی ہیں۔

”پلیز، آپ جلدی آجائیں۔

منت نے گہرا سانس لیا،

چہرے سے آنسو صاف کیے،

اور تھکے لہجے میں کہا،

”اوکے، میں آ رہی ہوں…“

کال بند ہوتے ہی اس نے شیشے میں خود کو دیکھا،

آنکھوں کے نیچے سوجن، ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ۔

"بس منت، بہت ہو گیا غم..."

وہ آہستہ سے بولی،

"اب تھوڑا کام بھی کر لیا جائے..."

منت شاہ نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر گہرا سانس لیا۔

آنکھیں اب بھی ہلکی سی سرخ تھیں، مگر چہرے پر ایک نئی سنجیدگی اتر آئی تھی۔

،اس نے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولا

اور الماری کے اندر لٹکے ہوئے کپڑوں پر نظر دوڑائی۔

کون سا رکھوں ”...وہ خود سے بڑبڑائی۔“

سفید کرتا — نہیں، بہت سادہ لگے گا۔

نیلا ڈریس — شاید ایگزیبیشن کے کام میں داغ لگ جائے۔

،آخر اس نے ایک سرخ رنگ کا کوٹ سیٹ نکالا

پھر ایک پیسٹل گلابی ڈریس بھی بیگ میں رکھ لیا۔

دو دن رکنا ہے ...کام بہت ہے، پرسوں ایگزیبیشن ہے۔"

"...اب واپس آ کر ہی سانس لوں گی

وہ خود کو سمجھاتے ہوئے بیگ میں میک اپ پاؤچ، چارجر، اور دو کتابیں رکھتی گئی۔

واش روم سے نکل کر اس نے بالوں کو ہائی بن میں سمیٹا،

چہرے پر ہلکا سا فاؤنڈیشن لگایا،

آنکھوں پر نیوڈ شیڈ لگاتے لبوں پر مسکراہٹ آئی۔

"بس منت، اب کمزور نہیں لگنا ...پروفیشنل لگنا ہے۔"

اس نے آئینے کے سامنے آخری نظر ڈالی۔

نیلی آنکھوں میں ہلکی سی چمک تھی،

چہرے پر ایک فنکارہ کی خوداعتمادی —

اور اندر چھپا درد، بالکل پسِ پردہ۔

جب وہ نیچے آئی تو ڈائننگ ہال میں شور سا تھا۔

بی جان صوفے پر بیٹھی قرآن بند کر رہی تھیں۔

”ارے میری دلاری! کہاں جا رہی ہو صبح صبح؟“

منت نے بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے دھیرے سے کہا،

"بی جان، ایگزیبیشن ہے نا پرسوں۔

سٹوڈیو میں کام بہت ہے، رکنا بھی پڑے گا۔"

بی جان نے تشویش سے سر ہلایا۔

"بیٹا، گھر میں تو خوشی کا موقع ہے۔

اور تم جا رہی ہو؟"

ابھی بی جان کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ

زیزہ شاہ کی آواز سیڑھیوں سے گونجی —

!ہاں، یہی تو میں بھی کہہ رہی تھی“

،گھر میں بچہ ارہا ہے، خوشی کا موقع ہے

”اور تمہیں کام یاد آ گیا؟

،منت نے آنکھیں بند کیں

چہرے پر وہی جھنجھلاہٹ اتر آئی جو ہر بار بحث سے پہلے آتی تھی۔

!ماما، میں کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں“

دو دن کی بات ہے۔ ضروری کام ہے، پلیز آپ لوگ اوور ری ایکٹ نا کریں!"

زینزہ شاہ نے ہاتھ کمر پر رکھ کر دیکھا۔

"منت، تمہیں کچھ سمجھ نہیں آتا!

گھر میں مہمان آئیں گے،

اور تم غیر موجود ہو گی؟ کیا سوچیں گے لوگ——"

"بس ماما..."

منت نے تھکا سا سانس لیا،

”سب پاگل ہو گئے ہیں اس گھر میں...“

وہ بڑبڑائی، مگر اتنی آہستہ کہ صرف بی جان نے سنا اور مسکرا دیں۔

اسی وقت میر کچن کی طرف سے آتا دکھائی دیا۔

اس نے بات سن کر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

”ماما جانے دیں، منت کا جانا ضروری ہے۔

کام ہے، واپس آ جائے گی۔“

پھر منت کے قریب آ کر اس کے سر پر پیار دیا۔

کوئی مسئلہ ہو تو فوراً مجھے کال کرنا۔"

"اور تھوڑا ریلیکس بھی کرنا، ٹھیک ہے؟

منت نے سر ہلایا، آنکھوں میں نرمی سی آئی۔

جی بھائی "... وہ دھیرے سے بولی۔"

،زیبرہ شاہ نے تیز لہجے میں بیٹے کو ٹوکا

میر !تم نے بہت ڈھیل دے رکھی ہے اسے۔ "

گھر میں مہمان آ رہے ہیں،

"اور تم نے اجازت دے دی؟

میر نے مسکراتے ہوئے ماں کا ہاتھ تھاما،

"موم... کچھ نہیں ہوتا۔

دو دن کی بات ہے، واپس آ جائے گی۔

آپ ریلیکس کریں۔"

پھر اپنی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے بولا،

”ویسے بھی مجھے اپنے کپڑے ریڈی کروانے ہیں،

“باسل کو ائیرپورٹ سے لینے جانا ہے شام میں۔

یہ سنتے ہی منت کے ہاتھ بیگ کے اسٹرپ پر رک گئے۔

اس کا دل ایک لمحے کو تھم گیا۔

ہونٹ خشک ہوئے، مگر اس نے خود کو سنبھالا۔

“۔۔۔اوکے بھائی”

وہ مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولی،

"میں چلتی ہوں..."

زینزہ شاہ کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ شاہ میر نے نگاہ سے روکا۔

منت دروازے کی طرف بڑھی —

لیکن دل کے اندر وہی پرانا زخم پھر سے جاگ گیا۔

شاہ میر لمبے قدم اٹھاتا اپنے لگژری بیڈروم میں داخل ہوا۔

کمرہ نہیں، کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا پریزیڈینشل سوٹ لگتا تھا۔

ڈارک گرے وال پیپر، ہلکی نیلی ایمبیئنٹ لائٹس،

— اور دیوار کے ساتھ لگا ہوا فل سائز اسمارٹ وارڈروب

جو صرف اس کی انگلیوں کے اشارے کا منتظر تھا۔

اس نے دائیں ہاتھ کی انگلی دیوار پر لگے سینسر پر رکھی۔

Soft beep کی آواز آئی،

اور الماری کے شیشے خود بخود سائیڈ میں سرک گئے۔

LED اندر لگے پینلز نے ایک ایک سوٹ کو ایسے روشن کیا

جیسے کسی کلیکشن کی نمائش ہو رہی ہو۔

شاہ میر نے نظر دوڑائی —

گرے، نیوی بلیو، چارکول...

آخر اس کا ہاتھ بلیک بوسکی سوٹ پر جا رکا۔

“Perfect.”

وہ زیرِ لب بولا۔

اس نے سوٹ نکالا،

چند منٹ بعد وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔

بلیک بوسکی سوٹ ——

جو اس کے مضبوط کندھوں اور قدآور جسم پر

یوں فٹ بیٹھ رہا تھا جیسے اسی کے لیے سلوایا گیا ہو۔

اس نے سوٹ کے اوپر بلیک شال ڈالی۔

شال نے اس کی شخصیت میں

ایک عجیب سا وقار اور روایتی شان بھر دی تھی۔

،آئینے میں اب جو عکس تھا

—— وہ صرف ایک مرد نہیں تھا

وہ میر شاہ تھا۔

،اونچی پیشانی، تراشیدہ جبڑا

گہری آنکھیں جن میں سنجیدگی اور خوداعتمادی دونوں تھیں۔

—— ہلکی سی داڑھی، بال سلیقے سے سیٹ

اور چہرے پر وہ ٹھہرا ہوا سکون

جو صرف طاقتور لوگ رکھتے ہیں۔

اس نے دراز کھولی۔

اندر رکھی بلیک ڈائل والی لگژری واچ نکالی

اور کلائی پر باندھ لی۔

،واچ کے ساتھ ہی اس کی کلائی کی رگیں نمایاں ہو گئیں

جو اس کے مضبوط وجود کا ثبوت تھیں۔

انگلی میں ایک سِمپل مگر کلاسک رنگ پہن کر

اس نے اپنی قمیض کی کف لنکس درست کیں۔

—— عطر کی بوتل اٹھائی

،ایک اسپرے گردن کے پاس

دوسرا کلائی پر۔

—— خوشبو کمرے میں پھیل گئی

،بھاری، پُراثر

ایسی خوشبو جو آنے سے پہلے ہی موجودگی کا اعلان کر دے۔

،وہ آئینے کے قریب آیا

اور ایک آخری نظر خود پر ڈالی۔

،وہ وجیہہ تھا

،پرکشش تھا

اور سب سے بڑھ کر —

وہ ایسا مرد تھا جس کے سامنے

لوگ لاشعوری طور پر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شاہ میر نے شال کندھے پر درست کی،

دروازے کی طرف بڑھا،

اور لائٹس خود بخود آف ہو گئیں۔

آج اسے ائرپورٹ جانا تھا...

اور ساتھ ہی شاہ حویلی کی قسمت میں ایک نیا باب لکھا جانے والا تھا۔

--

پوری حویلی کو آج کسی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔

ہر طرف روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔

سفید حویلی رنگ برنگی لائٹس میں نہا کر مزید حسین لگ رہی تھی۔

مرکزی دروازے سے لے کر لان تک سرخ قالین بچھایا گیا تھا۔

نوکر ادھر سے ادھر بھاگتے ہر انتظام مکمل کر رہے تھے۔

آخر آج حویلی کا چھوٹا سردار

ڈاکٹر بن کر واپس لوٹ رہا تھا۔

حویلی کے اندر ایک کے بعد ایک لگژری گاڑیاں

قطار کی صورت میں داخل ہوئی تھیں۔

گارڈز فوراً آگے بڑھے تھے۔

انہوں نے احترام سے گاڑیوں کے دروازے کھولے تھے۔

ایک طرف سے شاہ میر شاہ پوری وجاہت کے ساتھ اترا تھا۔

بلیک تھری پیس سوٹ، ہاتھ میں قیمتی گھڑی،

تیز نظریں اور چہرے پر مخصوص رعب۔

اسکی پرسنیلٹی ہمیشہ کی طرح سب پر حاوی ہو رہی تھی۔

دوسری طرف سے باسل شاہ گاڑی سے باہر آیا تھا۔

،بلیک کلر کی پینٹ شرٹ پہنے

ہاتھ پر لگژری واچ درست کرتا

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ باہر نکلا تھا۔

پانچ سال بعد ڈاکٹر بن کر لوٹنے والا

حویلی کا لاڈلا آج سب کی توجہ کا مرکز تھا۔

حویلی کے تمام افراد خوشی سے اسکے گرد جمع ہوگئے تھے۔

کوئی اسے گلے لگا رہا تھا

تو کوئی مبارکباد دے رہا تھا۔

زیمرہ شاہ نم آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھی تھیں۔

انہوں نے باسل کو اپنے سینے سے لگایا تھا۔

"میرا بچہ واپس آگیا ۔۔"

انکی آواز جذبات سے بھری ہوئی تھی۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہوگی۔

تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔

آپ کے تعاون کا شکریہ۔

وہ محبت سے اسکا ماتھا چوم گئی تھیں۔

”مما جانی۔۔۔ بس کریں، ابھی سے رلائیں گی کیا؟“

باسل نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

زیمرہ شاہ نے پیار سے اسکے گال پر ہلکی چپت لگائی۔

اتنے سال بعد آیا ہے“

”اور ابھی سے مذاق شروع کردیا تم نے۔

تبھی عیان شاہ بھی اسکے قریب آئے تھے۔

انکی آنکھوں میں فخر واضح دکھائی دے رہا تھا۔

”آج تم نے ہمارا سر فخر سے بلند کردیا باسل۔“

باسل احترام سے آگے بڑھا تھا۔

”یہ سب آپ لوگوں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے بابا۔“

عیان شاہ نے اسے مضبوطی سے گلے لگایا تھا۔

ایک باپ کے لیے یہ لمحہ کسی خوشی سے کم نہیں تھا۔

''!ارے ڈاکٹر صاحب آ ہی گئے آخرکار''

حیام خان نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ڈرامائی انداز میں کہا تھا۔

باسل شاہ ابھی عیان شاہ سے مل کر ہٹا ہی تھا

کہ اچانک سامنے کھڑی حیام کو دیکھ کر اسکے ہونٹوں پر

شرارتی مسکراہٹ ابھری تھی۔

تم ابھی تک اسی حویلی میں ہو؟''

میں نے تو سوچا تھا سب تمہیں برداشت کرتے کرتے

”کسی میوزیم میں جمع کروا چکے ہوں گے۔

”جی نہیں!“

حیام فوراً ناک چڑھاتے بولی۔

”میوزیم والے بولے تھے اتنا نایاب نمونہ ہم افورڈ نہیں کر سکتے ل...“

”پھر آپ کا نام سامنے آیا تھا۔

وہاں کھڑے سب لوگ ہنس پڑے تھے۔

باسل نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔

واہ۔۔۔ دو لفظ انگلش کیا سیکھ لیے“

”اب تم خود کو لندن ریٹرن سمجھ رہی ہو؟

"اور آپ؟"

حیام نے فوراً وار کیا۔

دو ٹانکے کیا لگا لیے"

"پورے حویلی کے ڈاکٹر بن کر گھوم رہے ہیں۔

"دو ٹانکے؟"

باسل نے ہاتھ دل پر رکھتے دکھاوے کا صدمہ لیا۔

"میں نے پانچ سال میڈیکل پڑھا ہے محترمہ۔"

ہاں تو کون سا مفت میں پڑھا؟"

اتنے سالوں میں حویلی والوں نے جتنے بادام آپکو کھلائے ہیں

”اتنے میں دو ڈاکٹر اور بن جاتے۔

بی جان ہنسی روکتے بولی تھیں۔

”حیام بس بھی کرو، ابھی آیا ہے بچہ۔“

”!بی جان آپ سائیڈ نہ لیں انکی“

حیام فوراً باسل کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

”پہلے یہ بتائیں... میرے لیے کیا لائے ہیں؟“

باسل نے سنجیدگی سے چند لمحے سوچنے کی ایکٹنگ کی۔

پھر جیب سے اسٹیتھو اسکوپ نکالتے بولا۔

یہ لو ...تمہارے دماغ کی چیکنگ کے لیے۔“

”کیونکہ نارمل انسان اتنا نہیں بولتے۔

”واہ!“

حیام نے جھٹکے سے اسٹیتھو اسکوپ پکڑا تھا۔

پھر تو سب سے پہلے آپکا چیک اپ ہوگا“

”کیونکہ اتنے سالوں میں آپ کی شادی نہیں ہوئی!

یہ سنتے ہی پورا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔

باسل شاہ نے آنکھیں سکیڑتے اسے گھورا تھا۔

”تم نا ایک دن واقعی پٹو گی میرے ہاتھوں۔“

”پکڑ تو لیں پہلے ڈاکٹر صاحب...“

حیام زبان چڑاتے وہاں سے بھاگی تھی۔

اور باسل شاہ ہلکا سا ہنستا

اس شور شرابے کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

اسٹوڈیو آج روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔

شہر کے مشہور آرٹ گیلری ہال کو نہایت نفاست سے سجایا گیا تھا۔

سفید دیواروں پر مختلف پینٹنگز آویزاں تھیں۔

کہیں بارش میں بھیگی سڑکوں کے منظر تھے

تو کہیں اداس آنکھوں والی لڑکی کے جذبات کینوس پر بکھرے ہوئے تھے۔

ہلکی کلاسیکل میوزک پورے ہال میں مدھم انداز سے گونج رہی تھی۔
شیشے کے بڑے بڑے فانوس روشنی کو مزید نرم اور دلکش بنا رہے تھے۔
مہنگے پرفیومز کی خوشبو ماحول میں تحلیل ہو رہی تھی۔
شہر کے مشہور بزنس مین، آرٹسٹ اور میڈیا سے تعلق رکھنے والے لوگ آج کی ایگزیبیشن میں شریک تھے۔

اس پورے ہال کے بیچ

منت شاہ کھڑی تھی۔

بلیو کلر کی لانگ شرٹ،

وائٹ ٹراؤزر،

اور اسی سوٹ کا نرم دوپٹہ سر پر اس انداز سے لیا ہوا تھا

جیسے کوئی حیا دار چاندنی زمین پر اتر آئی ہو۔

سر پر لیا ہوا اسٹولر حجاب کا حسین تاثر دے رہا تھا۔

اسکے براؤن بالوں کی چند لٹیں بار بار رخساروں سے ٹکرا رہی تھیں۔

ہلکی جیولری اور نیچرل میک اپ میں

وہ کسی مصور کے خواب جیسی لگ رہی تھی۔

اسکی ٹیم ہر آنے والے مہمان کا استقبال کر رہی تھی۔

کوئی پینٹنگز کے بارے میں سوال کر رہا تھا

تو کوئی تصویریں بنوانے میں مصروف تھا۔

مگر منت کی نظریں بار بار

داخلی دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

شاید وہ کسی خاص کا انتظار کر رہی تھی۔

اور پھر اگلے ہی لمحے

اسکی براؤن آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"تھینک گاڈ بھائی۔۔۔ آپ آ گئے۔

میں کب سے آپکا انتظار کر رہی تھی۔"

منت تیزی سے آگے بڑھی تھی۔

شاہ میر شاہ کو دیکھتے ہی

وہ بے اختیار اسکے سینے سے لگ گئ تھی۔

بلیک سوٹ میں ملبوس شاہ میر ہمیشہ کی طرح

پوری وجاہت اور رعب کے ساتھ کھڑا تھا۔

مگر بہن کو اپنے قریب پاتے ہی

اسکے سخت تاثرات نرم پڑ گئے تھے۔

"بھائی کی جان...

ایسا ہوسکتا ہے میری گڑیا کچھ کہے

اور بھائی بات نہ مانے؟"

اسنے محبت سے منت کی پیشانی پر ہلکا سا بوسہ دیا تھا۔

اسی لمحے

کیمرے کی آنکھ نے اس حسین منظر کو قید کرلیا تھا۔

منت مسکراتی پیچھے ہٹی تھی۔

"...بھائی آپ بیٹھیں"

"میں ذرا مہمانوں سے مل لوں۔

"...ہمم"

شاہ میر نے مختصر سا سر ہلایا تھا۔

منت دوبارہ مہمانوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

چہرے پر نرم مسکراہٹ سجائے

وہ ہر ایک سے نہایت نفاست سے پیش آ رہی تھی۔

تبھی چلتے ہوئے

اچانک اسکی ہیل مڑی تھی۔

”اوہ—“

اسکا توازن بگڑا تھا۔

اور اگلے ہی لمحے

وہ سامنے آنے والے وجود سے ٹکراتے ہوئے

سیدھا اسکی بانہوں میں جا گری تھی۔

باسل شاہ ایک لمحے کو خود بھی چونکا تھا۔

وہ شاہ میر کے ساتھ ایگزیبیشن میں آیا تھا

مگر باہر کچھ جاننے والے دوست مل گئے تھے

جن سے وہ مصروفِ گفتگو ہوگیا تھا۔

ابھی وہ واپس ہال کے اندر آیا ہی تھا

کہ یہ حادثہ ہوگیا تھا۔

اسکے مضبوط ہاتھ بے اختیار

منت کی کمر کے گرد حصار بنائے ہوئے تھے۔

”ا۔۔۔آپ ٹھیک ہیں؟“

اسکی آواز میں ہلکی گھبراہٹ شامل تھی۔

"س۔۔۔سوری۔۔۔ میں نے دیکھا نہیں۔"

مگر منت...

وہ تو جیسے اسے دیکھ کر ساکت ہوگئی تھی۔

وہ پانچ سال پیچھے چلی گئی تھی آنکھوں میں ہلکی سی نمی کو اسکے باہر آنے سے روکا تھا۔دل زور سے دھڑکا تھا

براؤن آنکھیں پھیل سی گئی تھیں۔

سانس جیسے لمحہ بھر کو رک گیا تھا۔

وہ فوراً سنبھلنے کی کوشش میں سیدھی کھڑی ہوئی تھی

مگر ہیل کی وجہ سے دوبارہ لڑکھڑا گئی۔

اس بار گرنے سے بچنے کے لیے

اسنے بے اختیار باسل کے بازو کا سہارا لے لیا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں… منت؟"

اپنا نام اسکی زبان سے سن کر

منت نے چونک کر اسکی طرف دیکھا تھا۔

...اور باسل

وہ پہلی بار اسے اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا۔

اسکے ذہن میں بنا منت کا تصور

ایک ہی لمحے میں ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔

وہ تو اس معصوم چہرے،

گلابی لبوں

اور گہری براؤن آنکھوں میں

ایک پل کے لیے کھو سا گیا تھا۔

اسکی نرم خوشبو

اور لرزتی پلکیں

باسل کے دل میں عجیب سا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

”ج۔۔۔جی۔۔۔ میں ٹھیک ہوں“

منت نے نظریں چرائیں تھیں۔

وہ مزید کچھ کہے بغیر

مشکل سے اپنے قدم سنبھالتی آگے بڑھ گئی تھی۔

جبکہ باسل شاہ

اب بھی وہیں کھڑا

جاتی ہوئی منت کو دیکھ رہا تھا۔

اور شاید پہلی بار

کسی نے اسکے دل کی دھڑکن

بے ترتیب کی تھی۔

وہ درد چھپاتے ہوئے اپنی سیکرٹری کے قریب رکی تھی۔

”سائرہ۔۔۔ پلیز میرے لیے فلیٹ شوز منگوا دیں۔“

"میم آپ ٹھیک ہیں؟"

سیکرٹری فوراً پریشان ہوئی تھی۔

"ہمم... بس ہیل کی وجہ سے بیلنس خراب ہوگیا تھا۔"

منت نے خود کو نارمل ظاہر کیا تھا۔

چند منٹ بعد

اسکے لیے سفید رنگ کے خوبصورت فلیٹ شوز لا دیے گئے تھے۔

جنہیں پہننے کے بعد

اسنے سکون کا سانس لیا تھا۔

اسی دوران

ایگزیبیشن باقاعدہ طور پر شروع ہوچکی تھی۔

ہال کی لائٹس قدرے مدھم کی گئی تھیں۔

جبکہ ہر پینٹنگ پر الگ فوکس لائٹس ڈالی جا رہی تھیں۔

اسکرین پر LED ایک بڑی

منت شاہ کے آرٹ جرنی کے مختلف کلپس چل رہے تھے۔

کہیں وہ کینوس پر رنگ بکھیر رہی تھی

تو کہیں خاموشی سے برش کے ذریعے جذبات کو تصویر میں قید کر رہی تھی۔

مہمان ایک ایک پینٹنگ کے سامنے رک کر

اسکے فن کو سراہ رہے تھے۔

،کسی تصویر میں ادھوری محبت تھی

،کسی میں جدائی کا درد

توکسی میں خاموش انتظار۔

اور حیران کن بات یہ تھی

کہ تقریباً ہر پینٹنگ میں

ایک دھندلا سا مردانہ وجود موجود تھا۔

،کہیں وہ بارش میں کھڑا تھا

،کہیں کسی لڑکی کو دور سے دیکھ رہا تھا

اور کہیں صرف اسکی پشت دکھائی دے رہی تھی۔

باسل شاہ کی نظریں جیسے انہی تصویروں میں الجھ کر رہ گئی تھیں۔

وہ خاموشی سے ایک پینٹنگ کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

کینوس پر ایک لڑکی دکھائی گئی تھی

جو ہجوم میں کھڑی تھی

مگر اسکی نظریں صرف ایک شخص کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

اور وہ شخص...

وہ حیران رہ گیا تھا۔

کیونکہ اس تصویر میں موجود لڑکے کے نقوش

بے حد حد تک اس سے ملتے تھے۔

باسل نے بےاختیار اگلی پینٹنگ دیکھی۔

پھر اگلی۔

اور اگلی۔

ہر تصویر میں

وہی وجود۔

وہی انداز۔

وہی قامت۔

جیسے منت نے انجانے میں

ہر کینوس پر اسے ہی اتارا ہو۔

باسل کے اندر عجیب سا اضطراب پھیلنے لگا تھا۔

اسکا سانس جیسے بھاری ہونے لگا تھا۔

وہ پہلی بار

منت کے احساسات کی شدت کو محسوس کر رہا تھا۔

یہ صرف پینٹنگز نہیں تھیں۔۔۔

کسی کے دل کا نوحہ تھیں۔

ابروڈ سے آئے ہوئے آرٹ کلیکٹرز

اور بزنس مین

منت کے فن سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔

"مس منت شاہ،

یہ پینٹنگ ہم خریدنا چاہتے ہیں۔

پرائس یو نیم اٹ۔"

ایک غیر ملکی شخص نے دلچسپی سے کہا تھا۔

منت نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ

پروفیشنل انداز اپنایا تھا۔

اسکی ٹیم مختلف ڈیلز فائنل کر رہی تھی۔

لاکھوں اور کروڑوں کی آفرز

ایک کے بعد ایک سامنے آ رہی تھیں۔

کسی نے پوری سیریز خریدنے کی پیشکش کی

تو کسی نے اسکے ساتھ انٹرنیشنل کولیبریشن کی بات کی تھی۔

میڈیا والے مسلسل اسکی تصویریں لے رہے تھے۔

ہر طرف بس اسی کے فن کے چرچے تھے۔

...اور وہ

وہ اس سب کے درمیان

انتہائی پراعتماد انداز میں کھڑی تھی۔

جیسے اسے کسی کی موجودگی سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

...یا شاید

وہ خود کو ظاہر ہی ایسا کر رہی تھی۔

کیونکہ ایک بار بھی

اسنے پلٹ کر باسل شاہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

حالانکہ باسل کی نظریں

ہر چند لمحوں بعد

بےاختیار اسی کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

وہ نیلے لباس میں ملبوس لڑکی

آج واقعی کسی حسن پری جیسی لگ رہی تھی۔

اور باسل شاہ پہلی بار

اپنے دل کو بے قابو ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

چند ہی گھنٹوں میں

منت شاہ کی تمام پینٹنگز فروخت ہوچکی تھیں۔

ہال میں موجود ہر شخص

اسکے فن کی تعریف کر رہا تھا۔

کسی نے اسکی پینٹنگز کو ''روح کی آواز'' کہا

تو کسی نے اسے ''جدید آرٹ کی نئ پہچان''قرار دیا تھا۔

اسکی ٹیم مسلسل نئ ڈیلز فائنل کر رہی تھی۔

میڈیا والے اسکے انٹرویوز لینے میں مصروف تھے۔

مگر باسل شاہ...

وہ ایک عجیب کیفیت میں مبتلا کھڑا تھا۔

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا

...جیسے یہ پینٹنگز نہیں بکی تھیں

بلکہ منت نے ہر کینوس کے ساتھ

اسکے وجود کا ایک حصہ بھی بیچ دیا تھا۔

ہر تصویر میں موجود خاموش درد

اب اسکے سینے پر بوجھ بن رہا تھا۔

وہ پہلی بار سمجھ رہا تھا

کہ کسی کو خاموشی سے تکلیف دینا

کتنا مہنگا پڑ سکتا ہے۔

تبھی ہال میں موجود ساؤنڈ سسٹم پر

منت شاہ کے نام کی اناؤنسمنٹ ہوئی تھی۔

“Ladies and Gentlemen...

The Artist of the Evening...

Miss Munt Shah.”

پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

منت نے ہلکا سا سانس لیا تھا

پھر بے اختیار شاہ میر شاہ کی طرف دیکھا تھا۔

شاہ میر نے ہمیشہ کی طرح

خاموش مگر حوصلہ دینے والی نظر اس پر ڈالی تھی۔

منت مسکراتی ہوئی آگے بڑھی تھی

اور اسنے بھائی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

بلیک سوٹ میں ملبوس شاہ میر

اپنی بہن کے ساتھ اسٹیج کی طرف بڑھا تھا۔

کیمرے مسلسل ان دونوں کی تصویریں قید کر رہے تھے۔

وہ منظر

صرف ایک کامیاب آرٹسٹ کا نہیں

بلکہ ایک بھائی اور بہن کے مضبوط رشتے کا عکس لگ رہا تھا۔

اسٹیج پر پہنچ کر

منت چند لمحے خاموش کھڑی رہی تھی۔

سامنے موجود سینکڑوں نظریں

اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

اسنے مائیک تھاما تھا۔

ہلکی سی مسکراہٹ اسکے لبوں پر آئی۔
مگر آنکھوں میں نمی کی دھند واضح تھی۔

“Good Evening Everyone...”

اسکی نرم مگر پراعتماد آواز

پورے ہال میں گونجی تھی۔

“Honestly...

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا

کہ ایک دن میں یہاں کھڑی ہوں گی۔

In front of so many people...

with my work... with my story.”

وہ چند لمحے رکی تھی۔

میں پہلے کچھ بھی نہیں تھی۔“

Just a simple ordinary girl...

جسے نہ آرٹ کا کوئی خاص شوق تھا

اور نہ ہی کبھی یہ احساس تھا

”کہ رنگ بھی انسان کے جذبات بیان کر سکتے ہیں۔

ہال میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔

ہر شخص پوری توجہ سے اسے سن رہا تھا۔

"...پھر زندگی نے مجھے کچھ ایسے لمحے دیے

جو شاید میرے اندر بہت کچھ توڑ گئے۔

اور کبھی کبھی

...انسان اپنے دکھ کسی کو بتا نہیں پاتا

"تو وہ خاموشی سے انہیں محسوس کرنا سیکھ لیتا ہے۔

اسکی نظریں ایک لمحے کو بے اختیار

باسل شاہ کی طرف اٹھی تھیں۔

بس ایک لمحہ۔

مگر اس ایک لمحے میں

اتنی خاموش شکایت تھی

کہ باسل کا دل عجیب طرح سے دھڑکا تھا۔

منت نے دوبارہ نظریں ہٹا لی تھیں۔

"یہ پینٹنگز...

صرف colours اور brush strokes نہیں ہیں۔

Maybe... یہ میرے احساسات ہیں۔

میرے خاموش سوال...

میرے وہ خواب

جو کبھی لفظوں میں بیان نہیں ہو سکے۔"

ہال میں بیٹھے کئی لوگ

اسکی باتوں سے متاثر ہو رہے تھے۔

"...لیکن آج اگر میں یہاں کھڑی ہوں

confidently... proudly...

تو اسکی سب سے بڑی وجہ

میرے بھائی ہیں۔"

منت نے محبت سے شاہ میر کی طرف دیکھا تھا۔

"زندگی کے ہر مشکل موڑ پر

انہوں نے میرا ہاتھ تھاما۔

مجھے ٹوٹنے نہیں دیا۔

مجھے یہ یقین دلایا

کہ انسان اپنے درد کے ساتھ بھی

دوبارہ جینا سیکھ سکتا ہے۔"

شاہ میر کی نظریں نرم پڑ گئی تھیں۔

“Sometimes...

ہمیں زندگی میں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے

جو ہم پر یقین کرے

...تب بھی

جب ہم خود پر یقین کھو چکے ہوں۔”

منت کی آواز ہلکی سی بھرائی تھی۔

اور میرے لیے"

"وہ شخص میرے بھائی ہیں۔

پورا ہال زور دار تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

جبکہ نیچے کھڑا باسل شاہ...

خاموش نظروں سے

اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا

جسے وہ شاید کبھی سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔

پرتگال کی سرد صبح ہمیشہ کی طرح دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔

باہر ہلکی بارش ہو رہی تھی۔

شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیوں پر بارش کے قطرے مسلسل پھسل رہے تھے۔

سمندر کی طرف سے آتی ٹھنڈی ہوا

پورے ماحول کو مزید خاموش اور اداس بنا رہی تھی۔

شہر کے پوش علاقے میں موجود

سفید رنگ کے خوبصورت ولا کے اوپری فلور پر

حوریب کی آنکھ کھلی تھی۔

وہ نیم غنودگی میں ہاتھ بڑھاتے

بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھا گئی تھی۔

اسکی براؤن آنکھیں

جیسے ہی اسکرین پر پڑی تھیں

وہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔

"اوہ گاڈ!"

گھڑی میں صبح کے دس بج رہے تھے۔

"بابا نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟"

وہ بے حد حیران ہوئی تھی۔

کیونکہ جنید مرزا کبھی اسے اتنی دیر تک سونے نہیں دیتے تھے۔

حوریب جلدی سے بیڈ سے اتری تھی۔

کمرے کے سفید پردے ہوا سے لہرا رہے تھے۔

وہ تیزی سے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔

کچھ دیر بعد

وہ تیار ہو کر باہر نکلی تھی۔

ہلکے براؤن رنگ کا خوبصورت ٹراؤزر سوٹ،

آنکھوں پر باریک فریم والا چشمہ،

اور لمبے سلکی بالوں کو

اسنے ربڑ ہیئر بین سے سلیقے سے باندھ رکھا تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر

اسنے آخری بار خود کو دیکھا تھا۔

چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آئی تھی۔

اور ساتھ ہی اسکے گالوں میں پڑتے ڈمپلز واضح ہوئے تھے۔

“Perfect...”

وہ خود ہی مسکراتی بڑبڑائی تھی۔

پھر ہمیشہ کی طرح شرارتی انداز میں چلتی

وہ نیچے آئی تھی۔

مگر آج ڈائننگ ایریا غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔

ٹیبل پر ناشتہ لگا ہوا تھا

لیکن جنید مرزا کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

حوریب نے حیرانی سے ادھر اُدھر دیکھا تھا۔

”بابا آج ناشتے پر نہیں آئے؟“

اسنے ملازمہ سے انگلش میں پوچھا تھا۔

“No ma’am...”

ملازمہ نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

حوریب کے ماتھے پر ہلکی شکن ابھری تھی۔

وہ فوراً پلٹی تھی

اور تیز قدموں سے جنید مرزا کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

"بابا یار..."

آپ آج ناشتے پر کیوں نہیں آئے؟

طبیعت ٹھیک ہے؟"

وہ کمرے میں داخل ہوتے

بےدھیانی میں بولی تھی۔

مگر اگلے ہی لمحے

اسکی آواز حلق میں اٹک گئی تھی۔

جنید مرزا بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

انکے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔

سانسیں بےترتیب اور بھاری ہو رہی تھیں۔

”بابا!“

حوریب گھبرا کر فوراً انکے قریب بیٹھی تھی۔

کیا ہوا؟“

”آپ ٹھیک ہیں؟

اسکی آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔

”ڈ۔۔۔ڈاکٹر کو کال کروں؟“

وہ جلدی سے پاس پڑا موبائل اٹھانے لگی تھی

مگر جنید مرزا نے لرزتے ہاتھ سے اسکا ہاتھ روک لیا تھا۔

”۔۔۔ن۔۔۔نہیں۔۔۔ ح۔۔۔حوریب“

انکی سانس جیسے سینے میں اٹک رہی تھی۔

”۔۔۔م۔۔۔میری زندگی“

”...بس یہی تک ہے

”۔۔۔نہیں بابا پلیز ایسی باتیں نہ کریں“

حوریب کی آنکھوں میں فوراً آنسو بھر آئے تھے۔

جنید مرزا نے بمشکل سانس لی تھی۔

"م۔۔۔میں نے تم سے...اور

...باسل سے چھپایا

...کہ میں دل کا مریض ہوں"

حوریب ساکت ہو کر انہیں دیکھ رہی تھی۔

”میں زیرِ علاج تھا...

...لیکن اب شاید

ہمارا ساتھ یہی تک ہے...“

انکے کانپتے ہاتھوں نے

پاس رکھی ایک پرانی ڈائری کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”یہ۔۔۔یہ میری ڈائری ہے...

”...اس میں... سب کچھ لکھا ہے

انہوں نے مشکل سے کہا تھا۔

...تمہاری زندگی کے بارے میں“

”...سب کچھ

”میری زندگی؟“

حوریب نے روتے ہوئے انکے ہاتھ تھامے تھے۔

"بابا پلیز۔۔۔

آپ ٹھیک ہوجائیں گے..."

"م۔۔۔مجھے معاف کردو ...میری جان..."

انکی آنکھوں میں نمی ابھری تھی۔

"میں نے تم سے چھپایا۔۔۔

تم۔۔۔ میری بیٹی نہیں ہو..."

حوریب کے چہرے کا رنگ جیسے ایک دم اڑ گیا تھا۔

"میں نے...

تمہیں صرف پالا ہے..."

اسکی براؤن آنکھیں بےیقینی سے پھیل گئی تھیں۔

"لیکن... اب شاید وقت آگیا ہے"

...کہ تم ...ان لوگوں کے پاس جاؤ

"...جن کی تم اصل میں ہو

"...ن۔۔۔نہیں"

حوریب فوراً روتے ہوئے انکے قریب جھکی تھی۔

"...آپ میرے بابا ہیں"

"...صرف آپ

اسنے انکے کانپتے ہاتھوں پر بوسہ دیا تھا۔

"بابا پلیز...

آنکھیں بند مت کریں...

پلیز..."

جنید مرزا نے آخری بار

بڑی محبت سے اسکے چہرے کو دیکھا تھا۔

پھر انکی سانس ایک لمحے کو رکی تھی۔

اور اگلے ہی لمحے

انکا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

”ب۔۔۔بابا...؟“

حوریب کی آواز ٹوٹ گئی تھی۔

"بابا... آنکھیں کھولیں"

وہ بری طرح انکے کندھے ہلا رہی تھی۔

مگر سامنے موجود وجود

اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہوچکا تھا۔

"نہیں...!"

اسکی چیخ پورے کمرے میں گونجی تھی۔

باہر بارش اب بھی مسلسل برس رہی تھی۔

اور حوریب۰۰۰

اپنی زندگی کے سب سے بڑے سچ
اور سب سے بڑے نقصان کے درمیان
ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔
حوریب اب بھی فرش پر بیٹھی تھی۔

جنید مرزا کا بے جان ہاتھ

اب بھی اسکی انگلیوں میں تھا۔

اسکی آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں

مگر جیسے دماغ ابھی تک اس حقیقت کو ماننے سے انکار کر رہا تھا۔

وہ بار بار انہیں ہلا کر دیکھتی۔

بار بار امید کرتی

کہ شاید اگلے لمحے وہ آنکھیں کھول دیں گے۔

"بابا..."

"پلیز اٹھ جائیں..."

اسکی ٹوٹی ہوئی سرگوشی

خاموش کمرے میں گم ہوگئی تھی۔

مگر جواب میں صرف خاموشی تھی۔

حوریب کی سانسیں بےترتیب ہونے لگی تھیں۔

ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا

...کہ اب کیا کرنا ہے

...کسے فون کرنا ہے

...کون آئے گا

وہ زندگی میں پہلی بار

اتنی اکیلی محسوس کر رہی تھی۔

کانپتے ہاتھوں سے اسنے موبائل اٹھایا تھا۔

اسکی نظریں بار بار دھندلا رہی تھیں۔

بڑی مشکل سے اسنے اپنی بیسٹ فرینڈ

ایما کا نمبر ملایا تھا۔

کال اٹھتے ہی

حوریب کی ضبط کی آخری دیوار بھی ٹوٹ گئی تھی۔

"ای۔۔۔ایما۔۔۔"

اسکی آواز بری طرح لرز رہی تھی۔

"بابا..."

"بابا مجھے چھوڑ کر چلے گئے..."

دوسری طرف چند لمحے مکمل خاموشی رہی تھی۔

"Wait... what?"

ایما کی گھبرائی ہوئی آواز آئی تھی۔

مگر حوریب اب ٹھیک سے بول بھی نہیں پا رہی تھی۔

صرف رونا...

اور ٹوٹتی ہوئی سانسیں۔

“I'm coming right now!”

ایما نے فوراً کال بند کی تھی۔

اسکے بعد کے چند گھنٹے

حوریب کو دھندلے دھندلے یاد تھے۔

پڑوسی جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔

کسی نے ایمبولینس کال کی۔

کسی نے قریبی جاننے والوں کو اطلاع دی۔

پورا گھر لوگوں سے بھر گیا تھا۔

مگر حوریب...

وہ جیسے اس سب سے الگ ہوچکی تھی۔

صوفے کے ایک کونے میں بیٹھی

وہ خالی نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

ایما مسلسل اسکے ساتھ بیٹھی تھی۔

کبھی پانی پلاتی

کبھی اسے سنبھالتی۔

کیونکہ حوریب بار بار بےہوش ہونے لگتی تھی۔

ہر چند لمحوں بعد

اسکی نظریں بےاختیار جنید مرزا کے کمرے کی طرف اٹھ جاتیں۔

پھر اگلے ہی لمحے

اسکا دل بری طرح مچل اٹھتا۔

"یہ سب جھوٹ ہے..."

وہ روتے ہوئے بڑبڑاتی۔

"بابا مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے..."

ایما اسے فوراً اپنے سینے سے لگا لیتی تھی۔

"Stay strong Hoorain..."

مگر حوریب میں مضبوط رہنے کی ہمت ہی کہاں بچی تھی۔

اسے نہیں پتا تھا

تدفین کے انتظامات کیسے ہوئے۔

کس نے کیا کیا۔

کون آیا۔

کون گیا۔

لوگ آتے رہے۔

تعزیت کرتے رہے۔

اور وہ...

بس خاموش آنکھوں سے سب دیکھتی رہی۔

جب جنید مرزا کے جنازے کو گھر سے لے جایا جا رہا تھا

تب حوریب جیسے مکمل ٹوٹ گئی تھی۔

وہ انکے تابوت کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔

"بابا۔۔۔

مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جائیں۔۔۔"

اسکی چیخ سن کر

وہاں موجود کئی لوگوں کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

ایما اور چند عورتوں نے مشکل سے اسے سنبھالا تھا۔

وہ بار بار انکے پاس جانے کی کوشش کرتی

اور ہر بار کمزور ہو کر گر پڑتی تھی۔

پھر آخرکار

وہ لمحہ بھی آگیا

جب جنید مرزا کو مٹی کے سپرد کردیا گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔

ایگزیبیشن ختم ہوتے ہوتے رات کافی گہری ہوچکی تھی۔

ہال میں اب پہلے جیسا شور نہیں رہا تھا۔

زیادہ تر مہمان جا چکے تھے۔

صرف منت کی ٹیم باقی رہ گئی تھی

جو پینٹنگز کی پیکنگ

اور باقی انتظامات سمیٹ رہی تھی۔

روشنیوں سے جگمگاتا ہال

اب خاموشی میں ڈوبنے لگا تھا۔

منت ایک طرف کھڑی

اپنی ٹیم کو آخری ہدایات دے رہی تھی۔

مگر اسکے چہرے کی تھکن

واضح محسوس ہو رہی تھی۔

اسکی براؤن آنکھوں کے نیچے ہلکے سائے ابھر آئے تھے۔

اور بار بار وہ اپنے سر کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔

شاہ میر دور کھڑا

خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ اپنی بہن کے چہرے کو

شاید دنیا میں سب سے بہتر پڑھتا تھا۔

"منت بچے...

چلو، رات کافی ہوگئی ہے۔

باقی تمہاری ٹیم خود مینج کر لے گی۔"

وہ اسکے قریب آتے نرم لہجے میں بولا تھا۔

منت نے ہلکی سی مسکراہٹ بنانے کی کوشش کی تھی۔

”...بس بھائی۔۔۔ دو منٹ“

مگر شاہ میر نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

اگلے ہی لمحے

اسکی پیشانی پر شکن ابھری تھی۔

منت کا ہاتھ غیر معمولی طور پر گرم تھا۔

اسنے فوراً اسکی طرف دیکھا تھا۔

"منت۔۔۔

تمہیں بخار ہے نا؟"

وہ تشویش سے بولا تھا

اور اگلے ہی لمحے اسنے اسکا ماتھا چھوا تھا۔

جلتا ہوا ماتھا محسوس ہوتے ہی

شاہ میر کے تاثرات سخت ہوئے تھے۔

"ب۔۔۔بھائی نہیں..."

"میں ٹھیک ہوں..."

منت نے ہچکچاتے جواب دیا تھا۔

مگر اسی لمحے

اسکی نظریں بےاختیار

شاہ میر سے ایک قدم پیچھے کھڑے باسل شاہ کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

باسل خاموش کھڑا

صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

”ٹھیک ہو؟“

شاہ میر نے سنجیدگی سے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب ...ذرا چیک کریں اسے۔“

باسل فوراً آگے بڑھا تھا۔

منت کے قریب آتے

اسکے دل کی دھڑکن جیسے بےترتیب ہوئی تھی۔

باسل نے بغیر کچھ کہے

اسکی نبض تھامی تھی۔

اسکی انگلیوں کا لمس

منت کے وجود میں عجیب سی کپکپاہٹ پھیلا گیا تھا۔

ہمم۔۔۔ بخار تو ہے۔"

"اور کافی تیز ہے۔

باسل نے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

پھر فوراً اسکی طرف دیکھتے بولا۔

چلو۔۔۔ گاڑی میں بیٹھو۔“

شاباش۔

”ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔

منت کچھ بولنا چاہتی تھی

مگر شاہ میر پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا۔

اور وہ رپورٹ بھی ساتھ رکھو“

”جو ڈاکٹر نے پچھلے دن دی تھی۔

منت کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو بدلا تھا۔
مگر اسنے فوراً نظریں جھکا لیں۔

”ج۔۔۔جی بھائی…“

گاڑی کے باہر سرد ہوا چل رہی تھی۔

شاہ میر نے باسل کو آگے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا

جبکہ خود منت کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

منت خاموش بیٹھی تھی۔

اسکے لب ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔

سر کا درد اب شدت اختیار کر رہا تھا۔

وہ آہستہ سے اپنے کنپٹی کے قریب ہاتھ لے گئی
اور سر دبانے لگی تھی۔

باسل نے ریئر ویو مرر میں

اسکے چہرے کو غور سے دیکھا تھا۔

وہ محسوس کر رہا تھا

کہ منت کچھ چھپا رہی ہے۔

اور شاید بہت کچھ۔

“Good...

Basil, give her something for fever.

She needs proper rest now.

And no more overworking. Only rest.”

شاہ میر نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

“جی بھائی...”

منت نے بمشکل جواب دیا تھا۔

پھر خاموشی سے

کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی تھی۔

مگر اسکی آنکھوں میں

عجیب سی نمی تیر رہی تھی۔

رات کافی دیر ہو چکی تھی۔

اپنے کمرے میں آتے ہی

منت نے دروازہ بند کیا تھا۔

کمرہ مکمل خاموش تھا۔

اسنے تھکے ہوئے انداز میں

اپنا بیگ ایک طرف رکھا تھا۔

سر کا درد اب ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا۔

وہ آہستہ سے بیڈ کے کنارے بیٹھی

اور کانپتے ہاتھوں سے فون اٹھایا تھا۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد

اسنے ڈاکٹر کا نمبر ملایا تھا۔

فون چند رنگز کے بعد اٹینڈ ہوا تھا۔

منت نے آنکھیں بند کرتے
خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

“Hello... I am Munt Shah.
I sent my reports yesterday.

Kindly tell me... what exactly is my problem?"

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی تھی۔

پھر ڈاکٹر کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔

"Miss Munt... I have reviewed your case carefully."

منت کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

“And honestly... there is a bad news for you.”

اسکی انگلیاں ٹھنڈی پڑنے لگی تھیں۔

“You have a brain tumor.”

منت کی سانس جیسے وہیں رک گئی تھی۔

“But it’s in the early stage...

which is actually a good sign.

If you start treatment on time,

there are strong chances of recovery.

So don’t lose hope.”

منت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

لب بری طرح کانپنے لگے تھے۔

“O... okay doctor...

Allah Hafiz...”

اسنے بمشکل فون بند کیا تھا۔

اگلے ہی لمحے

اسکا وجود جیسے بے جان سا ہو کر رہ گیا تھا۔

کانپتے ہاتھوں سے

وہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

کمرے کی خاموشی

اب اسے ڈرانے لگی تھی۔

اسکی سانسیں بے ترتیب تھیں۔

چند لمحوں بعد

وہ آہستہ سے اٹھی تھی

اور الماری کھول کر اپنی رپورٹس نکالی تھیں۔

”ن۔۔۔نہیں“

اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”...م۔۔۔میں کسی کو نہیں بتاؤں گی“

وہ ٹوٹتی آواز میں بڑبڑائی تھی۔

اسنے اپنے لمبے بال بےترتیبی سے سمیٹے تھے۔

”ہ۔۔۔ہاں...

...کسی کو نہیں“

روتے ہوئے اسنے رپورٹس

ڈریسنگ ٹیبل کے دراز میں رکھ دی تھیں۔

پھر کمزور قدموں سے چلتی

واپس بیڈ پر آکر بیٹھ گئی تھی۔

کچھ لمحے وہ خالی نظروں سے سامنے دیکھتی رہی۔

پھر اچانک اسکی ہچکی بندھی تھی۔

"چ۔۔۔چلو...

یہ بھی شاید اچھا ہے..."

اسنے بمشکل سانس لی تھی۔

"میری۔۔۔اس بے سکون زندگی سے جان تو چھوٹ جائے گی..."

اسکی آواز رونے سے بھاری ہوچکی تھی۔

"مجھ سے نفرت کرنے والے...

شاید خوش ہوں گے..."

وہ خود ہی اپنے ذہن میں

کہانیوں کے جال بنتی جا رہی تھی۔

جیسے خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہو

کہ اسکی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔

اور پھر آخرکار

اسکا ضبط مکمل ٹوٹ گیا تھا۔

وہ تکیے میں منہ چھپائے

زار و قطار رونے لگی تھی۔

اس رات

کمرے کی خاموش دیواروں نے

ایک لڑکی کے ٹوٹنے کی آواز سنی تھی۔

....

یونیورسٹی کا ماحول ہمیشہ کی طرح شور اور رونق سے بھرا ہوا تھا۔

کیمپس میں جگہ جگہ اسٹوڈنٹس کے گروپس کھڑے تھے۔

کوئی کینٹین کی طرف جا رہا تھا

تو کوئی جلدی جلدی اپنی کلاسز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہوا میں کافی کی ہلکی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔

لان میں لگے درختوں کے پتے

ہوا کے ساتھ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔

اسی بھیڑ میں

حیام خان اپنی دوست فریحہ کے ساتھ چل رہی تھی۔

،لائٹ پیچ کلر کا خوبصورت کُرتا

وائٹ ٹراؤزر

اور کندھے پر لٹکتا بیگ۔

کھلے براؤن بال بار بار اسکے چہرے پر آرہے تھے

جنہیں وہ جھنجھلاہٹ سے پیچھے کر رہی تھی۔

"حیام۔۔۔

یار لیکچر کا ٹائم ہوگیا ہے۔

چلو جلدی!"

فریحہ نے گھڑی دیکھتے کہا تھا۔

"...نہیں"

"!مجھے نہیں لینا لیکچر"

حیام نے فوراً منہ بنایا تھا۔

"وہ جلاد پروفیسر مجھے ایسے رعب دیتا ہے

"!جیسے میں اسکی بیوی ہوں"

فریحہ بےاختیار ہنس پڑی تھی۔

”یار زہر لگتا ہے مجھے وہ انسان...“

حیام نے بیگ کندھے پر درست کرتے بڑبڑایا تھا۔

”چھوڑ نا حیام...“

فریحہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔

”اٹینڈنس نہیں ہوگی تو مارکس بھی نہیں ملیں گے۔“

"!جانے دے یار"

حیام نے ڈرامائی انداز میں ہاتھ ہلایا تھا۔

"میں فیل ہوجاؤں گی"

"لیکن کلاس میں نہیں جاؤں گی۔

پھر اچانک اسے کل کا ٹیسٹ یاد آیا تھا۔

"...سیریسلی فریحہ"

کل کا پیپر اتنا برا ہوا تھا

کہ کیا بتاؤں۔

اب مزید مجھ میں ہمت نہیں ہے

اس انسان سے انسلٹ کروانے کی۔"

فریحہ نے ہنسی روکتے سر ہلایا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔

میں جا رہی ہوں۔

تم یہی ڈرامے کرتی رہو۔"

وہ کلاس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

جبکہ حیام لمبی سانس لیتے

کوریڈور کے ایک کونے میں پڑی بینچ پر آکر بیٹھ گئی تھی۔

اسنے فوراً موبائل نکالا

اور اپنا پسندیدہ رومانوی ناول کھول لیا تھا۔

چند ہی لمحوں میں

وہ پوری طرح کہانی میں کھو گئی تھی۔

اسکے چہرے پر کبھی مسکراہٹ آتی

تو کبھی وہ ہلکا سا شرما جاتی۔

اسے اندازہ ہی نہیں ہوا

کہ آس پاس کیا ہو رہا ہے۔

تبھی اچانک

اسکے قریب کسی نے گلا کھنگھارا تھا۔

"ہمم..."

حیام چونکی تھی۔

اسنے فوراً سر اٹھایا تھا۔

اور اگلے ہی لمحے

اسکی سانس اٹکی تھی۔

ماہیر خان اسکے سامنے کھڑا تھا۔

بلیک پینٹ،

سفید شرٹ،

بازو فولڈ کیے

اور چہرے پر ہمیشہ والا سنجیدہ رعب۔

پروفیسرز میں شمار ہوتا تھا۔ strict وہ یونیورسٹی کے سب سے

اور حیام کی بدقسمتی سے

اسی کا لیکچر سب سے زیادہ ہوتا تھا۔

"...مس حیام"

اسکی بھاری آواز گونجی تھی۔

کیا آپکو خاص دعوت دینی پڑے گی"

"لیکچر لینے کے لیے؟

"ج۔۔۔جی سر..."

حیام ہڑبڑاتے ہوئے کھڑی ہوئی تھی۔

اسی جلدی میں

اسکے ہاتھ سے موبائل پھسلا تھا۔

مگر زمین پر گرنے سے پہلے ہی

ماہیر نے جھک کر اسے پکڑ لیا تھا۔

حیام کی دھڑکن ایک لمحے کو رک سی گئی تھی۔

ماہیر نے موبائل اسکرین پر نظر ڈالی تھی۔

پھر آہستہ سے بھنویں اٹھائی تھیں۔

"اوہ..."

اسکے لبوں پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ آئی تھی۔

تو یہاں بیٹھ کر"

"آپ رومانٹک ناول پڑھ رہی ہیں؟

حیام نے فوراً نظریں چرائی تھیں۔

"اور کل کا ٹیسٹ دیکھا ہے آپ نے؟"

ماہیر نے موبائل واپس اسکی طرف بڑھاتے پوچھا تھا۔

”کیا لکھا ہے آپ نے؟“

”...ج۔۔۔جی سر“

حیام کی آواز پھنس گئی تھی۔

”...لکھنا تھا essay پر Favourite Hero“

”...ہمم“

ماہیر نے سنجیدگی سے سر ہلایا تھا۔

حیام نے معصومیت سے لب بھینچے تھے۔

"ہر کسی کا favourite hero

قائد اعظم تو نہیں ہو سکتا نا سر..."

اسکی دھیمی آواز پر

ماہیر نے چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

پھر اچانک بولا۔

"اوہ۔۔۔

لیکن اتنی بری انگلش؟

مس حیام خان..."

حیام نے فوراً آنکھیں بند کرلی تھیں۔

وہ جانتی تھی

اب اگلے چند منٹ اسکی بے عزتی ہونے والی ہے۔

"میں ابھی کلاس لے کر آ رہا ہوں۔"

ماہیر نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"آپ میرے آفس میں جائیں۔"

اور میرے واپس آنے تک

مکمل یاد کریں۔ 'My Favourite Hero' essay

"میں خود سنوں گا آپ سے۔

حیام کی آنکھیں فوراً پھیل گئی تھیں۔

”لیکن سر...“

وہ بے حد معصومیت سے بولی تھی۔

”میرا favourite hero

تو وہی تھا

"...جسکے بارے میں میں نے لکھا تھا

ماہیر کے لبوں پر

بہت ہلکی مگر معنی خیز مسکراہٹ آئی تھی۔

کیونکہ کوئی بھی شوہر یہ برداشت نہیں کرے گا کہ اسکے ہوتے ہوئے اسکی

بیوی ناولز کے ہیرو کو اپنا

فیورٹ ہیرو بنائے

وہ معنی خیز لینے میں بولا

حیام کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔ لیکن اسکی باتیں حیام کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھی

"...اور اگر مارکس چاہیے"

ماہیر نے ایک قدم اسکی طرف بڑھتے کہا۔

"تو میرے آفس میں جائیں

essay اچھی طرح read کریں۔ اور

Very soon."

اسکے لہجے میں موجود رعب

حیام کو مزید گھبرا گیا تھا۔

ماہیر اسے ایک آخری نظر دیکھتا

کلاس کی طرف بڑھ گیا تھا۔

جبکہ حیام وہیں کھڑی

چند لمحے اسے جاتے دیکھتی رہی تھی۔

"یا اللہ..."

وہ دھیرے سے بڑبڑائی تھی۔

"یہ انسان مجھے ایک دن ہارٹ اٹیک دے گا..."

پھر ناچاہتے ہوئے

اسنے اپنا بیگ اٹھایا تھا۔

اور دھیمی چال سے

ماہیر خان کے آفس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

....

ماہیر خان کا آفس ہمیشہ کی طرح بے حد منظم اور خاموش تھا۔

دیواروں پر لگی کتابوں کی شیلف،

ٹیبل پر ترتیب سے رکھی فائلیں،

اور ہلکی کافی کی خوشبو

کمرے کو سنجیدہ مگر پُرکشش ماحول دے رہی تھی۔

حیام سامنے رکھی کرسی پر بیٹھی

رٹنے میں مصروف تھی۔ essay زور زور سے

"My favourite hero is..."

وہ جلدی جلدی پڑھ رہی تھی

اور ہر چند لمحوں بعد گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

اسکے لمبے کھلے بال

کرسی کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔

جبکہ دوپٹہ لاپرواہی سے کندھے پر پڑا تھا۔

تبھی آفس کا دروازہ کھلا تھا۔

ماہیر خاموش قدموں سے اندر داخل ہوا تھا۔

فولڈ کیے sleeves بلیک شرٹ کی

وہ ہمیشہ کی طرح رعب دار لگ رہا تھا۔

حیام اپنی دنیا میں اتنی گم تھی

کہ اسے اسکی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا۔

ماہیر آہستہ سے چلتا

اسکی کرسی کے پیچھے آ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

اسکی نظریں بے اختیار

حیام کے لمبے کھلے بالوں پر ٹھہری تھیں۔

چند لمحوں کے لیے

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

پھر جیسے خود پر ضبط کیا تھا۔

"یاد ہوگیا مس حیام؟"

اسکی بھاری آواز اچانک قریب سے سنائی دی تھی۔

"ج۔۔۔جی سر!"

حیام بری طرح چونکی تھی۔

اسنے فوراً پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

دل جیسے زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"گڈ۔۔۔"

ماہیر دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

"ہوگیا پھر تو۔"

وہ آہستہ سے اسکی کرسی کے قریب آیا تھا۔

"اب میری بات دھیان سے سنیں۔۔۔"

اسکی آواز میں عجیب سنجیدگی تھی۔

آئندہ نہ تو مجھے آپ"

"...میں نظر آئیں dressing اس طرح کی

اسکی نظر اسکی اسکی ڈریسنگ پر گئی ۔۔دوپٹہ کہی تھی اور خود کہی

اسکی نظریں حیام کے کھلے لمبے بالوں پر اٹکی تھیں۔

اور نہ ہی بال کھلے ہوں"

...دوپٹہ

"آپکے سر پر ہونا چاہیے۔

وہ سنجیدگی سے بولا

حیام نے فوراً چونک کر اسے دیکھا تھا۔

ایکسکوزمی سر

"...آپ میرے ٹیچر ہیں"

"کائنڈلی شوہر مت بنیں۔

اسنے بڑی مشکل سے

اپنے لہجے کو نرم رکھا تھا۔

ماہیر کے لبوں پر

ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

”ہمم…“

وہ دھیرے سے بولا تھا۔

”شوہر تو میں ہوں…“

یہ کہتے ہوئے

وہ اسکی کرسی پر جھکا تھا۔

حیام کی سانس جیسے ایک لمحے کو رک گئی تھی۔

”ک۔۔۔کیا مطلب ہے آپ کا؟“

اسکی دھڑکن بے قابو ہورہی تھی۔

ماہیر کا چہرہ اب

اسکے بہت قریب تھا۔

"...مطلب"

اسکی آواز مدھم ہوئی تھی۔

ابھی میری تیکھی مرچ"

"بہت سی چیزوں سے انجان ہے۔

اسکی نظریں حیام کے چہرے پر ٹھہری تھیں۔

"لیکن انجان تو میں بھی تھا..."

وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"اسی لیے اتنا عرصہ

بیگانوں کی طرح گزار دیا۔"

حیام کے دل کی دھڑکن اب

اسکے اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

"...لیکن کوئی بات نہیں"

ماہیر مزید قریب جھکا تھا۔

"بہت جلد"

"تم میری پناہوں میں ہو گی۔

آپ انتہا کے بدتمیز"

"!اور لوفر انسان ہیں

حیام نے غصے سے کہا تھا۔

"!کی نوکری دے دی professor پتا نہیں کس نے آپکو"

وہ فوراً غصے سے اٹھنے لگی تھی۔

مگر اسی جلدی میں

اسکے لب

ہلکے سے ماہیر کے لبوں سے چھو گئے تھے۔

وقت جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا تھا۔

حیام کی آنکھیں بےاختیار پھیل گئی تھیں۔

اگلے ہی لمحے

وہ شرم سے بری طرح سرخ پڑ گئی تھی۔

”یا اللہ...“

وہ فوراً نظریں جھکاتے

اپنے لبوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔

اسکے دل کی دھڑکن

پاگلوں کی طرح چل رہی تھی۔

جبکہ ماہیر کے لبوں پر

ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

"بس دو دن..."

اسنے دھیمی مگر پُراثر آواز میں کہا تھا۔

"مسز ماہیر خان..."

"بس کچھ دن۔"

حیام نے فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"اسکے بعد..."

ماہیر کی نظریں گہری ہوئی تھیں۔

”تم میری پناہوں میں ہوگی۔“

اسکی آواز میں عجیب سی شدت تھی۔

پھر میں تمہیں“

پیار سے بتاؤں گا

کہ باہر نکلتے وقت

dressing کیسی کی جاتی ہے۔”

یہ کہتے ہوئے

اسنے حیام کا بازو پکڑا تھا۔

اور ایک جھٹکے سے

اسے کھڑا کرلیا تھا۔

حیام کا سانس رک سا گیا تھا۔

ماہیر نے اسکی کمر کے گرد بازو لپیٹتے

اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

اسکا مضبوط وجود

حیام کو پوری طرح اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

ماہیر کی گرم سانسیں

اسکی گردن سے ٹکرا رہی تھیں۔

حیام کے لیے تو جیسے

سب کچھ دھندلا پڑ گیا تھا۔

اسکی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔

سانسیں بے ترتیب تھیں۔

"م۔۔۔ماہیر۔۔۔"

وہ بمشکل بول پائی تھی۔

اسنے خود کو چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

مگر اس باڈی بلڈر جیسے مضبوط انسان پر

اسکی مزاحمت کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

پھر اچانک

ماہیر کی نظر

اسکی نم ہوتی آنکھوں پر پڑی تھی۔

اسکے تاثرات ذرا نرم ہوئے تھے۔

اور اگلے ہی لمحے

اسنے آہستہ سے اسے آزاد کردیا تھا۔

حیام فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

وہ گھبرائے ہوئے انداز میں

اپنی کتابیں اور موبائل سمیٹنے لگی تھی۔

اسکے ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے۔

پھر ایک لمحہ بھی رکے بغیر

وہ تقریباً بھاگتے ہوئے آفس سے نکل گئی تھی۔

دروازہ بند ہونے کی آواز کے بعد

چند لمحے آفس میں مکمل خاموشی رہی تھی۔

پھر ماہیر کے لبوں پر

بےاختیار ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"میری تیکھی مرچ..."

وہ دھیرے سے بڑبڑایا تھا۔

......

حویلی کے اندرونی حصے میں پھیلی خاموشی ہمیشہ کی طرح پُرسکون تھی۔

کھڑکیوں سے آتی شام کی ہلکی سنہری روشنی کمرے میں بکھر رہی تھی۔

ہلکی عود کی خوشبو ماحول کو مزید مانوس بنا رہی تھی۔

بی جان اپنے مخصوص صوفے پر بیٹھی تھیں

جبکہ انکے قدموں کے پاس فرش پر بیٹھے

منت شاہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔

ریڈ کلر کے خوبصورت سوٹ میں ملبوس

وہ آج بے حد حسین لگ رہی تھی۔

اسکے لمبے بال سلیقے سے جوڑے کی شکل میں بندھے تھے

اور چہرے کی نرم دلکشی کو مزید نمایاں کر رہے تھے۔

بی جان نے پیار سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"کیسے روکھے بال ہوگئے ہیں میری دھی کے..."

انکی آواز میں خالص ممتا تھی۔

"نمرہ بچے..."

"ذرا تیل لے آؤ، میں اسکی مالش کرتی ہوں۔

انہوں نے ملازمہ کو آواز دی تھی۔

"بی جان..."

منت نے فوراً لب باہر نکالے تھے۔

"نیچے بیٹھ..."

بی جان نے نرمی سے ڈانٹا تھا۔

”بال دیکھ کتنے روکھے ہوگئے ہیں۔“

منت نے ہلکی سی ناک سکوڑی تھی۔

”فیشن کے چکر میں تم لڑکیاں

اپنا خیال بالکل بھی نہیں رکھتیں۔۔۔“

”ہمم۔۔۔ بی جان بات تو صحیح کی ہے آپ نے“

منت نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

تبھی دروازہ کھلا تھا۔

"ویسے آپکی یہ پوتی

مجھے لگتا ہے کچھ زیادہ ہی فیشن ایبل ہوگئی ہے..."

باسل شاہ کمرے میں داخل ہوتے شرارتی انداز میں بولا تھا۔

منت نے فوراً ایک آنکھ ٹیڑھی کر کے اسے دیکھا تھا۔

"افف بی جان..."

باسل ڈرامائی انداز میں بولا تھا۔

"آپکی پوتی کی قاتل نگاہیں۔۔۔"

"دیکھیں کیسے گھور رہی ہے مجھے..."

وہ شرارت سے آکر بی جان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

بی جان ہلکا سا ہنس دی تھیں۔

"تنگ نہ کر میری پوتی کو..."

پھر اچانک انکے چہرے پر پریشانی ابھری تھی۔

"ایک تو دیکھ..."

"میں اسکی وجہ سے بہت پریشان ہوں..."

انہوں نے منت کے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے کہا تھا۔

"...نہ کچھ ڈھنگ سے کھاتی ہے

اور بال دیکھ رہے ہو اسکے؟

...کیسے اتر رہے ہیں"

باسل کے چہرے پر موجود شرارت لمحے بھر میں غائب ہوئی تھی۔

وہ فوراً سنجیدہ ہوا تھا۔

”بال اتنے زیادہ کیوں اتر رہے ہیں منت؟“

منت کا دل ایک پل کو زور سے دھڑکا تھا۔

”۔۔۔ڈونٹ وری“

اسنے فوراً نظریں چرا کر کہا تھا۔

”۔۔۔ایسے ہی اترتے ہیں“

اسنے ماتھے پر آیا ہلکا پسینہ صاف کیا تھا

اور رخ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

...وہ صرف یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی

اس سے پہلے کہ کسی کو کچھ محسوس ہوجائے۔

...لیکن باسل صرف گھر کا فرد نہیں تھا

وہ ایک ڈاکٹر بھی تھا۔

پانچ سالوں میں یہی سب کچھ تو اسنے پڑھا تھا۔

چہرے کے بدلتے رنگ...

آنکھوں کی تھکن...

اور غیر معمولی خاموشیاں۔

باسل نے خاموشی سے اسکی نظر بچاتے

اسکے جوڑے کے قریب سے چند بال ہاتھ میں لیے تھے۔

اور اگلے ہی لمحے

اسکے ہاتھ میں کئی ٹوٹے ہوئے بال تھے۔

اسکا دل جیسے عجیب سے خدشے میں مبتلا ہوا تھا۔

منت نے فوراً رخ موڑا تھا۔

”بی جان بس کریں...“

اسکی آواز ہلکی سی بھاری ہوئی تھی۔

”مجھے نیند آرہی ہے...“

اصل میں وہ باسل کی نظروں کی تپش سے بچنا چاہتی تھی۔

وہ محسوس کررہی تھی

کہ وہ اسے غور سے دیکھ رہا ہے۔

”...ٹھیک ہے میری جان“

بی جان نے محبت سے اسکے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

”...اب بال دھو لینا“

”...اور کھانا وقت پر کھایا کرو

”...جی“

منت بمشکل مسکرائی تھی۔

پھر جلدی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

لیکن جاتے جاتے بھی

اسکے کچھ بال باسل کی انگلیوں میں رہ گئے تھے۔

وہ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا تھا۔

پھر سیدھا ہوتے ہوئے

واپس بی جان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

چند لمحے وہ خاموش رہا۔

پھر اچانک اسنے بی جان کا ہاتھ پکڑ کر چوما تھا۔

"بی جان...

مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے..."

بی جان نے پیار سے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"بول میرے بچے...

کیا بات منوانی ہے تمہیں؟

"...کیوں نہیں مانوں گی

باسل چند لمحے خاموش رہا تھا۔

پھر آہستہ سے بولا تھا۔

"...میں شادی کرنا چاہتا ہوں"

بی جان کے چہرے پر فوراً مسکراہٹ آگئی تھی۔

“اﺭﮮ ﻭاﮦ...

یہ تو بہت اچھی بات ہے...”

پھر انکے چہرے پر ہلکی اداسی اتر آئی تھی۔

”ہماری اس حویلی میں بھی خوشیاں آئیں گی...“

انہوں نے آہ بھری تھی۔

"شاہ میر نے تو قسم کھا لی ہے

کہ وہ حور کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرے گا..."

"بے شک ساری زندگی اکیلا گزار دے..."

باسل خاموشی سے سنتا رہا تھا۔

"ہمم بی جان..."

وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"میری دعا ہے

کہ میری گڑیا جہاں بھی ہو

بالکل ٹھیک ہو..."

پھر اسنے ایک گہری سانس لی تھی۔

"لیکن بی جان بات یہ ہے..."

وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”میں وہ رشتہ...“

اسکے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

”میں منت سے شادی کرنا چاہتا ہوں...“

”منت؟“

بی جان نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”کیا لگتا ہے تمہیں…

وہ مانے گی؟“

”کیوں نہیں مانے گی بی جان؟“

باسل فوراً بولا تھا۔

”زبردستی کریں…

”...کچھ بھی کریں

اسکی آواز میں عجیب سی ضد تھی۔

”...مجھے اس سے شادی کرنی ہے“

”کیا کمی ہے مجھ میں؟“

”...کمی تو کوئی نہیں“

بی جان نرمی سے بولی تھیں۔

"لیکن مجھے لگتا ہے بچے

وہ تم سے شادی کے لیے نہیں مانے گی..."

"کبھی اسنے تمہارا پوچھا؟

کبھی اسکے لبوں سے تمہارا نام سنا؟"

باسل چند لمحے خاموش رہا تھا۔

پھر دھیرے سے بولا تھا۔

”...جانتا ہوں بی جان“

”...لیکن اسکے پیچھے بھی ایک وجہ ہے“

بی جان فوراً متوجہ ہوئی تھیں۔

"کیا وجہ؟"

باسل نے نظریں جھکا لیں۔

"بس...

غلطی سے میں نے اسکا دل دکھا دیا تھا..."

اسکی آواز میں پہلی بار پچھتاوا واضح تھا۔

”بس اسی وجہ سے ناراض ہے“...

پھر اسنے بی جان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”آپ بات کریں نا“...

آغا جان سے...

تائی جان سے...

تایا ابو سے“...

بی جان نے گہری سانس لی تھی۔

"ہمم..."

"میں بات کروں گی..."

"وہ تو مان جائیں گے..."

"لیکن منت..."

"منت کو میں منا لوں گا..."

باسل نے فوراً کہا تھا۔

"…آپ فکر نہ کریں"

پھر بچگانہ ضد سے بولا تھا۔

"…بس آپ بات کریں"

"مجھے جلدی شادی کرنی ہے…"

بی جان بے اختیار ہنس دی تھیں۔

"اچھا۰۰۰

اب اتنا بھی اتاولے نہ ہو..."

باسل کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

"اب شادی ہوگی

تو صرف منت شاہ سے..."

وہ اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

“بی جان...

آپ نے بس سب کو منا کر مجھے بتانا ہے...”

پھر جھک کر اسنے محبت سے بی جان کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

اور اگلے ہی لمحے

وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔

جبکہ بی جان خاموش نظروں سے
اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

....

حیام خان بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتی حویلی پہنچی تھی۔ یونیورسٹی سے واپس آتے ہوئے جیسے اسکا سارا کانفیڈنس راستے میں ہی کہیں بکھر گیا تھا۔ وہی حیام جو ہر وقت بولتی، ہنستی، شرارتیں کرتی اور پوری حویلی کو سر پر اٹھائے رکھتی تھی، آج غیر معمولی حد تک خاموش تھی۔ اسکے قدم بھی

بھاری لگ رہے تھے اور دل کی دھڑکن اب تک بے ترتیب تھی۔ ماہیر خان کی آواز بار بار اسکے کانوں میں گونج رہی تھی۔

”بس دو دن ... مسز ماہیر خان“

وہ جتنا اس بات کو جھٹکنے کی کوشش کرتی، اتنا ہی وہ الفاظ اسکے ذہن پر حاوی ہو جاتے۔ حویلی کے اندر داخل ہوتے ہی زنیرہ شاہ کی نظر اسکے مرجھائے چہرے پر پڑی تھی۔ وہ فوراً تشویش سے اسکے قریب آئی تھیں۔

”کیا ہوا ہے بچے؟ طبیعت ٹھیک ہے؟“

حیام چونکی تھی۔ چند لمحوں کے لیے اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔ اسکا چہرہ واقعی بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور سانسیں اب تک بے ترتیب چل رہی تھیں۔

"ج۔۔۔جی ممانی جان... بس سر میں درد ہے..." وہ بمشکل بولی تھی۔ "آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جائے گا..."

زنیرہ شاہ نے محبت سے اسکے ماتھے کو چھوا تھا۔ "اچھا، میں چائے اور ٹیبلٹ بھجواتی ہوں۔"

حیام نے بس سر ہلایا اور جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے وہ اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اسنے فوراً دروازہ لاک کیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اسنے اپنا بیگ، دوپٹہ اور موبائل بے ترتیبی سے بیڈ پر پھینک دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔

ک۔۔۔کیا۔۔۔؟ " اسکے لب کانپے تھے۔ "و۔۔۔وہ میرا" "...شوہر...؟ ن۔۔۔نہیں۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہو سکتا

اسکی سانسیں تیز چلنے لگی تھیں۔ دل جیسے سینے سے باہر نکل آنے کو تھا۔ اسنے بے چینی سے آنکھیں بند کیں مگر ماہیر خان کا چہرہ اور اسکی وہ قریب آتی آواز پھر سامنے آ گئی۔

"خان حویلی سے میرا کیا رشتہ ہو سکتا ہے...؟"

وہ نم آنکھوں کے ساتھ بڑبڑائی تھی۔ پھر جیسے اچانک اسکے ذہن میں ایک ایک چیز جڑنے لگی۔

"...حیام خان"

اسنے اپنا نام دہرایا۔ پھر اگلے ہی لمحے آہستہ سے بولی۔

”ماہیر خان...“

اسکی آنکھیں بے اختیار پھیل گئی تھیں۔

”م۔۔میں خان فیملی سے ہوں...؟“

اسکے دل میں جیسے کسی نے زور سے مکا مارا ہو۔ وہ بے اختیار کھڑی ہوئی تھی۔ ہاتھوں میں پہنی چوڑیاں غصے اور بے چینی میں اتار کر دور پھینک دی تھیں۔

"ماما" اسکی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ "... میں نے کبھی پوچھا ہی نہیں نے کہا بابا برے تھے... میرے وجود سے نفرت کرتے تھے...اور میں نے مان لیا..."

اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”...یہ تو کبھی پوچھا ہی نہیں کہ میرے بابا کون ہیں“

اسکا جسم بخار کی طرح تپ رہا تھا۔ ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اچانک اسکی پوری زندگی اسکے سامنے بدل رہی ہو۔

نہیں ”... وہ فوراً بولی تھی۔“وہ کھڑوس انسان میرا شوہر نہیں ہو“ سکتا...”

اسنے غصے سے آنسو صاف کیے تھے۔

“ان حویلیوں کی روایتوں کو میں نہیں مانتی۔۔۔ ہوش و حواس میں تو بندہ نکاح کرے...”

وہ خود سے بحث کر رہی تھی، جیسے اپنے ہی دل کو سمجھانے کی کوشش کر رہی ہو۔

“میں اپنی مرضی سے شادی کروں گی۔۔۔ اپنے پسند کے لڑکے سے...”

پھر اچانک اسکے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

"...کی طرح hero ہو ...ناول کے romantic جو"

فل رومینٹک

اسنے منہ بنایا تھا۔

"...essay ...lecture ...وہ تو ہر وقت پڑھائی... پڑھائی"

کرتا رہتا ہے

"...Miss Hayaam... learn your essay

وہ ماہیر کی نقل اتارتے ہوئے بولی تھی۔

"

پھر غصے سے تکیہ اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا تھا۔

"...کتابی کیڑا کہیں کا"

مگر اگلے ہی لمحے اسکی آنکھیں پھر نم ہوگئی تھیں۔

اگر جیسا میں سوچ رہی ہوں ویسا کچھ ہوا نا... تو طلاق لے کر ہی رہوں
گی...“

وہ ضد سے بولی تھی، مگر اسکی آواز میں چھپا خوف واضح تھا۔

کچھ لمحے وہ خاموش کھڑی رہی، پھر تھکے ہوئے انداز میں اپنے بال ایک
طرف کرتے wardrobe کی طرف بڑھی تھی۔ سر کا درد اب مزید
بڑھ رہا تھا۔ اسنے کپڑے نکالے اور شاور لینے کے لیے آگے بڑھی۔ مگر

اسے کیا پتا تھا کہ زندگی اب اسے ایسے موڑ دکھانے والی تھی جہاں سے واپسی آسان نہیں ہوگی۔

آج جنید مرزا کی وفات کو پورا ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔

مگر حوریب مرزا کے لیے وقت جیسے وہیں رک گیا تھا۔

پرتگال کے اس وسیع اور پُرسکون ولا میں
اب صرف خاموشی رہ گئی تھی۔

...ایسی خاموشی

جو انسان کے دل پر بوجھ بننے لگتی ہے۔

اوپر والے فلور کے کمرے میں

حوریب بے جان سی بیڈ پر لیٹی تھی۔

کھلی کھڑکیوں سے آتی ٹھنڈی ہوا

بار بار پردوں کو ہلا رہی تھی

مگر اسے جیسے کسی چیز کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔

وہ بس چھت کو گھورتی رہتی۔

...گھنٹوں

بے حس انداز میں۔

اسکی براؤن آنکھوں کے گرد

سیاہ حلقے نمایاں ہو چکے تھے۔

چہرے کی تازگی کہیں کھو گئی تھی۔

جنید مرزا کے آفس سے مسلسل کالز آ رہی تھیں۔

موبائل بار بار بجتا۔

پھر خاموش ہو جاتا۔

مگر وہ اس حالت میں نہیں تھی

کہ کسی کی آواز سن سکے۔

ملازمہ تین وقت کا کھانا

خاموشی سے اسکے کمرے میں رکھ جاتی تھی۔

لیکن حوریب مشکل سے

ایک وقت چند نوالے کھا پاتی تھی۔

آج بھی وہ تکیے میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔

تبھی اسکے ذہن میں

اپنی دوست ایما کی آواز گونجی تھی۔

...حوریب"

ہمت کرو میری جان۔

اگر تم یوں ہار جاؤ گی نا

تو لوگ تمہیں نوچ کر کھا جائیں گے۔

تمہیں پھر سے پہلی والی حوریب مرزا بننا ہوگا..."

حوریب نے آنکھیں زور سے بند کی تھیں۔

وہ جانتی تھی

ایما غلط نہیں کہہ رہی۔

وہ کب تک یوں ٹوٹ کر پڑی رہتی؟

بڑی مشکل سے

اسنے خود کو سنبھالا تھا۔

کمزور قدموں کے ساتھ

وہ بیڈ سے اٹھی تھی۔

اسکی نظریں دراز کی طرف اٹھیں۔

جہاں جنید مرزا کی وہ ڈائری رکھی تھی

جو انہوں نے آخری سانسوں میں اسے دی تھی۔

حوریب کے ہاتھ کانپ رہے تھے

جب اسنے آہستہ سے ڈائری اٹھائی تھی۔

پہلا صفحہ کھولا تو

اسکی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

صفحے پر خوبصورت لکھائی میں لکھا تھا۔

”جنید مرزا ❤️ ثمرہ مرزا“

دل کے نشان کے اندر دونوں کے نام لکھے تھے۔

حوریب کے لبوں پر

ہلکی سی لرزتی مسکراہٹ آئی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ صفحات پلٹنے لگی۔

—ایک صفحے پر لکھا تھا

"آج مجھے پتا چلا

کہ میری جان سے پیاری بیوی

کبھی ماں نہیں بن سکتی..."

حوریب کی سانس دھیمی ہوگئی تھی۔

"لیکن مجھے اسکا حوصلہ بننا ہے۔

میرے لیے وہی سب کچھ ہے۔

اگر اللہ نے مجھے اتنی پیار کرنے والی بیوی دی ہے

تو یقیناً آگے بھی کوئی وسیلہ بنائے گا..."

حوریب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

وہ مزید پڑھنے لگی۔

ثمرہ کی خواہش تھی"

کہ وہ پاکستان کے ایک ایک علاقے کی سیر کرے۔

اسی لیے ہم پاکستان آئے تھے۔

"...پرسوں ہماری واپسی تھی

حوریب خاموشی سے پڑھتی رہی۔

"ہم واپس جا رہے تھے

کہ اچانک ہماری گاڑی سے

ایک آدمی ٹکرایا..."

اسکی انگلیاں بےاختیار کانپ گئی تھیں۔

اسکے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی بچی تھی۔"

میں فوراً گاڑی سے باہر نکلا۔

حیرت کی بات یہ تھی

"...کہ بچی کو ایک خراش تک نہیں آئی تھی

"لیکن وہ آدمی

زندگی اور موت کے درمیان لڑ رہا تھا..."

حوریب کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

‘ص۔۔۔صاحب...

’...ا۔۔۔اس بچی کو آپ پال لیں

...ی۔۔۔یہ میری بچی نہیں ہے'

...میں نے ...اسے بدلہ لینے کے لیے چرایا تھا

'...لیکن آپ ...اسکی اچھی پرورش کر سکتے ہیں

حوریب کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے تھے۔

"...میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا"

لیکن اگلے ہی لمحے"

"...اس شخص نے دم توڑ دیا

کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

حوریب کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

وہ آگے پڑھنے لگی۔

ثمرہ نے فوراً اس بچی کو اٹھا لیا تھا۔“

وہ ننھی سی جان

مسکرا رہی تھی۔

کبھی ثمرہ کے بال پکڑتی

"...تو کبھی اسکے چہرے کو چھوتی

وہ ماما بولتی۔۔تو کبھی میر۔۔۔

"...اور ثمرہ"

“وہ اس بچی کو ایسے سینے سے لگائے بیٹھی تھی

جیسے وہ اسی کی بیٹی ہو...”

حوریب کی ہچکی بندھی تھی۔

میں نے 1122 پر کال کی"

"...اور اس آدمی کی لاش انکے حوالے کردی

لیکن واپسی کے پورے راستے“

”...ثمرہ اس بچی کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی رہی

...جنید‘

...دیکھنا

’...یہ اب ہماری بیٹی ہوگی

حوریب کے آنسو ڈائری پر گرنے لگے تھے۔

”ہم اسے پرتگال لے آئے...“

—اور ثمرہ نے اسکا نام رکھا"

"حوریب مرزا..."

حوریب کے لب کانپے تھے۔

پھر وہ ہماری زندگی کی جان بن گئی۔"

ہمارے گھر کی رونق۔

ہماری ہر دعا..."

... ثمرہ تو اسے ایک لمحے کے لیے بھی خود سے دور نہیں کرتی تھی"

"

”...لیکن شاید خوشیاں ہمیشہ نہیں رہتیں“

حوریب کے ہاتھ کانپ گئے تھے۔

"حوریب صرف دس سال کی تھی"

"...جب ثمرہ ہمیں چھوڑ گئی"

"اس دن کے بعد"

"...میں نے ماں اور باپ دونوں بننے کی کوشش کی

حوریب اب بری طرح رو رہی تھی۔

اسنے اگلا صفحہ پلٹا تھا۔

وہاں صرف ایک مہینہ پرانی تاریخ درج تھی۔

آج اخبار میں“

”...مجھے حوریب کے بچپن کی تصویر نظر آئی

”...میرا دل عجیب طرح سے دھڑکا“

”...کتنا ترسے ہوں گے اسکے اصل ماں باپ“

”...میں نے فوراً اپنے ذرائع استعمال کیے“

اور پھر“

”...آخرکار میں اسکے خاندان تک پہنچ گیا

حوریب کے ہاتھ لرز گئے تھے۔

اسکی نظریں فوراً نیچے درج ایڈریس پر گئیں۔

"سردار میر شاہ"

نیچے ایک نمبر بھی لکھا تھا۔

حوریب کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی۔

اسنے جلدی سے اگلا صفحہ کھولا۔

”...میری بچی“

”...ہمیں معاف کردینا“

”...شاید ہم تھوڑے خودغرض ہوگئے تھے“

"ہم نے تمہیں"

"...تمہارے اپنوں سے دور رکھا"

"...لیکن اپنے اس باپ کو معاف کردینا"

"مجھے بھی کچھ دن پہلے ہی پتا چلا"

"...کہ تم کہاں کی ہو"

"...میری جان"

”...اپنے آپ کو اکیلا مت چھوڑنا

”...پاکستان ضرور جانا“

تم اس حویلی کی منگ ہو ۔۔۔تم ایک مضبوط رشتے میں بندھ چکی ہو ایک حسین رشتہ

اگر لڑکا اچھا ہوا تو میری جان رشتہ ضرور نبھانا ۔۔۔اپنے ذرائع سے کچھ زیادہ تو نہیں پتا چلا سکا بس اتنی ہی معلومات ہیں

منگ۔۔۔و۔۔وہ کیا ہوتا ہے۔۔۔مضبوط رشتہ حسین رشتہ

م۔۔مطلب ن۔۔نکاح۔۔۔

نہیں میں چار سال کی تھی ۔ بس۔۔وہ کیسے

شاید انگیجمنٹ ہو گی ۔۔ وہ خود ہی بڑا رہی تھی

پھر ایک صحفہ پلٹا

"...وہ سب آج بھی تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں"

حوریب نے کانپتے ہاتھوں سے ڈائری بند کردی تھی۔

اور اگلے ہی لمحے

اسکا ضبط مکمل ٹوٹ گیا تھا۔

وہ بیڈ پر بیٹھے بیٹھے

زار و قطار رونے لگی تھی۔

...ایسا رونا

جس میں برسوں کا درد شامل تھا۔

وہ اکیلی تھی۔

اسکے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں تھا۔

اسے گلے لگانے والا کوئی نہیں تھا۔

پورے گھر میں

صرف اسکی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

....

ماہیر خان کی حویلی ہمیشہ کی طرح پُروقار خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

وسیع ڈرائنگ روم کی دیواروں پر لگی قدیم تصویریں

ماضی کی کئی کہانیوں کی گواہ لگ رہی تھیں۔

بھاری فانوس کی روشنی پورے ہال میں پھیل رہی تھی

جبکہ باہر شام آہستہ آہستہ رات میں بدل رہی تھی۔

اعزر خان صوفے پر بیٹھے

اپنے ہاتھوں میں کچھ فائلز تھامے ہوئے تھے۔

انکے چہرے پر ہمیشہ والی سنجیدگی موجود تھی۔

دوسری طرف شاہین خاموشی سے بیٹھی

ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھیں
مگر انکی سوچ کہیں اور بھٹک رہی تھی۔

تبھی ماہیر خان اندر داخل ہوا تھا۔

بلیک شرٹ کے اوپر لائٹ گرے کوٹ
اور چہرے پر وہی پُراعتماد سنجیدگی۔

وہ سیدھا آ کر انکے سامنے بیٹھا تھا۔

”بابا… ماما“

اسکی آواز سنجیدہ تھی۔

”ہم کل شاہ حویلی جا رہے ہیں۔“

اعزر خان کے ہاتھوں میں موجود فائلیں
وہیں رک گئی تھیں۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔

شاہین نے آہستہ سے

اپنے بیٹے کی طرف دیکھا تھا۔

انکی آنکھوں میں حیرت بھی تھی

اور ایک پرانا خوف بھی۔

جیسے برسوں پرانی دفن کہانی

پھر زندہ ہونے جا رہی ہو۔

"...ایسی کیا ضرورت پڑ گئی"

شاہین کی آواز سرد تھی۔

"کہ ہم دشمنوں کی حویلی جانے لگے؟"

تم چاہتے ہو کہ دشمنوں کی بیٹی کو اپنی بہو بناؤں

"دشمن؟"

ماہیر نے فوراً سوالیہ انداز میں دہرایا تھا۔

پھر وہ ہلکا سا سیدھا ہوا۔

”وہ ہمارے دشمن نہیں ہیں بابا…“

اسکی آواز مضبوط تھی۔

”غلطی اسد چاچو کی تھی…“

انہوں نے نزمین چچی کو دھوکا دیا تھا۔“

”اس میں باقی لوگوں کا کیا قصور؟

اعزر خان خاموشی سے اپنے بیٹے کو دیکھتے رہے تھے۔

ماہیر نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

”...اور دوسری بات“

اسکے لبوں پر ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ آئی تھی۔

”...آپکے دشمن ہوسکتے ہیں وہ لوگ“

میرے نہیں۔“

میری تو اکثر شاہ میر سے

”کئی معاملات میں ملاقات رہتی ہے۔

شاہین نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

ماہیر اب مکمل سنجیدہ ہوگیا تھا۔

”...ویسے بھی“

وہ آہستہ سے بولا۔

”...ابھی مجھے اپنے ذرائع سے پتا چلا ہے“

وہ چند لمحے رکا تھا۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔

تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔

آپ کے تعاون کا شکریہ۔

پھر سیدھی نظر اپنی ماں پر ڈالی تھی۔

”میری تو وہاں رشتے داری نکلتی ہے۔“

اعزر خان کی نظریں فوراً اس پر جم گئی تھیں۔

”۔۔۔میری بیوی ہے شاہ حویلی میں“

کمرے کی فضا جیسے ایک لمحے میں بدل گئی تھی۔

شاہین کے چہرے پر سختی آگئی تھی۔

"اوہ۔۔۔"

وہ لفظ چبا کر بولی تھیں۔

"تو تمہیں پتا لگ ہی گیا؟"

انکی آواز میں طنز نمایاں تھا۔

"اچھی بات ہے..."

وہ سرد لہجے میں بولیں۔

طلاق دے کر فارغ کرو ویسے ۔“

”۔۔۔بیوی نہیں ہے وہ تمہاری

انہوں نے زور دے کر کہا۔

”منکوحہ ہے صرف۔“

ماہیر چند لمحے خاموش رہا تھا۔

پھر اسکے لبوں پر

انتہائی ہلکی مگر خطرناک مسکراہٹ آئی تھی۔

تو بیوی بنتے دیر ہی کتنی لگتی ہے بابا۔۔وہ اپنے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا بولا۔

شاہین دیکھ لو اپنے بیٹے کو بتا دو اسے ہم نہیں جا رہے۔۔اعزر خان غرائے تھے۔

”اوہ۔۔۔“

وہ آہستہ سے بولا۔

”تو آپ نہیں جا رہیں؟“

اسنے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی تھی۔

”چلیں۔۔۔ کوئی بات نہیں۔“

اسکی آواز اب پہلے سے زیادہ پرسکون تھی۔

اور یہی سکون خطرناک لگ رہا تھا۔

”میں خود ہی...“

”اسے اس حویلی کی دلہن بنا کر لے آؤں گا۔“

”ماہیر!“

شاہین فوراً بولی تھیں۔

”تمہارے چچا کیا سوچیں گے؟“

”تمہیں ایک بات سمجھ نہیں آتی؟

”...جو سوچنا ہے سوچیں“

ماہیر نے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔

پھر اچانک اسکے لہجے میں سختی آئی تھی۔

”اس بچاری کا کیا قصور تھا؟“

جس نے باپ کے ہوتے ہوئے بھی"

"...بغیر باپ کے زندگی گزاری

شاہین خاموش ہوگئی تھیں۔

ماہیر کی آنکھوں میں اب ضد واضح تھی۔

"...وہ دلہن صرف میری بنے گی"

اسکی آواز پورے ہال میں گونجی تھی۔

"سنا آپ سب نے؟"

وہ اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"...میں خود لے کر آؤں گا اسے"

پھر اسنے ہاتھ میں پکڑی فائل

زور سے ٹیبل پر رکھی تھی۔

”یہ میرا وعدہ ہے۔“

اسکے چہرے پر عجیب سی شدت تھی۔

وہ غصے سے مڑتا

لمبے قدموں سے وہاں سے نکل گیا تھا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

اعزر خان نے ایک گہری سانس لی تھی۔

پھر خاموشی سے

غصے میں بیٹھی اپنی بیوی کی طرف دیکھا تھا۔

لیکن وہ اپنے بیٹے کو جانتے تھے۔

ماہیر خان

جو بات زبان سے نکال دیتا تھا

وہ کر کے دکھاتا بھی تھا۔۔

اسلام آباد کے بلیو ایریا میں واقع ‘‘ملک گروپ آف انڈسٹریز ’’کی ٹاپ فلور بلڈنگ رات کے اندھیرے میں بھی کسی خوفناک سلطنت کا منظر پیش کر رہی تھی۔

باہر بارش ہو رہی تھی۔

شیشے کی دیواروں پر گرتے قطرے ماحول کو مزید سرد بنا رہے تھے۔

وسیع کانفرنس روم کی بڑی اسکرین پر ایک تصویر رکی ہوئی تھی۔

وہ کسی پنچایت یا ہائی لیول بزنس میٹنگ کا منظر تھا۔

لمبی ٹیبل کے درمیان سردار میر شاہ بیٹھا تھا۔

چہرے پر وہی رعب...

وہی خاموش غرور۔

اسکے ارد گرد بیٹھے تمام ممبرز جیسے اسکی موجودگی کے آگے دبے ہوئے لگ رہے تھے۔

فہد ملک کرسی پر بیٹھا خاموشی سے تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

اسکی انگلیاں گلاس کے کنارے پر ہلکے ہلکے بج رہی تھیں۔

پورے کمرے میں عجیب سا دباؤ پھیلا ہوا تھا۔

"سردار میر شاہ..."

وہ آخرکار دھیمی آواز میں بولا تھا۔

اسکی نظریں اب بھی اسکرین پر تھیں۔

"ہر جگہ صرف یہی نام..."

سامنے کھڑے آدمی خاموش تھے۔

فہد آہستہ سے اٹھا اور اسکرین کے قریب جا کھڑا ہوا۔

”بہت طاقتور سمجھتا ہے خود کو...“

اسکے لبوں پر ہلکی سی خطرناک مسکراہٹ آئی۔

”لیکن ہر طاقتور انسان کی ایک کمزوری ضرور ہوتی ہے...“

اس نے گردن موڑ کر اپنے آدمیوں کو دیکھا۔

”...اور مجھے“

وہ سرد لہجے میں بولا۔

”۔۔۔اسکی وہی کمزوری چاہیے“

”۔۔۔باس۔۔۔ ابھی تک ہمیں اسکی کوئی خاص ویکنیس نہیں ملی“

ایک آدمی نے فوراً جواب دیا۔

فہد کی آنکھیں سکڑی تھیں۔

”تو ڈھونڈو...“

اسکی آواز پہلے سے زیادہ خطرناک ہوئی تھی۔

”اس پر نظر رکھو...“

وہ آہستہ آہستہ چلتے بولا۔

”...وہ کہاں جاتا ہے ... کس سے ملتا ہے ... کس پر بھروسہ کرتا ہے“

اس نے ٹیبل پر ہاتھ مارا تھا۔

”...مجھے سب پتا ہونا چاہیے“

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

”...کوئی نہ کوئی تو ہوگا“

وہ طنزیہ ہنسا۔

”...جسے کھونے سے سردار میر شاہ ٹوٹ جائے“

اس نے ایک آخری نظر اسکرین پر ڈالی۔

”...چھوڑوں گا نہیں اسے“

وہ سرد لہجے میں بولا۔

"...ایسا وار کروں گا"

اسکی آنکھوں میں خطرناک چمک ابھری تھی۔

"...کہ زندگی بھر یاد رکھے گا"

حوریب مرزا کی زندگی پچھلے ایک ہفتے سے کسی مشین کی طرح چل رہی تھی۔ نہ دن کا احساس رہتا تھا نہ رات کا۔ وہ بس خاموشی سے ایک کام ختم کرتی اور دوسرے میں لگ جاتی۔ جنید مرزا کی وفات کے بعد جیسے اسکے اندر کی ساری نرمیاں کہیں دب گئی تھیں۔ آنکھوں میں اب بھی درد موجود تھا مگر آنسو شاید تھک چکے تھے۔ اس پورے ہفتے میں اسنے خود کو

سنبھالتے ہوئے جنید مرزا کا سارا بزنس پاکستان میں سیٹل کروایا تھا۔ میٹنگز، لیگل پیپرز، پراپرٹی ٹرانسفر، کمپنی کے معاملات ...وہ سب کچھ کر رہی تھی جس کے بارے میں کبھی اسنے سوچا بھی نہیں تھا۔ کئی لوگوں نے اسے کمزور سمجھ کر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ کسی نے ہمدردی کے پردے میں بزنس خریدنے کی آفر دی، کسی نے اسے اکیلی لڑکی سمجھ کر دبانے کی کوشش کی، مگر وہ خاموشی سے سب سن کر اپنا فیصلہ سنا دیتی تھی۔ اسے صرف ایک بات یاد تھی... فریحہ کی آواز۔

”...اگر تم ہار گئی نا حوریب... تو لوگ تمہیں کھا جائیں گے“

شاید یہی وجہ تھی کہ وہ خود کو مضبوط بنائے ہوئے تھی۔ وہ جلد از جلد اس خاموش، سنسان ولا سے نکل جانا چاہتی تھی۔ ہر دیوار، ہر کمرہ، ہر چیز اسے جنید مرزا کی یاد دلاتی تھی۔ اس گھر کی خاموشی اب اسے کاٹنے لگی تھی۔ مگر اس سب کے درمیان اسکے دل میں ایک نیا احساس بھی جنم لے رہا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی۔۔۔ اور ساتھ ہی انجانی خوشی۔ پہلی بار وہ سوچ رہی تھی کہ شاید اس دنیا میں اسکے اپنے لوگ بھی موجود ہیں۔ اسکی ماں ...اسکا باپ ...شاید بہن بھائی بھی۔ یہ خیال آتے ہی اسکے دل میں عجیب سی نمی اترتی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ جنید مرزا سے جدائی کا دکھ اسے اندر سے توڑ بھی دیتا تھا۔ آخر وہی تو اسکی پوری دنیا تھے۔

وہ بے دلی سے اپنے کمرے میں پیکنگ کر رہی تھی۔ کھلا ہوا بڑا سا سوٹ کیس بیڈ پر رکھا تھا جبکہ کمرے میں جگہ جگہ بکھرا سامان اسکی الجھی ہوئی زندگی کا عکس لگ رہا تھا۔ ان دو ہفتوں میں اسنے زندگی کے وہ رخ دیکھے تھے جن سے وہ ہمیشہ دور رہی تھی۔ کبھی کسی وکیل کی سخت زبان، کبھی ،کسی بزنس مین کی چالاکی، کبھی تنہائی کا خوف۔ وہ ہر چیز سے لڑتی رہی تھی صرف اس امید میں کہ اب اسے پاکستان جانا ہے۔ اپنے اصل لوگوں کے پاس۔

کپڑے فولڈ کرتے کرتے وہ چند لمحوں کے لیے رکی تھی۔ اسکی نظریں آہستہ سے پورے کمرے پر گھومیں۔ یہی تو اسکی دنیا تھی۔ یہی کمرہ جہاں وہ

ہنستی تھی، جنید مرزا کے ساتھ کافی پیتی تھی، راتوں کو مووی دیکھتے ہوئے سو جاتی تھی۔ اسکی آنکھیں ایک پل کو نم ہوئیں مگر اسنے فوراً خود کو سنبھال لیا۔

دل میں خوف بھی تھا۔ بہت زیادہ خوف۔ وہ لوگ کیسے ہوں گے؟ کیا وہ اسے پہچانیں گے؟ کیا واقعی وہ اسے چاہتے ہوں گے؟ یا صرف ایک ذمہ داری سمجھیں گے؟ پھر اچانک اسے وہ اخبار یاد آیا جس میں اسکی بچپن کی تصویر کے ساتھ گمشدگی کا اشتہار تھا۔ اگر وہ لوگ ڈھونڈ رہے تھے...تو شاید وہ واقعی اسکے اپنے تھے۔

ویسے یہ سردار میر شاہ کون ہوگا...؟" وہ آہستہ سے خود سے بولی"
تھی۔ "میرا بھائی...؟ یا باپ...؟

اسکے لبوں پر ہلکی سی الجھی ہوئی مسکراہٹ آئی تھی۔

وہ وارڈروب کی طرف بڑھی اور دروازہ کھولا۔ اندر ہر طرف ویسٹرن ڈریسز ہی لٹکی ہوئی تھیں۔ اسنے کئی ڈریسز کو دیکھتے ہوئے کوئی مشرقی لباس ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر کچھ نہیں ملا۔ آخرکار اسنے ایک لمبی سی فراک نکالی مگر سلیوز لیس بازو دیکھ کر دوبارہ رکھ دی۔

پاکستان جا رہی ہوں... تھوڑا ڈیسنٹ تو لگنا چاہیے ”... وہ خود سے“
بڑبڑائی تھی۔

کچھ دیر بعد اسکی نظر ایک بلیک کلر کی شارٹ فراک پر گئی جس کے ساتھ لوز بلیک ٹراؤزر تھا۔ فراک کے سلیوز ہاف فلیئر اسٹائل میں تھے۔ اسنے وہ ڈریس نکال لی۔ میچنگ اسٹولر ڈھونڈنے کی کافی کوشش کی مگر نہ ملا تو آخرکار اسنے ریڈ کلر کا سافٹ اسٹولر نکال لیا۔

کپڑے لے کر وہ شاور لینے چلی گئی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو چند لمحوں کے لیے خود بھی آئینے کے سامنے رک گئی۔ بلیک کلر کی فراک اسکی فیئر سکن پر بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ ریڈ اسٹولر اسکے کندھے سے نرمی سے لپٹا ہوا تھا۔ ہیزل براؤن آنکھوں پر ہلکا سا اسٹائلش چشمہ، سفید مومی ہاتھ میں سلور واچ اور کندھوں تک آتے اسٹائلش کٹنگ بال...وہ کسی خواب جیسی لگ رہی تھی۔

وہ چند لمحے خود کو خاموشی سے دیکھتی رہی۔

پھر آہستہ سے اسکے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

واقعی...

وہ کسی اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

______

شام ڈھل رہی تھی۔

آسمان پر نارنجی اور ہلکے سنہری رنگ بکھرے ہوئے تھے جبکہ حویلی کا وسیع لان ہلکی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ ایک عجیب سا سکون دے رہا تھا۔

درختوں پر بیٹھے پرندے واپس اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ رہے تھے اور انکی آوازیں ماحول کو مزید خوبصورت بنا رہی تھیں۔

منت خاموشی سے لان میں رکھی سفید کرسی پر بیٹھی تھی۔ اسکی نم آنکھیں سامنے درختوں پر بیٹھی چڑیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ دل عجیب سا بوجھل تھا۔

”کاش۔۔۔“

اسنے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

”میں بھی ان پرندوں کی طرح آزاد ہوتی۔۔۔“

"بے فکر ...بے درد

اسنے اپنے دکھتے سر کو ہلکا سا دبایا تھا۔ شام کے وقت فطرت کا حسن ہمیشہ اسے سکون دیتا تھا، مگر آج اسکے اندر کا شور کسی صورت خاموش نہیں ہو رہا تھا۔

تبھی قریب پڑی کرسی کھینچے جانے کی آواز آئی تھی۔

منت نے چونک کر سر موڑا۔

باسل شاہ اسکے برابر میں کرسی رکھ کر بیٹھا تھا۔ چیک والی ریڈ اور وائٹ شرٹ میں ملبوس، اور آنکھوں میں ہمیشہ والی شرارت لیے وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔

”کدھر کھوئی ہیں مائی ہارٹ بیٹ۔۔۔؟“

اسکے لہجے میں نرمی بھی تھی اور شرارت بھی۔

منت نے فوراً ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

”آپ اپنے بےشرموں والے نام اپنے پاس رکھیں“

اسنے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

باسل نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

”افف۔۔۔ آپ کا یوں دیکھنا منت“

وہ اسکے غصے سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

”...قسم سے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں“

”...ایک منٹ“

منت جھنجھلا کر بولی تھی۔

”آپ مجھے صاف صاف بتا دیں آپ چاہتے کیا ہیں؟“

اسکی آواز میں غصہ تھا مگر اندر کہیں گھبراہٹ بھی تھی۔

آپ کو اپنی دلہن بنانا

خواب ہی رہ جائے گا

یہاں بیٹھ کر فلرٹ کرنے سے بہتر ہے کسی اور لڑکی سے جا کر ایسی"

باتیں کریں ..."

وہ تلخی سے بولی تھی۔

وہ تو ہم دونوں مل کر ایک بستر میں لیٹ کر ایک دوسرے کے سینے میں چہرہ چھپا کر دیکھیں گے وہ بے شرمی سے بولتا اسکی گال سرخ کر گیا۔

”نفرت کرتی ہوں میں آپ سے ...سنا آپ نے؟“

باسل چند لمحے خاموش اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اسکے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

”...جھوٹ“

وہ آہستہ سے بولا۔

"...محبت کرتی ہیں آپ مجھ سے"

اسنے آگے بڑھ کر اسکے برف جیسے ٹھنڈے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

منت کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔

”۔۔۔ن۔۔۔نہیں“

وہ مشکل سے بولی تھی۔

”۔۔۔غلط فہمی ہے آپکی“

اسکی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

, ”۔۔۔محبت کرتی تھی“

باسل کی مسکراہٹ دھیمی پڑی تھی۔

منت کی آواز کانپی تھی۔

"ایکچولی۔۔۔ آپ نے مجھے ایسے آسمان سے اٹھا کر زمین پر پھینکا تھا کہ میری آنکھیں کھل گئی تھیں۔۔۔"

اسنے اپنی نم پلکیں جھکائی تھیں۔

”مجھے اپنا وجود تک زہر لگنے لگا تھا...“

وہ اچانک کھڑی ہوئی تھی۔ اسکی آواز میں درد واضح تھا۔

باسل نے بھی فوراً اٹھتے ہوئے ایک گہری سانس لی تھی۔

”ہاں...“

اسکی آواز پہلے سے سنجیدہ ہوئی تھی۔

”...مانتا ہوں غلط کیا تھا میں نے“

اسکی نظریں مسلسل منت کے چہرے پر تھیں۔

”...لیکن محبت کرنے لگا ہوں آپ سے، منت ایسے مت کریں“

وہ چند قدم اسکے قریب آیا تھا۔

”...میں نے بھی تو یہی کہا تھا نا کبھی“

منت کی آنکھیں پھر بھیگ گئی تھیں

”...تب آپکو میں اپنے اسٹینڈرڈ کی نہیں لگتی تھی“

اسکی آواز ٹوٹ گئی تھی۔

”اب کیوں...؟“

باسل کچھ لمحے خاموش رہا تھا۔ جیسے خود اپنے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

”منت۔۔۔“

اسنے نرمی سے کہا تھا۔

”بھول جائیں نا سب...“

وہ اسکے قریب آیا تھا۔

"آپ محبت کرتی ہیں مجھ سے..."

اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ آپ بھی جانتی ہیں..." باسل نے بازو سے پکڑتے اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

منت کے جسم میں سرسری سی دوڑی تھی۔

دل کی دھڑکن اتنی تیز ہوئی تھی جیسے ابھی باہر آجائے گی۔ باسل کی مضبوط بانہوں کا حصار اور اسکی سانسوں کی گرمائش منت کو کمزور کر رہی تھی۔

اسکی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

”چ۔۔۔چھوڑیں مجھے باسل شاہ“

وہ دھیمی کانپتی آواز میں بولی تھی۔

"...جان لے لوں گی آپکی"

باسل ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"...اف... مائی ہارٹ بیٹ"

اسنے اپنا ماتھا اسکے ماتھے سے لگایا تھا۔

”ایسی کئی جانیں قربان آپ پر میر جان“

منت کی سانسیں بری طرح الجھ رہی تھیں۔ مگر اگلے ہی لمحے جیسے اسے ہوش آیا تھا۔

”اپنی limits میں رہیں باسل شاہ۔۔۔“

اسنے اسے زور سے دھکا دیا تھا۔

اور اگلے ہی پل ایک زوردار تھپڑ باسل کے گال پر پڑا تھا۔

فضا ایک لمحے کو ساکت ہوئی تھی۔

مگر باسل...

وہ پھر بھی مسکرا رہا تھا۔

اسکی نظریں صرف منت کے کانپتے وجود پر تھیں۔

منت کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ خود نہیں سمجھ پارہی تھی کہ آخر کیوں اس انسان کی قربت اب بھی اسکے دل کو کمزور کر دیتی ہے۔

باسل نے دھیرے سے اسکے قریب آ کر اسکا ہاتھ تھاما تھا۔

"منت شاہ..."

اسکی آواز حد سے زیادہ نرم تھی۔

”...آپ ہی میری دلہن بنیں گی“

اسنے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”...یہ بات جان لیں آپ“

منت کا دل دھڑکا تھا۔

باسل کے لبوں پر ہلکی سی پراسرار مسکراہٹ آئی تھی۔

"...اور جو آپ سب سے چھپا رہی ہیں نا"

منت فوراً چونکی تھی۔

"...پھر ڈاکٹر باسل شاہ"

اسنے دھیرے سے اسکے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا تھا۔

"اپنی بیوی کو خود چیک اپ کرے گا...

کہ آخر مسئلہ کیا ہے..."

منت جیسے ساکت رہ گئی تھی۔

باسل مسکراتا ہوا وہاں سے دور چلا گیا تھا جبکہ منت ٹھنڈے وجود کے ساتھ وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

اسنے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"آخر کیوں۔۔۔؟"

اسکے دل میں بے چینی بڑھی تھی۔

"یہ انسان میرے پیچھے کیوں پڑا ہے...؟"

اور اسے کیسے پتا چلا...

"کہ میں کچھ چھپا رہی ہوں...؟

میر شاہ کا آفس ہمیشہ کی طرح پُر وقار اور خاموش تھا، مگر آج اس خاموشی میں ایک عجیب سا بوجھ شامل تھا۔ دیوار پر لگی بڑی شیشے کی ونڈو سے شام کی مدھم روشنی اندر آ رہی تھی جبکہ پورے کمرے میں فائلوں، لیپ ٹاپس اور مسلسل چلتی میٹنگز کی تھکن بکھری ہوئی تھی۔ مگر ان سب کے درمیان میر شاہ کی شخصیت آج غیر معمولی حد تک ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھی۔

وہ اپنی کرسی پر بیٹھا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر سامنے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں کے نیچے ہلکے نمایاں تھے اور چہرے کی سختی کے پیچھے چھپا درد صاف محسوس ہو رہا تھا۔ سامنے بیٹھا بازل آفریدی مسلسل اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر میر کی بےچین نظریں جیسے کسی اور ہی دنیا میں گم تھیں۔

"پورے سوشل میڈیا پر..." میر کی بھاری آواز کمرے میں گونجی تھی۔

"...پورے اخبارات ... تمام ذرائع ...سب جگہ اشتہار دے دو"

وہ بولتے ہوئے سیدھا ہوا تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی ضد اور درد اکٹھا جھلک رہا تھا۔

”سب سے فینس لوگوں کو بائے کرو ...جتنا پیسہ لگتا ہے لگا دو“

اسکی آواز بھرا گئی تھی۔

”مجھے... میری حور چاہیے“

بازل آفریدی نے گہری سانس لی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سامنے بیٹھا شخص صرف ایک بھائی نہیں... ایک ٹوٹا ہوا انسان تھا۔

"میر..." وہ نرمی سے بولا تھا۔ "ہم پوری کوشش کر رہے ہیں"

اسنے سامنے رکھی فائل کھولی تھی۔

"لیکن ہمارے پاس صرف بچپن کی تصویر ہے۔ اگر ہمارے پاس تھوڑی بڑی عمر کی تصویر ہوتی تو شاید کچھ مدد ملتی..."

میر خاموشی سے سنتا رہا تھا۔

”...میں نے اپنی پوری ٹیم اس کام پر لگا دی ہے“

بازل آفریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

لیکن یہ برسوں پرانا کیس ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بشیر کی ڈیتھ ہو"

چکی تھی۔ اسکی ڈیڈ باڈی ملی تھی۔۔۔ نہ کسی کیمرے کا ریکارڈ ملا...نہ کوئی

اور ثبوت..."

وہ حقیقت بیان کر رہا تھا مگر ہر لفظ جیسے میر کے دل پر لگ رہا تھا۔

کیا فایدہ تمہارا انٹیلیجنس میں ہونے کا جب تم کوئی کام ہی نہیں کر سکتے

۔۔میر نے ٹیبل پر ہاتھ مارا تھا۔۔

میر ایک انسان سے زندگی ختم نہیں ہو جاتی ۔۔۔بازل نے ہمت کی تھی

وہ ایک نہیں ہے۔۔بازل وہ میری دنیا ہے

وہ میری روح ہے۔۔۔کیون نہیں سمجھتے سب لوگ

میر نے آہستہ سے اپنی آنکھوں کو مسلا تھا۔ شاید وہ نمی چھپانا چاہتا تھا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا تھا اور باسل شاہ اندر داخل ہوا تھا۔

کمرے کی غیر معمولی خاموشی دیکھ کر اسنے ہلکا سا گلا کھنگھارا۔

”کیا ہو گیا ہے ہمارے سردار سائیں کو...؟“

وہ ہلکے انداز میں بولا تھا مگر اسکی نظریں فوراً میر کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

بازل آفریدی نے بے بسی سے باسل کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو، ’’تم ہی سمجھاؤ اسے...‘‘

باسل شاہ آہستہ سے میر کے قریب بیٹھا تھا

میر ’’...۔‘‘میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں۔ دنیا میں ہزار لڑکیاں ہیں...‘‘

اسنے سانس بھری تھی۔

”...ایک لڑکی سے زندگی ختم نہیں ہو جاتی“

بازل نے باسل کے چہرے کو دیکھا جو غم کا سایہ ابھرا تھا

میر کی بند آنکھیں آہستہ سے کھلی تھیں۔

وہ ایک لڑکی نہیں ہے ”...اسکی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔“وہ... میری حور“

ہے...”

پھر اسنے سرد نظروں سے بازل آفریدی کو دیکھا تھا۔

”تم جا سکتے ہو یہاں سے...“

وہ آہستہ مگر سخت لہجے میں بولا۔

”اپنی شکل گم کرو...“

بازل آفریدی خاموشی سے اٹھا تھا۔ باسل شاہ نے اسے آنکھوں سے اشارہ کیا اور وہ فائلیں اٹھا کر آفس سے باہر نکل گیا۔

اب کمرے میں صرف میر اور باسل تھے۔

میر نے تھکے وجود کے ساتھ کرسی سے سر ٹکایا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور چہرہ درد سے بھرا ہوا تھا۔

باسل آہستہ سے اسکے قریب آیا اور اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میر شاہ“...۔ ”اتنا کمزور کب سے ہو گیا۰۰۰؟“

میر کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

چند لمحوں بعد اسکے لب ہلے تھے۔

”کمزور تو“...اسکی آواز بھاری تھی۔ ”میں اسی دن ہو گیا تھا...جس دن
میری روح مجھ سے جدا ہوئی تھی۰۰۰“

باسل خاموش ہوگیا تھا۔

لیکن "... میر نے آہستہ سے سانس لی تھی۔"اس سے مل جانے"
"...کے یقین کی وجہ سے ...زندہ ہوں

اسکی آواز لرز گئی تھی۔

"...اگر وہ نا ملی"

باسل کی آنکھوں میں بےاختیار نمی آئی تھی۔

میر نے مشکل سے آنکھیں کھولی تھیں۔

پھر ”… وہ ہلکا سا ہنسا تھا مگر وہ ہنسی درد سے بھری تھی۔“ یہ سوچ
کر میری جان نکل جاتی ہے...”

اسنے بےبسی سے سر جھکایا تھا۔

”باسل… ایسا لگتا ہے میرا جسم کام کرنا چھوڑ دے گا“

اسکی آواز ٹوٹ گئی تھی۔

”وہ نا ہو کر بھی میری کمزوری بن چکی ہے“

چند لمحے خاموشی رہی۔

پھر میر کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک آئی تھی۔ جیسے وہ برسوں پیچھے چلا گیا ہو۔

"میں کہاں ڈھونڈوں اسے...؟"

اسکے لب کانپے تھے۔

"...اسکے چھوٹے چھوٹے ہاتھ"

وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

”اسکا توتلی زبان میں 'میر' بولنا...“

باسل بھی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”میرے بلیک سوٹ دیکھ کر اسکا خوش ہونا...“

میر کی آنکھوں میں نمی تیر گئی تھی۔

”...میرے قریب کسی اور کو نا آنے دینا“

اسکے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

”...کتنی possessive تھی وہ میرے لیے“

باسل بھی بے اختیار ہلکا سا ہنسا تھا۔

"...ہمم... اور تم اس سے بھی زیادہ"

وہ شرارت سے بولا۔

"...مجھے بھی اسکے قریب نہیں آنے دیتے تھے"

میر کی آنکھوں میں پہلی بار ہلکی سی روشنی ابھری تھی۔

"...کرتا ہوں اسے miss میں بہت"

اسکی آواز مدھم ہوئی تھی۔

"...اسکا مجھ سے لڑنا"

باسل بولتا مسکرایا

دونوں چند لمحوں کے لیے ماضی میں کھو گئے تھے۔ وہ بچپن...وہ شور...وہ چھوٹی سی لڑکی جو میر شاہ کی پوری دنیا تھی۔

مگر پھر باسل نے گہری سانس لی تھی۔

"...لیکن ایسے زندگی نہیں گزرتی میر"

وہ نرمی سے بولا۔

"...میرے بھائی... خود کے بارے میں بھی کچھ سوچو"

میر نے خاموشی سے اسکی طرف دیکھا تھا۔

پھر آہستہ سے نظریں جھکا لیں۔

"باسل..."

اسکی آواز میں بے پناہ تھکن تھی۔

"روح ہی..."

وہ دھیرے سے بولا۔

”...اس روح کو آرام دے سکتی ہے“

اسنے آنکھیں بند کرلیں۔

"...اسکے علاوہ ...اور کوئی نہیں"

۔۔۔۔

"...اچھا... مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی"

باسل شاہ نے ماحول کی سنجیدگی کو بدلنے کے لیے موضوع بدلا تھا۔ وہ جانتا تھا اگر میر اسی طرح ماضی میں ڈوبا رہا تو خود کو مزید توڑ لے گا۔

میر نے آہستہ سے اپنی پشت کرسی سے ہٹائی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ چند لمحے پہلے والا ٹوٹا ہوا انسان اب پھر سے وہی سنجیدہ اور باوقار میر شاہ بننے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ہمم... بولو“

اسنے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”سن رہا ہوں...“

باسل چند لمحے خاموش رہا تھا، جیسے الفاظ چن رہا ہو۔ پھر اسنے نظریں جھکائیں۔

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں..."

میر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

"گڈ..."

وہ ہلکے طنزیہ انداز میں بولا۔

"بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ کم از کم سب کی نظریں میرے اوپر سے تو ہٹیں گی..."

باسل ہلکا سا مسکرایا مگر اگلے ہی لمحے سنجیدہ ہوگیا۔

"میں... منت سے شادی کرنا چاہتا ہوں"

میر کے چہرے کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ غائب ہوئی تھی۔ اسکی نظریں سیدھی باسل پر جم گئی تھیں۔

"منت...؟"

اسنے لفظ آہستہ سے دہرایا تھا۔

"باسل... سوچ سمجھ کر بولو"

اسکی آواز نرم ضرور تھی مگر اسکے پیچھے بھائی کی سنجیدگی واضح محسوس ہو رہی تھی۔

"...سوچ سمجھ کر ہی بول رہا ہوں، میر یار"

باسل فوراً بولا تھا۔

"...محبت کرتا ہوں اس سے"

اسکی آواز میں پہلی بار وہ ہلکا سا خوف شامل ہوا تھا جو شاید وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"...اگر مجھ میں کوئی کمی ہے تو بتاؤ مجھے"

میر چند لمحے خاموش اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اسنے آہستہ سے نظریں جھکائیں۔

"ہاں۔۔۔ کمی ہے"

باسل کی سانس ہلکی سی رکی تھی۔

"تم میری بہن کو دکھ میں چھوڑ کر چلے گئے تھے"

میر کی آواز اب پہلے سے زیادہ سنجیدہ تھی۔

”...اور اب تمہیں اس سے محبت ہوگئی ہے“

باسل نے فوراً سر اٹھایا تھا۔

”ک۔۔۔کیا منت نے کچھ کہا...؟“

اسکی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"...نہیں"

میر دھیرے سے بولا۔

"...وہ کب کچھ کہتی ہے"

اسکے لبوں پر ہلکی سی بےبس مسکراہٹ آئی تھی۔

"...لیکن میں اسکا بھائی ہوں"

وہ سیدھا باسل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”میں جانتا ہوں تم دونوں کے درمیان کچھ ہوا تھا…“

میر نے گہری سانس لی تھی۔

“اسکا تمہارے نام سے کترانا… تمہارا ذکر ہوتے ہی خاموش ہوجانا… یہ سب میں نے ہمیشہ محسوس کیا ہے…”

باسل کے چہرے پر پشیمانی واضح ہونے لگی تھی۔

”ہاں۔۔۔“

اسنے مشکل سے اعتراف کیا تھا۔

”شاید تمہیں سن کر برا لگے...“

وہ چند لمحے خاموش ہوا تھا۔

"لیکن پانچ سال پہلے ...پرتگال جانے سے پہلے ...منت نے مجھے propose کیا تھا..."

میر کی آنکھوں میں حیرت ابھری تھی۔

"وہ مجھ سے محبت کرتی تھی..."

باسل کی آواز میں اب ندامت تھی۔

"لیکن... میں نے اسے ٹھکرا دیا"

اسنے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی تھی۔

"خود کو... بن جاؤں کچھ پہلے تھا چاہتا میں establish کرلوں..."

وہ دھیرے سے بولا۔

"اس نے دل میں سوچتے بات کو تھوڑا سا تبدیل کیا محبت میں سب کچھ جائز ہے..."

وہ خود پر تلخی سے ہنسا تھا۔

"وہ بھی... اور اب settled میں بھی... اور ہے..."

میر خاموشی سے ماتھا مسلنے لگا تھا۔ جیسے خود پر حیران ہو کہ وہ اپنی بہن کے دل کا درد اتنے سال سمجھ ہی نہیں سکا۔

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی تھی۔

پھر میر نے آہستہ سے باسل کی طرف دیکھا۔

”باسل شاہ…“

اسکی آواز نرم تھی مگر الفاظ میں وزن تھا۔

"میری بہن کو منا لو..."

باسل نے فوراً سر اٹھایا تھا۔

"اگر وہ مان گئی...تو کی یہ شادی ہو سکتی ہے"

میر نے بات مکمل کی۔

"کیونکہ میں اتنا جانتا ہوں ...اگر وہ تم سے محبت کرتی ہے تو کہیں اور خوش نہیں رہ پائے گی..."

باسل کی آنکھوں میں امید ابھری تھی۔

مگر اگلے ہی لمحے میر کا لہجہ سخت ہوگیا۔

"لیکن..."

وہ سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔

”...اگر تمہاری جگہ کسی اور نے میری بہن کو اس طرح دھتکارا ہوتا“

اسکی آنکھوں میں خطرناک چمک آئی تھی۔

”...تو شاید اب تک اسکی ٹانگیں اسکے ہاتھوں میں ہوتیں“

باسل خاموش ہوگیا تھا۔

”...اور ایک بات“

میر کی آواز دھیمی مگر سخت تھی۔

”یہ سوچ کر شادی کرنا... کہ اسکا بھائی اپنی بہن کی آنکھ میں ایک آنسو بھی برداشت نہیں کر سکتا...“

باسل نے فوراً سر جھکا لیا تھا۔

”...ہاں“

اسکی آواز میں پچھتاوا واضح تھا۔

"...غلطی ہوئی تھی مجھ سے"

وہ دھیرے سے بولا۔

"...مجھے اسے سمجھانا چاہیے تھا...ایسے سیدھا انکار نہیں کرنا چاہیے تھا"

وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"...لیکن اب مجھے اسے منانے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے"

پھر اسنے امید بھری نظروں سے میر کو دیکھا۔

"...تم باقی سب کو منا لینا"

اسکی آواز میں سچائی تھی۔

”قسم سے ...بہت خوش رکھوں گا اسے“

میر نے چند لمحے اسے دیکھا، پھر آہستہ سے سر ہلایا تھا۔

”ہمم... ٹھیک ہے“

باسل کے دل سے جیسے بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ برسوں بعد خود کو ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

اسی لمحے اسکے فون کی رنگ بجی تھی۔

اسنے موبائل اٹھایا تو اسکرین پر ''حوریب '' کا نام جگمگا رہا تھا۔

باسل کے لبوں پر بےاختیار مسکراہٹ آئی اور اسنے فوراً کال اٹھائی۔
میر نے اسکے چہرے کو غور سے دیکھا تھا

''اسلام علیکم... کیسی ہو چڑیل؟''

وہ حسبِ عادت شرارتی انداز میں بولا تھا۔

"ٹھیک ہوں..."

دوسری طرف حوریب نے بمشکل اپنے آنسو روکتے ہوئے کہا۔

"میرے بھائی... فوراً ائیرپورٹ پہنچو..."

باسل چونکا تھا۔

”ائیرپورٹ۔۔۔؟ لیکن کیوں۔۔۔؟“

”یار میں پاکستان ہوں...“

حوریب نے خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”کتنے سوال پوچھتے ہو ... پہنچ رہے ہو کہ نہیں؟“

وہ اپنی نم آنکھیں صاف کرتی بولی تھی۔

”اچھا۔۔۔ آ رہا ہوں“

باسل فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

پھر اچانک اسے خیال آیا۔

”انکل کہاں ہیں۔۔۔؟“

مگر اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ پوچھتا، حوریب نے کال کاٹ دی تھی۔

باسل چند لمحے فون کو دیکھتا رہا۔

"کیا ہوا؟"

میر نے اسکے چہرے پر پھیلی پریشانی محسوس کی۔

"اتنا پریشان کیوں لگ رہے ہو؟"

"...کچھ نہیں یار"

باسل نے فوراً خود کو نارمل کیا۔

”...میری ایک دوست ہے ...اسے لینے جانا ہے۔ پاکستان آئی ہے“

پھر اسنے میر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”...چلو ساتھ چلتے ہیں“

”...نہیں“

میر نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

”تم جاؤ ...طبیعت عجیب سی ہو رہی ہے“

”یار چل نا...“

باسل نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

”تھوڑا mood fresh ہو جائے گا...“

پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”ویسے۔۔۔ ملو گے نا اس سے تو بڑوں بڑوں کو ہنسا دیتی ہے...“

میر نے چند لمحے اسے دیکھا۔ پھر آخرکار ہلکی سی سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اٹھائیں اور باسل کے ساتھ آفس سے باہر نکل گیا keys اسنے گاڑی کی تھا۔

......

ائرپورٹ ہمیشہ کی طرح شور، روشنیوں اور لوگوں کی آوازوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر طرف مختلف زبانوں میں باتیں کرتے لوگ، سامان گھسیٹتے مسافر، فلائٹس کی اناؤنسمنٹس اور ملنے والوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

مگر اس سارے شور کے درمیان میر شاہ کا دل عجیب سی بے چینی میں مبتلا تھا۔

وہ گاڑی سے اترنے کے بعد چند لمحے وہیں کھڑا رہا تھا۔ طبیعت غیر معمولی حد تک بوجھل لگ رہی تھی۔ جیسے دل کسی انجانے احساس کے دباؤ میں ہو۔ اسی لیے اسنے باسل کو اکیلے اندر جانے کا کہا تھا۔

”تم جاؤ ...میں یہی ہوں“

مگر باسل شاہ کہاں ماننے والا تھا۔

او بھائی "... وہ اسکا ہاتھ پکڑتے بولا تھا۔ "ایسے کون دوست کو" لینے جاتا ہے؟ چلیں میرے ساتھ..."

اور پھر واقعی اسے تقریباً کھینچتا ہوا اندر لے آیا تھا۔

میر نے بےزاری سے ارد گرد دیکھا تھا۔ اتنا شور، اتنی بھیڑ... اسے ہمیشہ سے ایسی جگہوں سے کوفت ہوتی تھی۔ اسکی نظریں مسلسل نیچے جھکی ہوئی تھیں جبکہ باسل بے صبری سے ارد گرد حوریب کو ڈھونڈ رہا تھا۔

"...یہ لڑکی بھی نا"

وہ بڑبڑایا تھا۔

"...کہاں غائب ہوگئی"

اسی دوران میر نے ماتھے پر آتا پسینہ صاف کرنے کے لیے چہرہ دائیں طرف موڑا تھا۔

...اور پھر

اسکی نظریں ایک وجود پر جا کر رک گئی تھیں۔

بلیک فراک کے ساتھ ریڈ اسٹولر لیے، آنکھوں پر گلاسز لگائے وہ لڑکی خاموشی سے وہاں کھڑی تھی۔ اسکے کندھوں تک آتے بال ہلکی ہوا سے اڑ رہے تھے جبکہ چہرے پر عجیب سی اداسی چھائی ہوئی تھی۔

میر کا دل ایک لمحے کو زور سے دھڑکا تھا۔

اتنا زور سے ...کہ خود اسے محسوس ہوا۔

اسنے فوراً نظریں ہٹا لی تھیں۔

جیسے خود اپنے دل کی حالت ماننے سے انکار کر رہا ہو۔

"یہ کیا ہو رہا ہے مجھے..."

اسنے بےاختیار ماتھے پر آتا پسینہ صاف کیا تھا۔

مگر اگلے ہی لمحے وہ لڑکی چلتی ہوئی سیدھا باسل کے قریب آ کر رکی تھی۔

باسل کے چہرے پر فوراً فکر ابھری تھی۔

”حور...“

اسنے اسے دیکھتے ہی سینے سے لگا لیا تھا۔

”کیا ہوا؟ طبیعت ٹھیک ہے؟“

اسکی آواز میں واضح پریشانی تھی۔

ساتھ ہی اسنے ڈرائیور کو اشارہ کیا تھا کہ سامان گاڑی میں رکھ دے۔

کیونکہ وہ جانتا تھا...حوریب مرزا ہمیشہ مسکراتی رہنے والی لڑکی تھی۔ ہر وقت بولنے، ہنسنے اور دوسروں کو ہنسانے والی۔ مگر آج اسکی خاموشی ڈرا رہی تھی۔

"ہمم... ٹھیک ہوں"

حوریب نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔

"پلیز... no more questions..."

اسکی آنکھیں نم تھیں۔

"اب مجھے کسی پُرسکون جگہ لے جاؤ"

وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولتی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔

میر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

یہ لڑکی… عجیب تھی۔

چہرے پر ایٹیٹیوڈ، مگر آنکھوں میں گہرا دکھ۔

وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ آخر کیوں بار بار اسکی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔

گاڑی میں حوریب پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی تھی جبکہ میر اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

باسل نے ایک لمحے کو میر کی طرف دیکھا تھا۔

...اور پھر بے اختیار سوچا

”یہ کیسا انسان ہے...؟“

ایک طرف منت سے شادی کی باتیں... اور دوسری طرف اس لڑکی کے لیے اتنا پریشان۔

میر نے جیسے اسکی سوچ محسوس کر لی تھی۔

اسنے مرر سے پیچھے بیٹھے وجود پر ایک نظر ڈالی تھی۔

حوریب نے خاموشی سے اپنے گلاسز اتار کر بیگ میں رکھے تھے۔

اور تب پہلی بار میر نے اسکی آنکھیں صاف دیکھی تھیں۔

سرخ۔۔۔ نم ... تھکی ہوئی۔

”کیا ہوا ہے حور؟“

باسل نے فوراً پوچھا تھا۔

”تم ٹھیک نہیں لگ رہی…“

اسکی آواز میں بے چینی واضح تھی۔

”تمہاری eyes اتنی red کیوں ہیں…؟“

وہ ذرا رکا۔

"انکل سے جھگڑا ہوا ہے؟"

"نہیں!"

حوریب اچانک جھنجھلا کر چلائی تھی۔

اسکی آواز پر میر نے فوراً رخ موڑا تھا۔

جبکہ باسل نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

حوریب کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔

”بابا کی۔۔۔ب death ہوگئی ہے...“

اسکی آواز ٹوٹ گئی تھی۔

باسل جیسے ساکت رہ گیا تھا۔

"ک۔۔۔کیا۔۔۔؟"

اسکے لب کانپے تھے۔

"ت۔۔۔تم جھوٹ بول رہی ہو..."

وہ بے اختیار اسکے کانپتے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے بولا تھا۔

"ی۔۔۔یہی سچ ہے"...

حوریب بولتے بولتے ٹوٹ گئی تھی۔

اور اگلے ہی لمحے بےاختیار باسل کے سینے سے لگ گئی تھی۔

میر نے فوراً نظریں ہٹا لی تھیں۔

اسنے ماتھا مسلا تھا۔

وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔

آخر کیوں بار بار اس لڑکی کے درد سے اسکا دل بےچین ہو رہا تھا...؟

"ششش... چپ"

باسل نے نرمی سے اسکے آنسو صاف کیے تھے۔

”کیا ہوا تھا انکل کو...؟“

حوریب نے مشکل سے خود کو سنبھالا تھا۔

”...ہارٹ پیشنٹ تھے“

اسکی آواز دھیمی تھی۔

”...انہوں نے ...ہم دونوں سے چھپایا تھا“

وہ دوبارہ رونے لگی تھی۔

”لیکن کیوں...؟“

باسل نے دکھ سے پوچھا۔

”...بہت لمبی کہانی ہے“

وہ تھکے انداز میں بولی تھی۔

”پھر بتاؤں گی...“

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اچانک حوریب نے باسل کو دیکھا۔

”تمہیں بھی sad کر دیا...“

وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

اور اسکے گال پر پڑتا ڈمپل پہلی بار واضح ہوا تھا۔

میر کی نظریں ایک لمحے کو پھر اس پر رک گئی تھیں۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔
تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔
آپ کے تعاون کا شکریہ۔

"چلو..."

باسل نے ماحول بدلنے کے لیے باہر اشارہ کیا تھا۔

”تمہیں پاکستان کی خوبصورتی دکھاؤں...“

وہ بچوں کی طرح excited لہجے میں بولا۔

”یہ دیکھو... natural beauty...“

حوریب نے بے اختیار کھڑکی سے باہر دیکھا تھا۔

ہر طرف ہرے درخت، دور سفید پہاڑ اور ٹھنڈی شام کی ہوا۔

اسکی آنکھوں میں پہلی بار ہلکا سا سکون اترا تھا۔

”واو۔۔۔“

وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"یار… it's natural..."

وہ باہر کے حسین منظر میں کھو گئی تھی۔

اور واقعی…

کئی دنوں بعد اسکا دماغ کچھ لمحوں کے لیے پُرسکون ہوا تھا۔

ـــــــــــ

ماہیر خان آج معمول سے کافی پہلے یونیورسٹی پہنچا تھا۔ صبح کی ہلکی ٹھنڈی ہوا پورے کیمپس میں پھیلی ہوئی تھی، مگر اسکے اندر عجیب سی بے چینی

جاگ رہی تھی۔ اسنے آج جان بوجھ کر اپنا لیکچر پہلے نمبر پر رکھا تھا... صرف اس لیے کہ دن کی شروعات اس "تیکھی مرچ" کے دیدار سے ہو جائے۔

وہ اپنی مخصوص پُروقار چال کے ساتھ کلاس کی طرف بڑھا تھا۔ بلیک شرٹ کی آستینیں ہلکی سی فولڈ تھیں جبکہ ہاتھ میں پکڑی فائل اسکی شخصیت کو مزید رعب دار بنا رہی تھی۔

کلاس روم کا دروازہ کھولتے ہی اندر موجود سارے اسٹوڈنٹس فوراً خاموش ہو کر سیدھے بیٹھ گئے تھے۔

ماہیر کی نظریں غیرارادی طور پر پوری کلاس میں گھومی تھیں۔۔۔ جیسے کسی خاص وجود کو ڈھونڈ رہی ہوں۔

لیکن وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

اسکے ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری تھی۔

"مس فریحہ..."

اسنے بظاہر معمول کے انداز میں پکارا تھا۔

فریحہ فوراً گھبرا کر کھڑی ہوئی۔

”جی سر...“

”آپکی دوست آج نہیں آئی...؟“

لہجہ نارمل تھا، مگر اس سوال کے پیچھے چھپی بے چینی صرف وہ خود محسوس کر سکتا تھا۔

"ن۔۔۔نہیں سر..."

فریحہ نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

"شاید۔۔۔ fever ہے انہیں۔۔۔"

ماہیر کے دل کو جیسے کسی نے زور سے کھینچا تھا۔

“ہمم۔۔۔ sit down...”

وہ مختصر سا بول کر خاموش ہوگیا تھا۔

اگلے دس منٹ وہ کلاس کو ورک سمجھاتا رہا، مگر اسکا دھیان بار بار بٹ رہا تھا۔ آخرکار اسنے جلدی سے task دیا اور فائل بند کرتے باہر نکل آیا۔

آفس میں آتے ہی اسنے بے صبری سے موبائل نکالا تھا۔

کر چکی تھیں۔ dial اسکی انگلیاں خودبخود حیام کا نمبر

...ایک بار

...دو بار

...تین بار

نہیں ہو رہی تھی۔ pick بیل مسلسل جا رہی تھی مگر کال

ماہیر کی بے چینی بڑھنے لگی تھی۔

"اٹھاؤ بھی۰۰۰"

وہ دھیرے سے بڑبڑایا تھا۔

آخر کئی rings کے بعد کال اٹھ گئی تھی۔

دوسری طرف حیام آدھی غنودگی اور بوجھل طبیعت میں لیٹی ہوئی تھی۔ بار بار ringing سے تنگ آکر اسنے غصے میں سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ موبائل کان سے لگایا تھا۔

"کیا مصیبت ہے...؟"

وہ دھیمی مگر چڑچی آواز میں بولی تھی۔

"busy وہ it means جب ایک بار کوئی کال نہیں اٹھا رہا تو
ہے..."

ماہیر کے لبوں پر بےاختیار مسکراہٹ آگئی تھی۔

”...صرف اس آواز کو“میری تیکھی مرچ

”کر رہا تھا ...کیا کروں...؟ miss بہت“

وہ دھیرے سے بولا تھا۔

حیام کے ہاتھ ایک لمحے کو کانپ گئے تھے۔

وہ فوراً کال کاٹنا چاہتی تھی۔

کی طرف بڑھی، دوسری طرف سے ماہیر کی screen مگر جیسے ہی انگلی گہری آواز آئی۔

”...اگر کال کاٹی نا“

اسکی آواز غیر معمولی حد تک دھیمی اور خطرناک تھی۔

”...تو بیگم جان ...آپ اس وقت میری پناہوں میں ہوں گی“

حیام کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

”کیا مسئلہ ہے آپکے ساتھ...؟“

وہ بےدلی سے بولی تھی مگر آواز میں چھپی گھبراہٹ واضح تھی۔

”یونیورسٹی کیوں نہیں آئیں...؟“

ماہیر اب سنجیدہ ہوگیا تھا۔

”طبیعت ٹھیک ہے...؟“

”میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں، ماہیر خان...“

حیام نے سرد لہجے میں جواب دیا تھا۔

”اور جس رشتے کی بنیاد پر آپ مجھے دھمکا رہے ہیں نا...اسے میں ایک پل میں ختم کر دوں گی...“

"Shut up..."

ماہیر کی آواز یکدم سخت ہوئی تھی۔

اسنے بمشکل خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

"دوبارہ ایسی بکواس مت کرنا..."

حیام نے جھنجھلا کر اپنے بال چہرے سے پیچھے کیے تھے۔

”۔۔۔آپ کو جو کرنا ہے کرلیں“

وہ ضدی انداز میں بولی۔

”...میں بھی حیام خان ہوں ...ماہیر خان“

ماہیر چند لمحے خاموش رہا تھا۔

پھر اسنے کرسی سے ٹیک لگائی تھی۔

اسکی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھری تھی۔

”...ٹھیک ہے“

وہ دھیرے سے بولا تھا۔

”...اب تم بس رات کا انتظار کرنا“

حیام کے دل میں انجانا سا خوف اترا تھا۔

"ماہیر خان نے کبھی اپنے باپ کی بھی اونچی آواز برداشت نہیں کی..."

اسکی آواز اب پہلے سے زیادہ گہری ہوگئی تھی۔

"اگر تمہاری کر رہا ہوں نا...تو صرف اپنے رشتے کے تقدس کو پامال نہیں کرنا چاہتا..."

”...میں نہیں مانتی ایسے کسی رشتے کو“

حیام فوراً بولی۔

”...جس کا مجھے علم ہی نہیں تھا“

”...جو کرنا ہے کرلیں“

ماہیر ہلکا سا مسکرایا تھا۔

مگر وہ مسکراہٹ خطرناک تھی۔

"ٹھیک ہے..."

اسنے آہستہ سے کہا۔

"تیار رہنا..."

وہ ذرا رکا تھا۔

"...آج رات ...میری پناہوں میں گزارنے کے لیے"

اور اگلے ہی لمحے اسنے کال کاٹ دی تھی۔

حیام کچھ لمحے موبائل کو گھورتی رہ گئی تھی۔

اسکا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

جبکہ دوسری طرف ماہیر کرسی پر بیٹھا ہلکا سا مسکرایا تھا۔

”تیکھی مرچ ...Just wait...“

اسنے آنکھیں بند کر کے اسے تصور میں لایا تھا۔

”...آج رات ...تم میری شدتوں سے نہیں بچ سکتی“

وہ زیرِلب بولا تھا۔

"...تو دکھانا ہی پڑے گا trailer اور یہ چھوٹا سا"

____

گاڑی حویلی کے مرکزی دروازے کے سامنے آ کر رکی تھی۔ شام کی ہلکی ، سنہری روشنی پوری شاہ حویلی پر بکھری ہوئی تھی۔ بلند و بالا سفید دیواریں خوبصورت محرابیں اور روشنیوں سے جگمگاتا داخلی حصہ کسی شاہی محل کا منظر پیش کر رہا تھا۔

میر شاہ سب سے پہلے گاڑی سے اترا تھا۔ اسکے چہرے پر حسبِ معمول سنجیدگی طاری تھی، مگر اندر کہیں عجیب سی بے چینی مسلسل سر اٹھا رہی

تھی۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا، جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دوسری طرف حوریب بھی گاڑی سے اتری تھی۔ اسکی بلیک فراک اور ریڈ اسٹولر شام کی روشنی میں مزید نمایاں ہو رہے تھے۔ اسنے ایک نظر سامنے پھیلی وسیع حویلی پر ڈالی، پھر خفگی سے باسل کو دیکھا۔

”یار۔۔۔“

وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

”تمہیں کسی پُرسکون جگہ پر لے جانے کو کہا تھا۔۔۔“

باسل ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"...میڈم"

وہ شرارتی انداز میں بولا۔

"...بہتر سے سب یہاں آپ feel کرو گی"

پھر اسنے ڈرائیور کو سامان اندر رکھنے کا اشارہ کیا اور حوریب کو اپنے ساتھ آنے کا کہا۔

تینوں ساتھ ہی اندر داخل ہوئے تھے۔

حویلی کا اندرونی حصہ باہر سے بھی زیادہ شاندار تھا۔ بڑے بڑے جھومر، نفیس فرنیچر، دیواروں پر لگی قدیم پینٹنگز اور ہر طرف پھیلی ہلکی خوشبو ماحول کو مزید دلکش بنا رہی تھی۔

باسل پہلے ہی گھر والوں کو بتا چکا تھا کہ اسکی ایک female guest آرہی ہے...اور وہ اسکے لیے بہت special ہے۔ اسی لیے زیمرہ شاہ نے خاص طور پر اسکے لیے بہترین کمرہ تیار کروایا تھا۔

”یہ ہیں میری بی جان…“

سب سے پہلے باسل نے اسے بی جان سے ملوایا تھا۔

بی جان نے حوریب کو دیکھتے ہی محبت سے سینے سے لگا لیا تھا۔

”جیتی رہو میری بچی…“

حوریب نے ہلکا سا سر ہلایا تھا، مگر اتنے سارے لوگوں کو ایک ساتھ دیکھ کر اسے عجیب سی کوفت محسوس ہوئی تھی۔ وہ اس وقت ذہنی طور پر کسی سے ملنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

پھر باسل نے باری باری سب سے تعارف کروایا تھا۔

"یہ آغا جان..."

"یہ تائی جان..."

سب محبت سے اس سے مل رہے تھے۔

”...اور یہ میری ماما“

زیمرہ شاہ اسکے قریب آئیں تھیں۔ انکی نم آنکھوں میں عجیب سی شفقت تھی۔ انہوں نے حوریب کے ماتھے کو چومتے ہوئے نرمی سے اسکا چہرہ تھاما تھا۔

”...خوش رہو“

حوریب چند لمحے انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔ نجانے کیوں انکی ممتا بھری آواز سن کر اسکے دل میں ایک انجانی سی نمی اتر آئی تھی۔

”یہ ہیں میرے چاچو...“

عیان شاہ نے مسکراتے ہوئے اسکے سر پر پیار دیا تھا۔

”ویلکم ٹو شاہ حویلی...“

حوریب بس خاموشی سے سب سے مل رہی تھی۔ چہرے پر ہلکی سی تھکن اور آنکھوں میں گہرا بوجھ واضح تھا۔

تقریباً دس منٹ تک وہ سب کے ساتھ بیٹھی رہی، مگر مسلسل خاموش۔

آخرکار اسنے دھیرے سے باسل کی طرف دیکھا۔

"باسل..."

اسکی آواز تھکی ہوئی تھی۔

”...کرنا ہے ...بہت تھک چکی ہوں rest مجھے ابھی“

باسل فوراً سنجیدہ ہوگیا تھا۔

”...نمرہ“

زیمرہ نے فوراً ملازمہ کو آواز دی۔

”...دکھاؤ room بچے کو“

پھر محبت سے حوریب کی طرف متوجہ ہوئیں۔

اور میری جان... کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو آپ نے مجھ سے کہنا ہے..."

انکے لہجے میں اتنی اپنائیت تھی کہ حوریب بے اختیار ہلکا سا مسکرائی تھی۔

پھر وہ ملازمہ کے ساتھ اوپر چلی گئی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلتے ہی اسکی نظریں چند لمحوں کے لیے وہیں ٹھہر گئی تھیں۔

کمرہ بے حد نفیس اور خوبصورت تھا۔ ہلکے رنگوں کی دیواریں، بڑی کھڑکیاں، نرم روشنی، سفید پردے اور تازہ پھولوں کی خوشبو...ہر چیز میں سکون تھا۔

جیسے کسی نے بڑی محبت سے ہر چیز سجائی ہو۔

حوریب اندر آتے ہی تھکن سے جیسے ٹوٹ گئی تھی۔

اسنے فوراً دروازہ لاک کیا اور گہری سانس لی تھی۔

نجانے کیوں اسے محسوس ہوا... جیسے دل کا کچھ بوجھ باسل کے سینے سے لگ کر واقعی ہلکا ہوا ہو۔

وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی، پھر آہستہ سے اپنا دوپٹہ اتار کر ایک طرف رکھا تھا۔

اسکے سر میں ہلکا درد اب بھی موجود تھا۔

وہ بنا کپڑے بدلے سیدھا بیڈ پر آ کر لیٹ گئ تھی۔

نرم بستر پر سر رکھتے ہی اسکی پلکیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔

پچھلے کئ دنوں کی تھکن، مسلسل رونا، ذہنی دباؤ اور تنہائی شاید اب جواب دے چکے تھے۔

...اور پھر

کچھ ہی لمحوں میں وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی تھی۔

......

حیام خان نے کپکپاتے ہاتھوں سے وارڈروب کھولی تھی۔ بخار کی وجہ سے اسکا پورا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ سر بھاری تھا اور گلا مسلسل جل رہا تھا۔ اسنے بے دلی سے اپنا نائٹ سوٹ نکالا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

چند منٹ بعد وہ فریش ہو کر باہر آئی تھی۔ اسکے لمبے بال جوڑے سے آزاد ہو کر کمر پر بکھر گئے تھے۔ چہرہ بخار کی وجہ سے ہلکا سرخ ہو رہا تھا جبکہ آنکھوں میں تھکن واضح تھی۔

اسنے سائیڈ ٹیبل پر رکھی میڈیسن اٹھائی، پانی کے ساتھ دوا کھائی اور آہستہ سے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی تھی۔

کمرے کی مدھم روشنی اور باہر پھیلی خاموش رات عجیب سا سکون دے رہی تھی۔

اسنے کمبل اپنے پورے وجود پر اوڑھ لیا تھا، جیسے خود کو دنیا سے چھپانا چاہتی ہو۔

مگر اسکا دماغ مسلسل ایک ہی انسان کے گرد گھوم رہا تھا۔

ماہیر خان...

اسکی آواز...

اسکا لہجہ...

....اسکی وہ بے باک نظریں

"پاگل انسان..."

وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی تھی۔

نجانے کب اسکی آنکھ لگ گئی۔

مگر ابھی اسے سوئے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ اسے اپنے چہرے پر کسی کی نرم گرم سانسیں محسوس ہوئی تھیں۔

وہ بے چینی سے کروٹ بدلتے چہرے پر الجھتے بال ہٹانے لگی تھی۔

لیکن اگلے ہی لمحے اسے محسوس ہوا... جیسے اسکا وجود ہوا میں معلق ہو۔

وہ چونک گئی تھی۔

اسنے فوراً چیخنے کی کوشش کی، مگر اسکے لبوں پر کسی کا مضبوط ہاتھ آ چکا تھا۔

حیام کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔

اندھیرے میں کچھ صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا، مگر اتنا سمجھ آ چکا تھا کہ وہ کسی کی مضبوط بانہوں میں قید ہے۔

اسکی سانسیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔

وجود کانپ رہا تھا۔

وہ خود کو چھڑوانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی مگر اسے اٹھائے وہ وجود مسلسل اسے اپنے سینے سے لگائے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

”تیکھی مرچ...“

اسکے کان کے قریب گہری سرگوشی ابھری تھی۔

”آواز نہیں۔۔۔“

وہ ماہیر تھا۔

حیام کے دل کی دھڑکن جیسے ایک لمحے کو رک گئی تھی۔

ماہیر نے جھکتے ہوئے اسکے کان کی لو کو ہلکے سے اپنے لبوں میں لیا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ اب بھی اسکے لبوں پر مضبوطی سے موجود تھا۔

حیام کا پورا وجود سن ہوگیا تھا۔

”...نیچے اتار رہا ہوں“

وہ سرگوشی میں بولا۔

”...چلانا مت“

اگلے ہی لمحے کمرے کی مدھم لائٹ جل اٹھی تھی۔

ماہیر نے اسے آہستہ سے زمین پر اتارا اور اسکے لبوں سے ہاتھ ہٹایا تھا۔

"ب۔۔۔بچا..."

حیام ابھی اتنا ہی بول پائی تھی کہ ماہیر نے ایک لمحے کی بھی دیر کیے بغیر اسے دیوار سے لگا دیا تھا۔

اور اگلے ہی پل اسکے لب اپنے لبوں میں لے لیے تھے۔

حیام کی آنکھیں بے اختیار بند ہوگئی تھیں۔

اسکے رخسار شدید سرخی مائل ہوئے تھے۔

ماہیر کی اس بے باک حرکت پر اسکا پورا وجود کانپ اٹھا تھا۔

جسم میں عجیب سی سنسنی دوڑ گئی تھی۔

ماہیر نے اسکے دونوں ہاتھ اوپر کرتے اپنی گرفت میں لے لیے تھے۔

وہ آہستہ سے اس سے جدا ہوا تھا۔

”کیا کہا تھا میں نے...؟“

اسنے اسکے بھیگے لبوں پر انگلی پھیرتے دھیمی آواز میں پوچھا تھا۔

ماہیر کی نظریں مسلسل اسکی آنکھوں میں جمی تھیں۔

حیام بمشکل سانس بحال کرتے اسے دیکھ رہی تھی۔

اسکا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

"ج۔۔۔جائیں یہاں سے"

وہ رخ پھیرتے مشکل سے بولی تھی۔

ماہیر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

”...آج کی رات“

وہ اسکے قریب جھکتے بولا۔

”...صرف میری بیگم کے نام“

حیام نے فوراً اسے دھکا دے کر الگ ہونا چاہا تھا مگر ماہیر نے اسکے بازو تھام لیے تھے۔

اگلے ہی لمحے وہ اسے گود میں اٹھا چکا تھا۔

حیام کی سانس پھر اٹکی تھی۔

"م۔۔۔ماہیر..."

وہ اسکے کندھے کو پکڑتے بولی تھی۔

مگر ماہیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ اسے اپنے سینے سے لگائے آہستہ آہستہ بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔

کمرے کی مدھم روشنی میں اسکی گہری نظریں مسلسل حیام کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

اور حیام۔۔۔

وہ اسکی بانہوں میں قید اپنے بے قابو دل کی دھڑکن سن رہی تھی۔

”کیا ہوا ہے طبیعت کو...؟ ٹیبلٹ لی ہے...؟“

ماہیر نے اسے آہستگی سے بیڈ پر لٹاتے پوچھا تھا اور خود بھی اسکے برابر میں لیٹ گیا تھا۔

حیام فوراً ہلکا سا کھسکی تھی، جیسے اسکی قربت سے بچنا چاہتی ہو۔

ماہیر کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

ابھی یہ دوری برداشت کر رہا ہوں "...وہ اسکی طرف رخ کرتے "
بولا، "لیکن شادی کے بعد...میں تیکھی مرچ کے سینے پر سر رکھ کر سویا
کروں گا..."

اسنے اپنا سر کہنی پر ٹکایا اور غور سے اسکے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔

پھر ہاتھ بڑھاتے اسکے ماتھے کو چھوا۔

اتنا بخار ...حیام "... اسکی بھنویں سکڑی تھیں، "ٹیبلٹ "
...؟"

حیام نے بس آنکھیں میچتے ہاں میں سر ہلایا تھا۔

"منہ سے بولو..."

ماہیر کو اسکی خاموشی اچھی نہیں لگی تھی۔

"ج۔۔جی... لی تھی"

وہ مزید کانپتے وجود کے ساتھ اس سے دور ہوئی تھی۔

لیکن ماہیر نے فوراً اسکی کلائی پکڑ کر دوبارہ قریب کیا اور اپنی بانہوں کا حصار اسکے گرد بنا لیا تھا۔

اسکا گرم سینہ حیام کی پشت سے لگا تھا۔

حیام کی سانسیں پھر بے ترتیب ہوئی تھیں۔

وہ خاموشی سے آنسو بہانے لگی تھی۔

”یار رو کیوں رہی ہو...؟“

ماہیر کا لہجہ اس بار حیرت سے نرم ہوا تھا۔

اسنے آہستگی سے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

سو جاؤ شاباش...کچھ نہیں کروں گا"...وہ دھیمے لہجے میں بولا، "ویسے بھی جو پہلے ہوا ...وہ میرا پلان نہیں تھا..."

وہ ہلکا سا رکا تھا۔

"لیکن تم نے ہی مجبور کیا تھا..."

حیام نے نم آنکھوں کے ساتھ لب بھینچے تھے۔

"بس آپ یہاں سے جائیں " ... وہ بمشکل بولی، "آپ ...اچھا نہیں کر رہے میرے ساتھ ...میں اس شادی کو نہیں مانتی..."

ماہیر خاموشی سے اسکا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔

پھر ہلکا سا مسکرایا۔

"نہ مانو "...وہ بے فکری سے بولا، "میں تو مانتا ہوں نا"

اسکی نظریں ایک لمحے کو اسکے وجود پر پھسلیں تھیں۔

حیام نے سکھ کا سانس لیا تھا کہ شاید اب وہ جانے والا ہے۔

لیکن اگلے ہی لمحے ماہیر اسکی ٹانگوں سے کمبل ہٹا کر قریب بیٹھ گیا تھا۔

حیام کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"ک۔۔۔کیا کر رہے ہیں آپ ماہیر خان...؟" اسکی آواز لرزی تھی،

"ا۔۔۔ابھی ہماری رخصتی نہیں ہوئی..."

ماہیر پہلے تو اسکی بات پر تپ اٹھا تھا، مگر اگلے ہی پل جیسے کچھ سمجھتے اسکے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ آئی تھی۔

"جب تم نے اس رشتے کو ماننا ہی نہیں ..." وہ جھکتے ہوئے بولا،

"پھر کیا فائدہ رخصتی ہوئی یا نہیں ہوئی..."

اسنے اسکی ایک ٹانگ اپنی گرفت میں لی تھی۔

”۔۔۔ن۔۔۔نہیں۔۔۔ پ۔۔۔پلیز“

”۔۔۔چپ “۔۔۔ ماہیر نے فوراً اسے ٹوکا، ”آواز نہیں“

وہ اسکی ٹانگ دباتے ہوئے بولا تھا۔

”...ٹانگیں دبا رہا ہوں تمہاری۔۔۔ تاکہ کچھ ریلیکس فیل کرو“

پھر اسنے آنکھیں سکیڑی تھیں۔

"...بے ہودہ ناول پڑھ پڑھ کر سوچ بھی ویسی ہوگئی ہے تمہاری"

حیام کے رخسار شرم سے مزید سرخ ہوئے تھے۔

وہ فوراً سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا سوچ بیٹھی تھی۔

اوسهی "... ماہیر ہلکے طنزیہ انداز میں بولا، "ایک بار میری پناہوں میں آ جاؤ ...سیدھا کر دوں گا تمہیں..."

وہ نرمی سے اسکی ٹانگیں دباتا لفظ چبا چبا کر بول رہا تھا۔

حیام نے فوراً اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

اسے لگ رہا تھا وہ شرم سے پانی پانی ہو جائے گی۔

لیکن اسکے باوجود وہ ابھی بھی اپنے وجود پر ماہیر کی نظروں کی تپش محسوس کر رہی تھی۔

وہ جلدی سے اپنی شرٹ درست کرنے لگی تھی۔

”شکر ہے کچھ خیال آیا...“

ماہیر دوسری ٹانگ دباتے ہوئے بولا، ”مجھے تو لگا تھا میرا امتحان لے کر چھوڑو گی...“

“بس کر دیں ماہیر خان ...” حیام جھنجھلائی تھی، “مجھے ایسا انسان ہرگز نہیں چاہیے اپنی زندگی میں جو ہر چیز پر پابندی لگائے ...”

“یہ پابندی نہیں ...”

ماہیر اب سنجیدہ ہوا تھا۔

ہر انسان فرشتہ نہیں ہوتا"...اسنے دھیمی آواز میں کہا، "ابھی تم بچی ہو ...اچھے سے سمجھاؤں گا"

وہ اسکے قریب جھکا تھا۔

"...جسٹ ویٹ"

پھر وہ بیڈ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

حیام نے فوراً کمبل خود پر کھینچا تھا۔

لیکن اگلے ہی لمحے اسکے لبوں سے بےساختہ نکلا۔

”پاؤں بھی دبا دیں۔۔۔“

ماہیر چند سیکنڈ خاموش رہا تھا۔

پھر آہستہ سے مسکرایا۔

"شادی کے بعد سب کچھ دباؤں گا ...جانم"

حیام کی دھڑکن پھر بے قابو ہوئی تھی۔

ابھی چلتا ہوں"...ماہیر کھڑکی کی طرف بڑھتے بولا،"اگر اس حالت میں لیٹا تمہیں دیکھتا رہا..."

اسنے رخ موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

تو شاید اپنا ضبط کھو دوں ...اور تمہارے ساتھ کوئی زیادتی ہو...“
...جائے”

وہ ذو معنی لہجے میں بولتا کھڑکی سے باہر کود گیا تھا۔

حیام کافی دیر وہیں ساکت بیٹھی رہی تھی۔

پھر اسکی نظر سامنے لگے مرر پر پڑی تھی۔

اسکا چہرہ سرخ تھا...آنکھیں نم تھیں۔۔۔ اور پورا وجود جیسے ابھی تک ماہیر کی قربت سے مہک رہا تھا۔

اسنے بےاختیار اپنے گال کو چھوا تھا۔

اور حیرت انگیز طور پر...اسکے جسم کا درد بھی کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔

اسکے لبوں پر ہلکی سی شرمیلی مسکراہٹ ابھری تھی۔

, _ _ _ _ _ _

صبح کا وقت تھا۔

شاہ حویلی کے وسیع ڈائننگ ہال میں ہمیشہ کی طرح نفاست اور شاہانہ وقار بکھرا ہوا تھا۔ لمبی میز پر ہر طرح کا ناشتہ سجا تھا، گرم پراٹھوں کی خوشبو، چائے کی بھاپ اور ہلکی ہلکی گفتگو پورے ماحول کو زندگی دے رہی تھی۔

لیکن آج اس ماحول میں دو الگ ہی آوازیں شامل تھیں۔

ایک طرف حیام کی مسلسل کھانسی تھی، جبکہ دوسری طرف منت کی بند ناک کی وجہ سے آتی ''سوں سوں ''کی آواز۔

اور یہی دونوں آوازیں باقی سب کو ہنسی روکنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

زیمرہ شاہ نے بے بسی سے دونوں لڑکیوں کو دیکھا تھا۔

باسل بچے ”...وہ چائے کا کپ رکھتے بولیں،“جیسے ہی تمہارا ہسپتال“ کمپلیٹ ہو جائے نا ...ہمارے ان دو مریضوں کو سیدھا وہاں ...”

انہوں نے ایک نظر حیام پر ڈالی، جو شال لپیٹے اداس بیٹھی تھی، پھر منت کو دیکھا جو چمچ سے بے دلی میں آملیٹ توڑ رہی تھی۔

باسل نے بریڈ کا چھوٹا سا بائٹ لیتے ہوئے دونوں کو کن انکھیوں سے دیکھا تھا۔

جی تائی جان "...اسکے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ آئی، "ان دونوں کا علاج تو میں بڑے اچھے طریقے سے کروں گا..."

منت نے فوراً گھور کر اسے دیکھا تھا۔

"ہمیں آپ کے علاج کی ضرورت نہیں ہے ڈاکٹر صاحب"...منت نے اسے گھورا تھا۔

"او واقعی...؟ " باسل نے معنی خیز انداز میں بھنو اٹھائی، "لیکن مریضوں کی حالت تو کچھ اور ہی بتا رہی ہے..."

حیام نے فوراً کھانستے ہوئے پانی پیا تھا تاکہ اپنی ہنسی چھپا سکے۔

حیام بچے"...زنیرہ شاہ نے فکرمندی سے اسے دیکھا،"مجھے آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں لگ رہی۔۔۔ آپ باسل کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جائیں۔۔۔"

پھر اچانک انہیں کچھ یاد آیا۔

"اور باسل ...وہ بچی ابھی تک نہیں اٹھی۔۔۔؟"

باسل نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں مما ...ابھی سو رہی ہے"

اسے اٹھا لینا تھا نا بچے "...زیمرہ نے نرمی سے ڈانٹا، "اسنے شام سے کچھ نہیں کھایا۔۔۔ کیسے دوست ہو تم ...پوچھا بھی نہیں اس سے"

باسل کی مسکراہٹ ہلکی سی مدھم ہوئی تھی۔

"جی مما ...یاد ہے مجھے"

اسکی آواز اس بار پہلے سے نرم تھی۔

"میری ایک بہت پیاری سی دوست اس حویلی میں رہائش پذیر ہے..."

"لیکن اسے ابھی ریسٹ کی شدید ضرورت ہے..." وہ دھیمے لہجے میں بولا،

میز پر موجود سب کی نظریں اب اسکی طرف تھیں۔

کیونکہ "... باسل چند لمحے رکا تھا، "اسکے فادر کی کچھ دن پہلے"
ڈیتھ ہو گئی "... مینٹلی بھی کافی ڈسٹرب لگ رہی تھی

اسکے لہجے میں افسوس نمایاں تھا۔

"...اور اب اس دنیا میں اسکا کوئی اپنا نہیں"

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

زیمرہ شاہ کی آنکھوں میں فوراً نمی اتری تھی۔

"کتنی پیاری بچی ہے ویسے ماشاءاللہ..." انھوں نے افسوس سے کہا، "اللہ صبر دے اس بچی کو..."

"ابھی آپ نے اسکا اصل موڈ نہیں دیکھا..."

باسل ہلکا سا مسکرایا تھا۔

”...اتنی فنی ہے نا“

اسکے لہجے میں اپنائیت تھی۔

ایسی اپنائیت۔۔۔ جو میر شاہ اور منت دونوں سے چھپی نہیں تھی۔

میر خاموشی سے بیٹھا کافی کا مگ تھامے باسل کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ رہا تھا۔

پتہ نہیں کیوں۔۔۔ اسے کل رات سے بار بار اسی لڑکی کا خیال آ رہا تھا۔

۔۔۔اسکی ہیزل آنکھیں۔۔۔ سرخ دوپٹہ ...اور وہ عجیب سی اداسی

وہ دل ہی دل میں خود کو سمجھا بھی نہیں پا رہا تھا کہ آخر ایک اجنبی لڑکی کی موجودگی اسکے اندر اتنی بے چینی کیوں پیدا کر رہی ہے۔

دوسری طرف منت خاموشی سے باسل کو دیکھ رہی تھی۔

اسکے ہاتھ میں پکڑا چمچ بے اختیار سختی سے دب گیا تھا۔

جو بھی ہے "...وہ آخر کار بولی، "کسی کو بھی اٹھا کر گھر لے آئیں گے..."

اسکے لہجے میں ہلکی جلن چھپی ہوئی تھی۔

باسل نے فوراً مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

اوہ ”... وہ شرارتی انداز میں بولا، “تو ہماری آرٹسٹ کو جلنے کی“

”بیماری بھی ہے...؟

باسل شاہ ”...منت نے وارننگ دیتے آنکھیں تنگ کیں۔“

لیکن اسکی ناک بند ہونے کی وجہ سے آواز عجیب سی نکلی تھی۔

جسے سن کر حیام بے اختیار ہنس دی تھی۔

اور اگلے ہی لمحے پوری میز پر ہلکی سی ہنسی پھیل گئی تھی۔

آج سنڈے تھا۔

شاہ حویلی کا ماحول باقی دنوں کی نسبت کافی پُرسکون اور زندہ لگ رہا تھا۔ بڑے سے ٹی وی لاؤنج میں ہر طرف ہلکی ہلکی گفتگو، چائے کی خوشبو اور خاندان کے لوگوں کی موجودگی ایک عجیب سی اپنائیت پیدا کر رہی تھی۔

بڑی کھڑکیوں سے آتی دھوپ سفید ماربل پر پڑ کر پورے ہال کو نرم سنہری روشنی میں نہلا رہی تھی۔ دیواروں پر لگے شاہی انداز کے فانوس اور قدیم تصویریں حویلی کے رعب و دبدبے کو مزید نمایاں کر رہی تھیں۔

آغا جان اپنی مخصوص آرام کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ بی جان ہاتھ میں تسبیح لیے کبھی سب بچوں کو دیکھتیں تو کبھی دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کچھ پڑھتی جاتیں۔ عیان شاہ اور زنیرہ شاہ ٹی وی پر چلتی نیوز کے درمیان کبھی کبھار آپس میں کوئی بات کر لیتے تھے جبکہ زیمرہ شاہ ملازماؤں کو چائے اور اسنیکس رکھنے کی ہدایات دے رہی تھیں۔

دوسری طرف باسل اور حیام ہمیشہ کی طرح کسی بے تکی بحث میں مصروف تھے۔

"میں کہہ رہی ہوں وہ ہیرو غلط تھا"...حیام کشن سینے سے لگاتے غصے سے بولی تھی، "ہیروئن کو چھوڑ کر جانے والا کبھی اچھا انسان نہیں ہو سکتا..."

"او پلیز ... " باسل نے چائے کا کپ رکھتے آنکھیں گھمائیں، "تم لڑکیوں کو بس وہ ہیرو پسند آتے ہیں جو ہر وقت بال جھٹک کر شاعری کرتے رہیں..."

“اور آپ جیسے لوگ صرف دل توڑتے ہیں ”… منت نے فوراً

جواب دیا۔

“میں ڈاکٹر ہوں، دل جوڑتا ہوں ”… باسل نے کالر درست کیا تھا۔

منت نے رخ پھیرا تھا۔

حیام نے فوراً کشن اٹھا کر اسکی طرف مارا تھا جبکہ پورے لاؤنج میں ہلکی سی

ہنسی پھیل گئی تھی۔

منت خاموشی سے ایک طرف بیٹھی تھی، لیکن اسکی نظریں بار بار باسل کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ جتنا نارمل بننے کی کوشش کر رہی تھی، اتنا ہی اسکا دل عجیب بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

ادھر صوفے کے دوسرے کونے پر بیٹھا میر شاہ غیر معمولی حد تک خاموش تھا۔

وہ بظاہر سب کے درمیان بیٹھا تھا، لیکن اسکی توجہ کسی اور طرف تھی۔

اسنے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

گیارہ بج چکے تھے۔

اسکی نظریں بے اختیار اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف اٹھیں تھیں۔

وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ آخر کیوں وہ بار بار اسی دروازے کی طرف دیکھ رہا ہے۔

دل جیسے کسی انجانے انتظار میں مبتلا تھا۔

تبھی اوپر والے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

سب کی نظریں بےاختیار اس سمت اٹھ گئی تھیں۔

اور اگلے ہی لمحے حوریب مرزا سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تھی۔

لانگ مسٹرڈ کلر کی اوپن شرٹ، ساتھ بلیک چوڑی دار ٹراؤزر، چھوٹا سا بلیک سٹولر...

سادگی کے باوجود اسکی شخصیت میں عجیب کشش تھی۔

بالوں کو ہئیر بین سے پیچھے روکا گیا تھا لیکن چند نرم بھورے لٹیں ضدی انداز میں چہرے کے گرد بکھری ہوئی تھیں۔ کندھوں تک آتے اسٹائلش کٹنگ بال اسے اور بھی منفرد بنا رہے تھے۔

اسکے گورے نرم پاؤں سادہ بلیک سلیپر میں نہایت نفاست سے چمک رہے تھے۔

وہ نیند سے تازہ مگر دل کی تھکن لیے آہستہ آہستہ نیچے اتری تھی۔

"آئی ایم سو سوری آنٹی۔۔۔"

وہ آتے ہی زنیرہ شاہ کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

میں آج حد سے زیادہ لیٹ ہو گئی۔۔۔ کافی دنوں سے سکون سے نہیں" سوئی تھی "۔۔۔ اسنے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "آج پہلی بار خود کو محفوظ محسوس کیا۔۔۔ تو بہت سکون کی نیند آ گئی"

اسکی مسکراہٹ کے ساتھ گال پر پڑتا ڈمپل ایک لمحے کو پورے ماحول کو نرم سا کر گیا تھا۔

میر شاہ کی نظریں بے اختیار اسکے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں۔

وہ پہلی بار کسی لڑکی کو اس طرح خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

بغیر کسی وجہ کے ...بغیر کسی ارادے کے...

صرف دیکھ رہا تھا۔

"اٹس اوکے بچے"...زنیرہ شاہ نے نرمی سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا،
"اب طبیعت کیسی ہے...؟"

"جی آنٹی ... بہتر ہوں"...

وہ مسکرائی تھی۔

"ڈونٹ وری..."

"ویسے..." اسنے اچانک آغا جان کی طرف دیکھتے کہا، "آپکی اور باسل کی شکل بہت ملتی ہے..."

"ہمم..." آغا جان مسکرائے تھے، "میرا پوتا ہے بچے"

"...اور تمہاری شکل بابا سے بھی کافی ملتی ہے"

باسل فوراً اٹھ کر اسکے قریب آیا تھا۔

منت نے اسے جاتے دیکھا تو بے دلی سے رخ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

ہاں سیریسلی "... حوریب نے حیرت سے کہا، "میں نے پہلے نوٹ ہی نہیں کیا..."

“کیونکہ تم سوتی بہت ہو”...باسل نے فوراً چھیڑا تھا۔

حوریب نے زبان نکالتے اسے گھورا تھا۔

“آنٹی مجھے بہت بھوک لگی ہے”...وہ معصومیت سے بولی،“پلیز کچھ کھانے کو دے دیں...”

“کیا کھاؤ گی میری بچی...؟” زنیرہ شاہ نے محبت سے پوچھا۔

”...مینگو جوس ”...وہ فوراً بولی، “اور ساتھ میں بریڈ آملیٹ“

میر سے رہا نہ گیا تھا۔

وہ بھی خاموشی سے اٹھ کر انکے قریب آ بیٹھا تھا۔

میں بنوا دیتی ہوں بچے ”...زنیرہ شاہ اٹھیں تھیں۔“

باسل شاہ"... حوریب نے انگلی اٹھائی تھی، "تم نے میرے تین کام کرنے ہیں..."

"جی میڈم..." باسل فوراً سیدھا ہو کر بیٹھا، "حکم کریں"

فرسٹ آف آل"... وہ صوفے سے ٹیک لگاتے بولی، "تم نے مجھے شاپنگ پر لے کر جانا ہے..."

"کیوں...؟"

”اسنے اپنے ۔۔۔“کیونکہ مجھے اپنے لیے ایسٹرن ڈریس خریدنے ہیں
کپڑوں کی طرف دیکھتے کہا، ”یہاں آ کر مجھے عجیب لگتا ہے...“

حیام اور منت بھی اب انکے قریب آ گئی تھیں۔

حیام دلچسپی سے اسکی باتیں سن رہی تھی جبکہ منت خاموشی سے صرف باسل کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔اسے اسکی جیلسی یہاں کے کر آئی تھی۔

اور سیکنڈ کام ”... حوریب نے پھر انگلی اٹھائی، “تم نے میرے لیے“
”...اچھا سا فرنشڈ گھر ڈھونڈنا ہے

یہاں کوئی مسئلہ ہے آپکو بچے...؟ ”عیان شاہ فوراً بولے تھے۔“

نہیں انکل ”...اسکی آواز نرم ہوئی تھی، “میں بس زیادہ دن آپ“
”...لوگوں پر بوجھ نہیں بننا چاہتی

پھر اسنے باسل کی طرف دیکھا۔

"میں نے باسل کو ہمیشہ بڑے بھائی کی طرح مانا ہے..."

منت کے دل کو عجیب سا سکون ملا تھا اسکے بھائی کہنے پر۔۔

"پاکستان آتے ہی اسی کا خیال آیا۔۔۔ اس لیے یہاں آ گئی۔۔۔"

"نہیں بچے..." عیان شاہ محبت سے بولے، "آپ ہماری بیٹی ہیں۔۔۔

یہ گھر آپکا اپنا ہے..."

اپ کہی نہیں جا رہی ہمارے گھر میں تو رونق لگی ہے ۔۔ بی جان بھی "
بولی تھی

حوریب چند لمحے خاموش رہی تھی۔

پھر ہلکا سا مسکرائی۔

"...ٹھیک ہے ...سوچوں گی"

اور تیسرا کام...؟ ”باسل نے دلچسپی سے پوچھا۔“

حوریب نے ہونٹ باہر نکالے تھے۔

”یہ مسئلہ بہت سنگین ہے...“

اسنے ڈرامائی انداز اپنایا تھا۔

”کوئی حل نہیں کر سکتا...“

میر کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

،ہمارے سردار سائیں ہیں نا"...باسل نے فوراً میر کی طرف اشارہ کیا"
جس مسئلے کا حل کسی کے پاس نہ ہو، وہ ہمارے سردار صاحب ڈھونڈتے"
"...ہیں

حوریب بے اختیار ہنس دی تھی۔

اسکی نظریں پہلی بار ٹھہر کر میر شاہ پر پڑی تھیں۔

نیوی بلیو کرتا، سفید شال، ہلکی بیئرڈ، گہری آنکھیں اور چہرے کا رعب...

وہ واقعی غیر معمولی پرکشش لگ رہا تھا۔

افف یار ”... حوریب نے ماتھا پکڑا، “اسی سردار نامے کی وجہ سے تو یہاں آئی ہوں...”

سب چونکے تھے۔

”اسکی وجہ سے مجھے اپنا پورا بزنس پاکستان شفٹ کرنا پڑا“...

”اووو ... باسل نے فوراً آنکھ دبائی، ”کہیں کسی سردار سے محبت تو نہیں ہو گئی...؟“

”اللہ توبہ ...حوریب فوراً بولی، ”پہلے نا سردار لفظ سنتے ہی میرے دماغ میں بہت خطرناک امیج بنتی تھی...“

پھر اسنے ایک نظر میر پر ڈالی تھی۔

"...لیکن اب پتا چلا ...سردار اتنے خوبصورت بھی ہوتے ہیں"

میر نے فوراً ماتھا مسلا تھا جبکہ سب ہنس پڑے تھے۔

سردار نامہ بیچ میں رہ گیا "... حیام بے صبری سے بولی۔

حوریب نے فوراًاسکی طرف دیکھ کر سلوٹ والے انداز میں سلام کیا تھا۔

حیام قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

میر وقفہ وقفہ اسکے چہرے کو طواف کر رہا تھا۔

پھر حوریب کا چہرہ اچانک سنجیدہ ہوا تھا۔

"مجھے پورے پاکستان میں سردار میر شاہ کو ڈھونڈنا ہے..."

ایک لمحے کو پورا لاؤنج خاموش ہو گیا تھا۔

سب نے فوراً میر کی طرف دیکھا۔

میر شاہ کی انگلیاں بےاختیار صوفے کے ہینڈل پر سخت ہوئی تھیں۔اسکا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"کیوں۔۔۔؟ " باسل جلدی سے بولا۔

حوریب کی آنکھوں میں اچانک نمی اتری تھی۔

”...یہ بہت لمبی کہانی ہے“

اسنے نظریں جھکا لیں۔

”... باسل ... پھر سناؤں گی“

بس تمہیں انکا ایڈریس دوں گی بس اس لوکیشن پر جانا ہے مجھے۔۔۔"

"...

میر شاہ خود بھی عجیب بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

...پتہ نہیں کیوں

لیکن پہلی بار کسی اجنبی لڑکی کے لبوں پر اپنا نام سن کر اسکے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

اگر میں کہوں کہ وہ انسان ابھی دو منٹ میں تمہارے سامنے ہو گا۔۔۔ پھر۔۔۔؟

باسل شاہ نے شرارتی مگر معنی خیز انداز میں کہا تھا جبکہ اسکی نظریں مسلسل حوریب کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ پورا لاؤنج خاموش تھا۔ سب لوگ حیرانی سے کبھی باسل کو دیکھتے تو کبھی حوریب کو، جس کے چہرے پر الجھن، تجسس اور بے صبری تینوں ایک ساتھ موجود تھے۔

"ایک بار اسے میرے سامنے لے کر آؤ۔۔۔ پھر کیا۔۔۔؟ اس سے پوچھوں گی کہ اس سے میرا کیا رشتہ ہے۔۔۔"

حوریب نے بے صبری سے کہا تھا۔ اسکی آواز میں ہلکی کپکپاہٹ شامل تھی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ نجانے کیوں آج اسے لگ رہا تھا کہ اسکی برسوں کی ادھوری تلاش مکمل ہونے والی ہے۔

"ایک منٹ۔۔۔ اٹھو۔۔۔"

باسل نے اچانک اسکا ہاتھ پکڑتے اسے سوفے سے اٹھایا تھا۔ حوریب حیرت سے اسکے چہرے کو دیکھ رہی تھی جبکہ لاؤنج میں بیٹھے سب افراد اب مکمل طور پر انہی دونوں کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

اسی لمحے باسل نے بنا میر شاہ کے تاثرات کی پروا کیے اسکا ہاتھ پکڑا اور تقریباً کھینچتے ہوئے حوریب کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔

”یہ سب کیا ہے باسل۔۔۔؟“

حوریب نے دانت پیستے ہوئے جھنجھلا کر کہا تھا۔ وہ پہلے ہی ذہنی طور پر الجھی ہوئی تھی اور باسل کی پراسرار حرکتیں اسکی بے چینی مزید بڑھا رہی تھیں۔

"یہی ہیں جناب۔۔۔ آپ کے سردار میر شاہ۔۔۔"

باسل نے فاتحانہ انداز میں کہتے ہوئے واپس آکر صوفے پر بیٹھنا چاہا تھا لیکن منت نے فوراً اس سے تھوڑا فاصلہ بنا لیا تھا۔ باسل نے بے بسی سے اسے دیکھا مگر اس وقت کسی کو بھی ان دونوں کی خاموش جنگ سے دلچسپی نہیں تھی۔

پورا لاؤنج جیسے کسی ڈرامائی منظر میں بدل چکا تھا۔

ہر نظر اب صرف میر شاہ اور حوریب پر تھی۔

حوریب نے چند لمحے خاموش رہ کر میر شاہ کو دیکھا تھا۔

نیوی بلیو کرتے میں ملبوس، کندھے پر سفید شال رکھے، سنجیدہ شخصیت کا مالک وہ مرد واقعی کسی سردار جیسا لگ رہا تھا۔ اسکی گہری آنکھوں میں عجیب سا رعب تھا لیکن آج ان آنکھوں میں الجھن بھی تھی۔

حوریب آہستہ آہستہ اسکے قریب بڑھی تھی۔

"آپ۔۔۔ سردار میر شاہ ہیں نا۔۔۔؟"

اسنے دھیمی آواز میں پوچھا تھا۔

”جی۔۔۔ میں ہی ہوں۔۔۔ سردار میر شاہ۔۔۔“

میر نے سنبھل کر جواب دیا تھا لیکن اسکی نظریں مسلسل اس چہرے پر تھیں جو نجانے کیوں اسے اندر تک ہلا رہا تھا۔

کمرے میں موجود ہر شخص سانس روکے اگلا منظر دیکھ رہا تھا۔

اور پھر اگلے ہی لمحے حوریب نے وہ جملہ کہا تھا جس نے پورے ماحول کو ساکت کر دیا۔

”اتنا ہینڈسم بندہ۔۔۔ میرا بھائی ہی ہو سکتا ہے۔۔۔“

وہ فوراً آگے بڑھی اور میر شاہ کے گلے لگ گئی تھی۔

میر کا پورا وجود جیسے ساکت ہو گیا۔

اسکے ہاتھ ہوا میں معلق رہ گئے۔

دل کی دھڑکن بری طرح بے قابو ہوئی تھی۔

لیکن اگلے ہی لمحے اسنے خود کو سنبھالتے اسے بازوؤں سے پکڑ کر تھوڑا دور کیا تھا۔

"یہ۔۔۔ آپ کیا کر رہی ہیں۔۔۔؟ میری صرف ایک ہی بہن ہے۔۔۔"

میر نے مشکل سے کہا تھا۔

وہ الفاظ کہتے ہوئے بھی اسکی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

حوریب کی آنکھوں میں فوراً نمی ابھری تھی۔

"ک۔۔۔کیا مطلب۔۔۔؟ پھر آپ۔۔۔ حورعین شاہ کے کیا لگتے ہیں۔۔۔؟"

جیسے ہی ''حورعین شاہ'' کا نام اسکے لبوں سے نکلا۔۔ پورا لاؤنج ایک دم کھڑا ہو گیا۔

زیمرہ شاہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

باسل سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

منت نے چونک کر حوریب کو دیکھا۔

بی جان کے لب لرزے تھے۔

اور میر شاہ۔۔۔ وہ تو جیسے سانس لینا بھول گیا تھا۔

ہاں۔۔۔ حورعین شاہ۔۔۔ جسکے لیے آپ آئے روز سوشل"
میڈیا۔۔۔ نیوز پیپر۔۔۔ ہر جگہ اشتہار دیتے ہیں۔۔۔!"

اب حوریب کو واقعی غصہ آنے لگا تھا۔

"ایک تو میں اسی انسان کو ڈھونڈتی پاکستان آئی۔۔۔ اور یہ ہیں کہ نخرے دکھا رہے ہیں۔۔۔!"

وہ جھنجھلائی تھی۔

"لڑکی۔۔۔ سوچ سمجھ کر نام لو۔۔۔ ہماری حور کا نام لے کر کوئی گستاخی مت کرنا۔۔۔!"

عیان شاہ فوراً آگے بڑھے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں میر اپنے جذبات پر قابو نہ کھو دے۔

"انکل میں سوچ سمجھ کر ہی بول رہی ہوں۔۔۔ انھی کو ڈھونڈتی آئی ہوں۔۔۔!"

حوریب نے میر کی طرف اشارہ کیا۔

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ حورعین شاہ کا کیا رشتہ ہے ان سے۔۔۔؟ اسکے ماما بابا کون ہیں۔۔۔؟"

اسکی آواز اب ٹوٹ رہی تھی۔

"کیا۔۔۔ تم جانتی ہو حورعین شاہ کہاں ہے۔۔۔؟"

باسل تیزی سے آگے آیا تھا۔ اسنے بےاختیار اسکا ہاتھ پکڑا۔

"کسی کو بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا ہو رہا ہے۔۔۔"

میر شاہ کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔

سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

اور پھر حوریب نے جھنجھلا کر زور سے کہا تھا۔

"یہ باسل میں سب کو تھپڑ لگا دوں گی ابھی۔۔۔! جب میں نے کہا کہ یہ میرے بھائی ہیں اتنے پیارے۔۔۔ تو پھر میں ہی حورعین شاہ ہوئی نا۔۔۔!"

پورا لاؤنج جیسے ایک لمحے کو ساکت ہو گیا۔

"لیکن انہوں نے تو انکار کر دیا۔۔۔ اب خدا جانے کونسا ایسا رشتہ ہے
اس بندے کے ساتھ۔۔۔ کہ جو آئے روز حورعین شاہ کو ڈھونڈتے پھر
رہا تھا۔۔۔ اور اب سامنے ہوں تو منہ ہی سیدھا نہیں ہو رہا۔۔۔!"

وہ میر کے بازو ہلاتی بولی تھی۔

”او بھائی۔۔۔ کوئی دشمنی تو نہیں ہے مجھ سے۔۔۔؟ بولو۔۔۔“

میر شاہ نے پہلی بار مکمل طور پر اسکی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

وہی ہیزل براؤن آنکھیں۔

وہی ڈمپل۔

وہی معصومیت۔

وہی انداز۔

اسکی سانس رک گئی تھی۔

”کیا۔۔۔ تم۔۔۔ سچ میں۔۔۔ میری حور ہو۔۔۔؟“

اسکی آواز لرز گئی تھی۔

اسنے فوراً اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

اب اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔

”جی۔۔۔ میں ہی حورعین شاہ ہوں سردار میر شاہ۔۔۔“

حوریب کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

کائنڈلی آپ بتا سکتے ہیں۔۔۔ آپ سے میرا کیا رشتہ ہے۔۔۔؟ اور "میرے ماما بابا۔۔۔ کہاں ہیں۔۔۔؟"

اسکی آواز ٹوٹ گئی تھی۔

میر شاہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"ت۔۔۔تم۔۔۔ میری روح ہو۔۔۔ میری زندگی۔۔۔ میرا سب کچھ۔۔۔"

اسنے اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

”م۔۔۔میرا آپ سے رشتہ کیا ہے۔۔۔؟“

حوریب نے روتے ہوئے پوچھا۔

اسی لمحے زیمرہ شاہ آگے بڑھی تھیں۔

”ام۔۔۔میری بچی۔۔۔ اتنی بڑی ہو گئی۔۔۔“

وہ روتے ہوئے حوریب کو اپنی بانہوں میں بھر چکی تھیں۔

”عیان۔۔۔ یہ میری حور ہے۔۔۔ میری بچی۔۔۔“

زیمرہ بری طرح رو رہی تھیں۔

”باسل۔۔۔ دیکھو۔۔۔ تمہاری بہن۔۔۔“

حوریب نے نم آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

”آ۔۔آپ۔۔۔ میری مما ہیں نا۔۔۔؟“

”ہاں میری جان۔۔۔ ہاں!۔۔۔ میں تمہاری مما ہوں۔۔۔“

زیمرہ نے اسکا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں چلی گئی تھی۔۔۔؟"

حوریب اب بچوں کی طرح رونے لگی تھی۔

"ماما۔۔۔!"

وہ انکے گلے لگ گئی۔

عیان شاہ چند قدم دور کھڑے تھے۔

انکی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں۔

وہ شاید ابھی تک یقین نہیں کر پا رہے تھے کہ انکی برسوں پہلے کھوئی بیٹی آج انکے سامنے کھڑی ہے۔

حوریب نے روتے ہوئے انکی طرف دیکھا تھا۔

”آ۔۔۔آپ۔۔۔ میرے بابا ہیں۔۔۔؟“

اس ایک سوال نے عیان شاہ کو توڑ دیا تھا۔

وہ فوراً آگے بڑھے اور اگلے ہی لمحے حوریب انکے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

"!میری بچی۔۔۔"

عیان شاہ کی آواز بھرائی تھی۔

"میری حور۔۔۔ !میری جان۔۔۔ !کہاں تھی تم۔۔۔؟"

وہ اسکے سر پر بوسے دے رہے تھے۔

"!بابا۔۔۔"

حوریب نے روتے ہوئے انکی شرٹ مضبوطی سے پکڑ لی تھی۔

"!ہم سب نے آپ کو بہت مس کیا۔۔۔ "!میری جان۔۔۔

عیان شاہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

جب سے مجھے پتا چلا تھا اس بارے میں ایک دن بھی سکون سے نہیں سوئی میں

وہ روتے ہوئے بولی تھی

"!تمہارے بغیر یہ حویلی۔۔۔ یہ زندگی۔۔۔ سب ادھورا تھا۔۔"

باسل شاہ اب مزید خود کو روک نہیں پایا تھا۔

وہ فوراً آگے آیا اور حوریب کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

”میری چڑیل۔۔۔!“

اسکی آواز ٹوٹ گئی تھی۔

”تم میری بہن نکلی۔۔۔ اور میں پہچان ہی نہ سکا۔۔۔!“

وہ ہنس بھی رہا تھا اور رو بھی رہا تھا۔

”!میری جان۔۔۔“

حوریب بھی ہنستے روتے اسکے سینے سے لگی تھی۔

”!مجھے تو پہلے دن سے لگتا تھا تم میرے اپنے ہو۔۔۔“

”!اب پتا چلا کیوں ہر وقت مجھ پر حکم چلاتی تھی۔۔۔“

باسل نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

بی جان آگے آئیں۔

انکے لرزتے ہاتھ حوریب کے چہرے پر آئے۔

"!میری شہزادی۔۔۔"

وہ رو پڑی تھیں۔

"اللہ نے میری دعا سن لی۔۔۔!"

حوریب فوراً انکے گلے لگ گئی۔

"ابی جان۔۔۔!"

آغا جان نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"بالکل اپنی دادی پر گئی ہے۔۔۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

حوریب فوراً انکے گلے لگ گئی۔

"!آغا جان۔۔۔"

"!جیتی رہو میری بچی۔۔۔"

شاہزیب نے آگے بڑھ کر اسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”آخر کار ہماری گمشدہ شہزادی واپس آ ہی گئی۔۔۔!“

حیام تو خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

وہ فوراً آگے بڑھی اور حوریب کو زور سے گلے لگا لیا۔

"!او مائی گاڈ۔۔۔ !تم تو واقعی اس حویلی کی شہزادی لگ رہی ہو ۔۔۔"

وہ قہقہ لگاتے ہوئے رو پڑی تھی۔

"!میں نے اپنے دل میں کہا تھا تم بہت سپیشل ہو۔۔۔"

حوریب بھی ہنس دی تھی۔

منت خاموش کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

اسکی آنکھیں بھی نم تھیں۔ دل کے کسی کونے میں ایک عجیب سا سکون اتر رہا تھا۔ آج برسوں بعد اسنے اپنے بھائی میر شاہ کے چہرے پر وہ خوشی دیکھی تھی جو شاید وقت نے اس سے چھین لی تھی۔ وہ دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی تھی کہ آخرکار اس حویلی کی رونق۔۔۔ اس حویلی کی حور واپس آ گئی تھی۔

حوریب آہستہ آہستہ چلتی منت کے قریب آئی تھی۔ اسکی ہیزل آنکھوں میں اب بھی آنسوؤں کی نمی موجود تھی مگر لبوں پر شرارتی سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

”آپ۔۔۔؟“

وہ کچھ پوچھنے ہی لگی تھی کہ منت نے ہلکا سا قہقہ لگاتے ہوئے خود ہی بات مکمل کی۔

”میں آپ کی نند۔۔۔“

حوریب ایک لمحے کو اسے دیکھتی رہی پھر اچانک ہنس پڑی۔

”اٹس مین سسٹر اِن لا۔۔۔“

اسکے انداز پر سب کے لبوں پر ہنسی پھیل گئی تھی۔

منت نے ہلکا سا سر ہلایا تھا۔

”لیکن وہ تو شادی کے بعد بنتی ہے۔۔۔“

حوریب نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے معصومیت سے کہا تھا۔ اسکے انداز میں وہی بچپنا تھا جس نے چند لمحوں میں پورے گھر کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

جی جناب۔۔۔ آپ تو بچپن سے ہی اس حویلی کی بہو بھی بن چکی ہیں۔۔۔"

باسل نے جان بوجھ کر شرارتی انداز میں کہا تھا اور ساتھ ہی منت کے بالوں میں انگلیاں پھیر دی تھیں۔

منت نے فوراً اسے گھورا تھا۔

”باسل شاہ۔۔۔!“

لیکن باسل کے چہرے کی مسکراہٹ اچانک مدھم ہوئی تھی۔

کیونکہ اسکی انگلیوں میں کئی بال الجھ آئے تھے۔

اسکی پیشانی پر لمحہ بھر کو شکن ابھری تھی۔

دل میں ایک انجانا سا خوف پھر سر اٹھانے لگا تھا۔

منت نے فوراً نظریں چرا لی تھیں۔

"واٹ۔۔۔ یہ سب ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔؟"

حوریب نے حیرت سے کہا تھا جبکہ وہ لمبی سانس لیتی واپس آ کر زیمرہ شاہ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اسنے بچوں کی طرح زیمرہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا جیسے برسوں کی محرومی ایک ہی لمحے میں پوری کرنا چاہتی ہو۔

اسی کے ساتھ باسل بھی آ کر اسکے برابر بیٹھ گیا تھا۔

میر شاہ نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا تھا۔

پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ چلتا ان دونوں کے قریب آیا۔

سفید شال کو کندھے پر درست کرتے اسنے اپنی نم آنکھیں چھپانے کی کوشش کی تھی۔

"اٹھو یہاں سے۔۔۔"

وہ باسل کے قریب کھڑے ہوتے بولا تھا۔

"کیوں یار۔۔؟ میری بہن ہے۔۔۔"

باسل نے جان بوجھ کر مزید حوریب کے قریب ہوتے کہا تھا۔

میر شاہ نے اسے گھورا تھا۔

وہ نظروں ہی نظروں میں اسے وارننگ دے رہا تھا۔

"باسل شاہ۔۔۔"

اسکے لہجے میں وہی سردار والا رعب تھا۔

لیکن باسل ہنس پڑا۔

"اوکے اوکے۔۔۔ جا رہا ہوں۔۔۔ اتنا پوزیسیو شوہر تو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔۔۔"

وہ شرارتی انداز میں بولتا وہاں سے ہٹا تھا۔

سب لوگ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

میر شاہ آ کر حوریب کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

”ٹھیک ہو آپ۔۔۔؟“

اسنے نرم لہجے میں پوچھتے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

حوریب نے بنا کچھ سوچے اپنا سر اسکے کندھے پر ٹکا دیا تھا۔

میر کے دل میں جیسے سکون کی ایک لہر اتر گئی تھی۔

برسوں بعد اسکی روح واقعی اسکے قریب تھی۔

”ہمم۔۔۔ ٹھیک ہوں۔۔۔“

حوریب نے دھیمی آواز میں کہا۔

لیکن آپ نے ابھی تک بتایا نہیں۔۔۔ آپ میرے کیا لگتے ہیں۔۔۔؟“

اسکے سوال پر میر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

پھر جھک کر اسکے قریب ہوا۔

”اپنی روح کا سردار۔۔۔“

اسنے دھیرے سے کہا تھا۔

حوریب نے فوراً چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

”آپکی نند کا بھائی۔۔۔“

وہ مزید بولا۔

اور پھر آخری جملہ کہتے ہوئے اسکی آواز پہلے سے زیادہ نرم ہو گئی تھی۔

”اور۔۔۔ آپ کا ہونے والا شوہر۔۔۔“

”!واٹ۔۔۔؟“

حوریب فوراً اسکے کندھے سے سیدھی ہوئی تھی۔

اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

”ہونے والا شوہر۔۔۔؟!“

وہ جلدی سے اس سے دور ہونا چاہتی تھی۔

لیکن میر شاہ نے فوراً اسکا ہاتھ پکڑ کر روک لیا تھا۔

اسکی گرفت مضبوط مگر نرم تھی۔

"یہ دوریاں ساری زندگی برداشت کی ہیں میں نے روح۔۔۔"

وہ دھیمی مگر گہرے لہجے میں بولا تھا۔

"اب آپ کی اتنی سی دوری بھی برداشت نہیں ہوتی۔۔۔"

حوریب ایک لمحے کو خاموش رہ گئی تھی۔

نجانے کیوں اسکے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی تھی۔

میر کی آنکھوں میں موجود شدت۔۔۔ سچائی۔۔۔ اور برسوں کی تڑپ صاف دکھائی دے رہی تھی۔

پورے لاؤنج میں موجود سب افراد انہی دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

بی جان کے لبوں پر دعا بھری مسکراہٹ تھی۔

زیمرہ شاہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے۔

عیان شاہ بار بار اپنی بیٹی کو دیکھ رہے تھے جیسے ڈر ہو کہ کہیں یہ خواب ٹوٹ نہ جائے۔

باسل مسلسل مسکرا رہا تھا۔

حیام تو خوشی سے بار بار قہقہے لگا رہی تھی۔

منت خاموش بیٹھی تھی مگر اسکے چہرے پر بھی سکون تھا۔

آج واقعی اس حویلی کی خوشیاں واپس آ گئی تھیں۔

برسوں کی دعائیں قبول ہوئی تھیں۔

اور شاہ حویلی۔۔۔ جو اتنے سال اداس رہی تھی۔۔۔ آج پھر سے زندہ ہو گئی تھی۔۔۔

....

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

میر شاہ اسے اپنی مضبوط بانہوں میں اٹھائے سیدھا کچن میں لے آیا تھا۔
حوریب ایک لمحے کو تو حیران ہوئی تھی مگر پھر خاموشی سے اسکے گلے میں
بازو ڈالے اسے دیکھتی رہی۔

اسکا ناشتہ واقعی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

،کاؤنٹر پر رکھا مینگو جوس، ٹوسٹ اور فرائی ایگ اب اپنی تازگی کھو چکے تھے
مگر میر شاہ کے چہرے پر ایسی سنجیدگی تھی جیسے دنیا کا سب سے اہم کام اس
وقت صرف روح کو ناشتہ کروانا ہو۔

کچن میں موجود تمام ملازم حیرانی سے اپنے سردار سائیں کو دیکھ رہے تھے۔

سردار میر شاہ۔۔۔ جو اپنے رعب اور خاموش طبیعت کے لیے مشہور تھا۔۔۔ آج خود کچن میں کھڑا تھا۔

”سب لوگ باہر جائیں۔۔۔“

اسکے دھیمے مگر حکم والے لہجے پر سب فوراً سر جھکاتے باہر نکل گئے تھے۔

لیکن جاتے جاتے ہر ایک کے چہرے پر خوشی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

برسوں پرانے ملازم آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"ہماری چھوٹی شہزادی واپس آ گئی۔۔۔"

"اللہ کا شکر ہے حویلی کی رونق واپس آ گئی۔۔۔"

"دیکھو سردار سائیں کے چہرے کی خوشی۔۔۔"

حوریب ان سب کی باتیں سنتی خاموش ہو گئی تھی۔

نجانے کیوں دل کے اندر ایک انجان سا سکون اترنے لگا تھا۔

میر نے اسے آہستہ سے اٹھا کر کچن کے ماربل شیلف پر بٹھایا تھا۔

اسکے دونوں طرف ہاتھ رکھ کر وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

حوریب نے نظریں چرا لیں۔

پھر آہستہ سے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ایسے۔۔۔ جیسے برسوں کی دعائیں اچانک حقیقت بن گئی ہوں۔

”آپ کو پتا ہے۔۔۔ مجھے تو بالکل بھی کلنگ نہیں آتی۔۔۔“

حوریب نے خاموشی توڑی تھی۔

”مینز۔۔۔ زیرو۔۔۔“

اسنے دونوں ہاتھ ہوا میں ہلاتے معصومیت سے کہا۔

میر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

وہ دوبارہ ٹوسٹ سینکتے ہوئے بولا۔

”تو کوئی بات نہیں۔۔۔“

پھر اسنے پلٹ کر اسے دیکھا۔

میں اپنی شہزادی کو خود بنا کر دیا کروں گا۔۔۔ سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے اسنے اسکے نرم ہاتھ کو پکڑ کر ہلکا سا بوسہ دیا تھا۔

حوریب بےاختیار ہنس پڑی تھی۔

اسکا قہقہ پورے کچن میں بکھر گیا تھا۔

میر چند لمحے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔۔۔؟"

حوریب نے شرارت سے پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں۔۔۔"

وہ آہستہ سے بولا۔

”اتنے سال کیسے گزارے تمہارے بغیر۔۔۔“

حوریب کی مسکراہٹ دھیمی ہوئی تھی۔

دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

میر نے جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا۔

پھر اسے دوبارہ بانہوں میں اٹھا لیا۔

"!میر شاہ۔۔۔"

حوریب ہنستی ہوئی اسکے کندھے پر ہاتھ مارنے لگی۔

"!میں چل سکتی ہوں۔۔۔"

"پتا ہے۔۔۔"

وہ پرسکون لہجے میں بولا۔

”لیکن دل نہیں مان رہا۔۔۔“

وہ اسے ڈائننگ کے ایک کونے میں رکھی کرسی پر لا کر بٹھا چکا تھا۔

خود اسکے سامنے بیٹھنے کے بجائے ساتھ والی چیئر کھینچ کر قریب آیا۔

پلیٹ اسکے سامنے رکھی۔

پھر ٹوسٹ کا چھوٹا سا بائٹ توڑ کر اسکی طرف بڑھایا۔

حوریب نے فوراً لب سکیڑے۔

"!میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں میر شاہ۔۔۔"

میر نے بنا پلک جھپکائے اسے دیکھا۔

”لیکن میرے لیے۔۔۔“

اسکی آواز دھیمی ہوئی تھی۔

“میری روح آج بھی وہی چھوٹی سی بچی ہے۔۔۔ جو میرے ہاتھ کے
علاوہ کسی سے کھانا نہیں کھاتی تھی۔۔۔”

حوریب نے فوراً آنکھیں چھوٹی کیں۔

"جھوٹ بول رہے ہیں نا۔۔۔؟"

میر نے نفی میں سر ہلایا۔

"سچی۔۔۔ میری جان۔۔۔"

اسکے لہجے میں ایسی نرمی تھی کہ حوریب چند لمحے خاموش رہ گئی۔

میر نے ٹوسٹ دوبارہ اسکی طرف بڑھایا۔

اس بار حوریب نے خاموشی سے کھا لیا۔

میر کے لبوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔

"گڈ گرل۔۔۔"

"میں گڈ گرل نہیں ہوں۔۔۔"

حوریب نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”مجھے سب کہتے ہیں میں بہت ضدی ہوں۔۔۔“

”ہمم۔۔۔ پتا ہے۔۔۔“

میر نے جوس کا گلاس اسکی طرف کرتے کہا۔

بچپن میں بھی میری ہاتھ"

پکڑ کر پورے گھر میں گھومتی تھی۔۔۔ اور اگر میں کسی اور سے بات کر لیتا

"تو فوراً غصہ ہو جاتی تھی۔۔۔

حوریب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"رئیلی۔۔۔؟"

"ہمم۔۔۔"

میر ہلکا سا ہنسا۔

"ایک بار تو باسل کو صرف اس لیے کاٹ لیا تھا کیونکہ وہ میرے قریب بیٹھ گیا تھا۔۔۔"

"واٹ۔۔۔؟!"

حوریب زور سے ہنس پڑی تھی۔

اسکی ہنسی دیکھ کر میر کے چہرے پر برسوں بعد مکمل سکون آیا تھا۔

وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

”کیا ہوا۔۔؟“

حوریب نے جوس پیتے پوچھا۔

میر نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اسکے گال سے بریڈ کا چھوٹا سا ذرہ صاف کیا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔"

اسکی نظریں پھر اسکی آنکھوں میں ٹھہر گئی تھیں۔

"بس دل کر رہا ہے وقت یہیں رک جائے۔۔۔"

۔۔۔۔۔۔۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

جسم میں ہلکی ہلکی ٹوٹ پھوٹ اور سر میں اٹھتے درد نے منت شاہ کی حالت عجیب کر دی تھی۔ پورا دن سب لوگوں نے حور عین کے ساتھ گزارا تھا۔ حویلی میں برسوں بعد خوشیوں کی رونق لوٹی تھی، ہر طرف قہقہے تھے دعائیں تھیں، جذبات تھے، لیکن اس سب شور کے باوجود منت کے دل میں ایک انجانا سا بوجھ مسلسل بڑھ رہا تھا۔

وہ بستر پر لیٹنے لگی تھی کہ پاس پڑی پانی کی بوتل خالی نظر آئی۔ اس نے تھکے انداز میں آنکھیں بند کیں، پھر بے زاری سے اٹھ بیٹھی۔

”اُف یار۔۔۔ ایک تو پہلے ہی تھک چکی ہوں۔۔۔“

وہ بڑبڑاتی ہوئی بیڈ سے اتری تھی۔ ریڈ کلر کی شارٹ شرٹ اس کے وجود پر نرم انداز میں سمٹی ہوئی تھی جبکہ بال کھلے ہوئے کندھوں پر بکھرے تھے۔ اس نے بے دھیانی میں شرٹ کو تھوڑا سا ٹھیک کیا اور آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ پوری حویلی خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لمبے راہداریوں میں صرف مدھم پیلی روشنی جل رہی تھی۔ سب اپنے کمروں میں جا چکے تھے، اسی لیے وہ دوپٹہ لیے بغیر ہی باہر نکل آئی تھی۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہوگی۔

تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔

آپ کے تعاون کا شکریہ۔

وہ جلدی جلدی سیڑھیاں اترتی کچن کی طرف بڑھی، لیکن جیسے ہی اندر داخل ہوئی، اس کے قدم وہیں رک گئے۔

سامنے باسل شاہ کھڑا تھا۔

وہ سادہ بلیک ٹراؤزر اور وائٹ شرٹ میں اپنی آستینیں فولڈ کیے چائے بنا رہا تھا۔ ہلکی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، اور اس کی شخصیت ہمیشہ کی طرح حد سے زیادہ پرکشش لگ رہی تھی۔

منت کا دل بے اختیار زور سے دھڑکا تھا۔

اسے اپنے بغیر دوپٹے کے ہونے کا احساس ہوا تو فوراً اس نے کھلے بال آگے کر لیے۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر واپس جانا چاہتی تھی، لیکن باسل نے اسے دیکھ لیا تھا۔

اس کے لبوں پر فوراً ایک دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔

”اوہ۔۔۔ تو میری ہارٹ بیٹ جاگ رہی ہے ابھی تک۔۔۔“

اسکی آواز میں وہی خطرناک سی نرمی تھی جس سے منت ہمیشہ گھبرا جاتی تھی۔

منت نے فوراً نظریں چرائیں اور قدم پیچھے لیے، مگر اگلے ہی لمحے باسل تیز قدموں سے اس تک پہنچا تھا۔ اس نے اس کی کلائی پکڑتے اسے ہلکے زور سے کچن کی دیوار کے ساتھ پن کیا۔

”چ۔۔۔ چھوڑیں ہمیں باسل شاہ۔۔۔“

منت کے الفاظ کانپ رہے تھے۔

اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا جبکہ باسل کی قربت اس کی سانسوں کو الجھا رہی تھی۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو اس ڈریس میں۔۔۔“

باسل کی نگاہیں اس کے چہرے سے پھسلتی اس کے وجود تک گئی تھیں۔ اس نظر میں ایسی شدت تھی کہ منت کا چہرہ فوراً سرخ ہوا تھا۔

”شرم نہیں آتی آپ کو۔۔۔؟ کیا رشتہ ہے ہمارا۔۔۔؟“

منت نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے خود کو دور کرنے کی کوشش کی تھی، مگر باسل مزید قریب آیا تھا۔

”محبت کا۔۔۔“

اس نے دھیرے سے اس کے کان کے قریب جھکتے کہا۔

”عشق کا۔۔۔ جو تم نے مجھ سے کیا تھا، منت شاہ۔۔۔“

منت کی پلکیں لرزی تھیں۔

”اور میں تمہارا ہونے والا شوہر ہوں۔۔۔“

”بھول ہے آپکی، باسل شاہ۔۔۔“

منت نے مشکل سے اپنے لفظ مکمل کیے۔

”ہمارا رشتہ نفرت کا ہے۔۔۔ جدائی کا ہے۔۔۔ دوری کا ہے۔۔۔“

باسل چند لمحے خاموش اسے دیکھتا رہا۔

پھر اس نے دھیرے سے اپنی پیشانی اس کے قریب کی۔

”نہیں منت۔۔۔“

اسکی آواز میں عجیب سی شدت تھی۔

"یہ دوری۔۔۔ یہ نفرت۔۔۔ یہ جدائی۔۔۔ تم پانچ سال برداشت کر چکی ہو۔۔۔"

اسکی انگلیاں آہستہ سے اس کے بالوں میں الجھی تھیں۔

"اب صرف میرا عشق ہو گا۔۔۔ میری محبت ہو گی۔۔۔ میرا دیوانہ پن ہو گا۔۔۔"

منت کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔

وہ اس سے دور ہونا چاہتی تھی، مگر باسل کی موجودگی اس کے اعصاب کمزور کر رہی تھی۔

"مجھے نہیں چاہیے آپکی محبت۔۔۔"

اسکی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

میں کسی راہ چلتے سے شادی کر لوں گی۔۔۔ لیکن کبھی آپ سے "

نہیں۔۔۔"

یہ سنتے ہی باسل کی آنکھوں میں خطرناک سی چمک ابھری تھی۔

وہ مزید قریب آیا۔

"تو پھر تیار کر لو خود کو۔۔۔"

اسکی سانسیں اسکی گردن سے ٹکرائی تھیں۔

"بس کچھ دنوں میں تم میری شدتوں کو سہہ رہی ہو گی۔۔۔"

منت کا پورا وجود کانپا تھا۔

"تمہارا پور پور میری قربت میں مہکے گا۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے باسل نے دھیرے سے اپنے لب اسکی گردن پر رکھے تھے۔

منت کی آنکھیں فوراً بند ہوئی تھیں۔

اسکے ہاتھ بےاختیار باسل کی شرٹ کو پکڑ گئے تھے۔

”آ۔۔۔ آپ مجھے ہراس کر رہے ہیں۔۔۔“

اسکی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

باسل نے اسکی گردن سے لب ہٹاتے اسے دیکھا تھا۔

”نہیں۔۔۔ وارن کر رہا ہوں۔۔۔“

اسکی آنکھوں میں ضد واضح تھی۔

”اگر انکار کیا۔۔۔ تو اسکے انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔۔۔“

منت نے خود کو سنبھالتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”میری طرف سے انکار ہے۔۔۔“

وہ کانپتے لہجے میں بولی۔

”جو کرنا ہے کر لیں۔۔۔“

باسل کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

”جو میں کروں گا نا۔۔۔“

اس نے اسکے چہرے کے قریب جھکتے سرگوشی کی۔

”وہ تم سہہ نہیں پاؤ گی۔۔۔ میری ہارٹ بیٹ۔۔۔“

اور اگلے ہی لمحے اس کے لب منت کے لبوں کو چھو چکے تھے۔

منت جیسے ساکت رہ گئی تھی۔

اسکی پلکیں کانپی تھیں۔

باسل نے نرمی سے اسکے لبوں کو اپنے حصار میں لیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اسے اپنی قربت کی شدت محسوس کروا رہا تھا۔

”یہ نہ بھولو۔۔۔“

وہ اسکے لبوں کے قریب سرگوشی میں بولا۔

"کہ ہمارے درمیان یہ قربت اب زیادہ دیر دور نہیں رہے گی۔۔۔"

منت کی سانس اٹک رہی تھی۔

اسکا پورا وجود جیسے آگ کی لپیٹ میں تھا۔

باسل شاہ ہمارا ایسی قربت کا کوئی رشتہ نہیں ہے وہ غصے سے پھنکاری تھی

”صبح تک بن جائے گا رشتہ۔۔۔ میری جان۔۔۔“

باسل نے اسکے لب چھوڑتے اسکے شرم سے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

منت نے فوراً نظریں جھکا لی تھیں۔

وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی، مگر باسل اب بھی اسکے گرد حصار بنائے کھڑا تھا۔

"شادی کے بعد۔۔۔"

اسکی نگاہیں اسکے ریڈ ڈریس پر تھیں۔

"سارے ڈریسز تم صرف میری پسند کے پہنو گی۔۔۔"

منت کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"بہت ہاٹ لگ رہی ہو۔۔۔"

اسکے لہجے کی گہرائی نے منت کے وجود میں سنسنی دوڑا دی تھی۔

"قسم سے۔۔۔ اگر ہمارے درمیان رشتہ ہوتا نا۔۔۔"

اس نے دھیرے سے اسکے کان کے قریب جھکتے کہا۔

"تو اس وقت تم میری پناہوں میں ہوتی۔۔۔ اور میری ہر شدت سہہ رہی ہوتی۔۔۔"

منت کا چہرہ حد سے زیادہ سرخ ہوا تھا۔

وہ خود کو اسکی گرفت سے آزاد کرواتے تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلی تھی۔

کمرے میں آتے ہی اسنے فوراً دروازہ بند کیا تھا۔

اسکا جسم ابھی بھی کانپ رہا تھا۔

وہ دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی، پھر آہستہ سے اپنے لبوں پر ہاتھ رکھا۔

ابھی بھی اسے باسل کے لمس کی تپش محسوس ہو رہی تھی۔

اسکی سانسیں اٹک اٹک کر آ رہی تھیں۔

وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کہ باسل اتنا بدل کیسے گیا تھا۔

اسکی آنکھوں کے سامنے بار بار وہی شدت بھری نظریں آ رہی تھیں۔

منت نے بےاختیار اپنی آنکھیں بند کیں۔

اب اسے یقین ہو چکا تھا۔

کچھ بھی ہو جائے۔۔۔ وہ باسل شاہ سے دور نہیں بھاگ سکتی تھی۔

اور شاید۔۔۔ دل کے کسی کونے میں وہ خود بھی اسکی قربت سے بھاگنا نہیں چاہتی تھی۔

لیکن انا آڑے آرہی تھی ۔۔۔اتی بھی کیوں نا وہ میر شاہ کی بہن تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

حورعین کی واپسی کی خوشی میں پوری شاہ حویلی جگمگا اٹھی تھی۔ برسوں بعد اس حویلی میں ایسی رونق لوٹی تھی کہ ہر طرف خوشبو، روشنی، قہقہے اور

خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔ گاؤں کے ہر فرد کو دعوت دی گئی تھی۔ بے شک امیر ہو یا غریب، شاہ خاندان کے دروازے سب کے لیے کھلے تھے۔ حویلی کے باہر لمبی لمبی قمقموں کی لڑیاں جگمگا رہی تھیں جبکہ صحن میں خوبصورت سفید اور سنہری پھولوں کی سجاوٹ ماحول کو خواب جیسا بنا رہی تھی۔

،ملازم ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔ کوئی کھانوں کا انتظام دیکھ رہا تھا کوئی مہمانوں کے بیٹھنے کی جگہ۔ عورتوں کی ہنسی، بچوں کی آوازیں اور سازندوں کی مدھم دھنیں پورے ماحول کو جادوئی بنا رہی تھیں۔

لیکن اس سب کے درمیان ایک شخص تھا جو دنیا ومافیہا سے بے نیاز صرف ایک ہی وجود کے گرد گھوم رہا تھا۔

سردار میر شاہ۔

وہ واقعی آج ہر کام چھوڑے حورعین کے پیچھے پیچھے پھر رہا تھا۔ کبھی اسکے لیے جوس لے آتا، کبھی اسکے بالوں کو چہرے سے ہٹاتا، کبھی بنا وجہ اسکے قریب آ کھڑا ہوتا۔

حورعین آخرکار تنگ آکر اپنے کمرے میں آئی تھی۔

"یار آپ میرے پیچھے پیچھے کیوں آ رہے ہیں۔۔۔؟"

وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی، مگر اسکی آواز میں جھنجھلاہٹ سے زیادہ شرارت تھی۔

میر بھی فوراً اسکے پیچھے اندر آیا تھا۔

"کیونکہ میں چاہتا ہوں۔۔۔"

اسنے دروازہ بند کرتے لاک کیا تھا۔

"میں سارا وقت اپنی روح کے ساتھ گزاروں۔۔۔ دن رات۔۔۔ ہر لمحہ۔۔۔ ہر سانس۔۔۔"

حورعین کچھ بول پاتی، اس سے پہلے ہی میر نے اسے اپنی باہوں میں اٹھا لیا تھا۔

"!اف میر شاہ۔۔۔"

حورعین قہقہ لگاتے اسکے رخسار کھینچنے لگی تھی۔

"بہت رومینٹک ہیں آپ۔۔۔"

میر نے اسے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ اسکی نظریں مسلسل حورعین کے چہرے پر تھیں، جیسے برسوں کی پیاس اب جا کر بجھی ہو۔

"ابھی کہاں۔۔۔"

وہ دھیرے سے بولا۔

"میری شہزادی نے ابھی صرف پیار دیکھا ہے۔۔۔ رومینس تو ابھی بہت دور ہے۔۔۔"

اسنے جھکتے ہوئے پہلے اسکے رخسار پر نرم سا بوسہ دیا، پھر اسکی پلکوں پر لب رکھے۔

حورعین کی سانسیں ہلکی سی الجھ گئی تھیں۔

میر کی قربت میں عجیب سی شدت تھی۔ وہ سخت مزاج سردار اب صرف اسکے سامنے نرم پڑ جاتا تھا۔

”اچھا۔۔؟“

حورعین نے آنکھیں سکیڑتے اسے دیکھا۔

”یہ سب بھی پیار ہے کیا۔۔۔؟“

میر ہلکا سا مسکرایا تھا۔

”میرے حساب سے تو یہ صرف پیار ہے۔۔۔“

وہ اسے وارڈروب کے قریب لاتا نیچے اتارتے بولا۔

"رومینس تو میں اپنی حور سے شادی کے بعد کروں گا۔۔"

اسکی گرم سانسیں اب حورعین کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ حورعین نے نظریں جھکا لی تھیں۔

"نہیں۔۔ میرے حساب سے تو یہ بھی رومینس ہی ہے۔۔"

وہ دھیرے سے بولی۔

"آپ مجھ سے دور رہیں۔۔۔"

میر کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ آئی تھی۔

"نہیں میری جان۔۔۔"

وہ اسکے قریب جھکا۔

تھوڑا سا رومینس تو ایک کمبل میں۔۔۔ ایک بیڈ پر۔۔۔ سارے فاصلے“

مٹا کر ہوتا ہے۔۔۔”

“میر۔۔۔!”

حورعین کے رخسار فوراً سرخ ہوئے تھے۔

وہ شرم سے اسکے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹنا چاہتی تھی، مگر میر نے اسکی کمر تھام لی تھی۔

”افف۔۔۔ میری بھالو شرماتی کتنی پیاری لگ رہی ہو۔۔۔“

اسنے جھکتے ہوئے اسکی گردن پر بنے تل کو لبوں سے چھوا تھا۔

حورعین کا پورا جسم کانپا تھا۔

”!میر۔۔۔“

وہ بے اختیار اسکا چہرہ ہٹانے لگی تھی، مگر میر اسکی گردن پر اپنی شدت بھری قربت چھوڑ چکا تھا۔ چند لمحوں میں اسکی سفید گردن ہلکی سرخی میں ڈھل گئی تھی۔

حورعین کی ٹانگیں واقعی لرزنے لگی تھیں۔

بے شک اسکی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں یہ سب معمول کی بات سمجھی جاتی تھی، مگر اسنے کبھی کسی مرد کو اپنی حدوں کے قریب آنے نہیں دیا تھا۔

!صرف میر شاہ۔۔۔

صرف یہی شخص تھا جسکی قربت اسکے دل کی دھڑکنیں بے قابو کر دیتی تھی۔

"اف۔۔۔"

میر نے اسے دوبارہ اپنے سینے سے لگایا تھا۔

"اتنے سے پیار سے میری جان کی پوری گردن سرخ ہو گئی۔۔۔"

حورعین نے غصے سے رخ پھیرا تھا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔ پہلے سب کچھ کر لو۔۔۔ بعد میں دیکھنا سب پوچھیں گے یہ کیا ہوا۔۔۔"

میر فوراً ہنس پڑا تھا۔

”اووو۔۔۔ میرا بچہ تو ناراض ہو گیا۔۔۔“

اسنے واقعی کان پکڑ لیے تھے۔

”سوری میری جان کے ٹوٹے۔۔۔ سوری۔۔۔“

حورعین نے بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔

”نو سوری۔۔۔ پہلے مجھے شاپنگ پر لے کر جائیں۔۔۔“

وہ وارڈروب میں لٹکے اپنے شارٹ ڈریسز کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”مجھے شاپنگ کرنی ہے۔۔۔“

میر نے ایک نظر ان ڈریسز پر ڈالی، پھر معنی خیز انداز میں اسے دیکھا۔

”ہمم۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔“

وہ اسکے قریب آیا۔

"لیکن یہ سارے ڈریسز تم مجھے شادی کے بعد روز پہن کر دکھاؤ گی۔۔۔"

اسکے الفاظ پر حورعین کی سانس رک گئی تھی۔

میر نے اسکے لبوں پر ہلکا سا بوسہ دیا تھا۔

”آپ تو کتنے ڈیش ہیں۔۔۔“

حورعین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”مجھے لگا آپ معصوم سے ہیں۔۔۔“

”افف جانم۔۔۔“

میر نے اسے دوبارہ اٹھایا تھا۔

”بیوی خوبصورت ہو تو بندہ خود ہی ڈیش ڈیش بن جاتا ہے۔۔۔“

وہ اسے باہوں میں اٹھائے گول گول گھومنے لگا تھا۔

حورعین کا قہقہ پورے کمرے میں گونج رہا تھا جبکہ میر شاہ کی نظریں صرف اپنی برسوں بعد ملی روح پر ٹکی تھیں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

حویلی آج غیر معمولی طور پر لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ بڑے بڑے مہمان، قریبی رشتہ دار، اور گاؤں کے معزز لوگ سب ایک جگہ جمع تھے۔ شاہ خاندان کی یہ حویلی آج پھر اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ زندہ ہو گئی تھی۔

آنے والے مہمانوں کے استقبال میں ملازم دوڑ رہے تھے۔ کہیں چائے کا انتظام تھا، کہیں کھانے کی تیاری، اور کہیں سلام دعا کا شور۔

اسی ہجوم کے درمیان ایک گاڑی آ کر رکی۔

دروازہ کھلا، اور ماہیر خان اندر داخل ہوا۔

اس کی موجودگی نے جیسے ماحول کی ہوا بدل دی۔ وہ اس انداز میں چل رہا تھا کہ ہر قدم پر خود اعتمادی اور خاموش رعب جھلک رہا تھا۔ اس نے کوئی شوخ رنگ نہیں پہنا تھا، مگر اس کی سادہ سی ڈریسنگ بھی اس کی شخصیت کے سامنے نمایاں لگ رہی تھی۔

وہ سیدھا ہال کی طرف گیا، جہاں میر شاہ پہلے سے موجود تھا۔

”آج کیسے ہماری حویلی کا رخ کر لیا؟“

میر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، مگر اس کی آنکھوں میں پرانی یاری کی چمک تھی۔

ماہیر نے سامنے آ کر اس سے ہاتھ ملایا۔

”میرے یار کے لیے اتنی بڑی خوشی کی بات ہو، اور میں نہ آؤں؟“

"ہمم۔۔۔ تھینکس برو۔۔۔"

میر نے ہلکے انداز میں کہا، پھر ذرا سا ٹھہر کر اس کی طرف دیکھا۔

"ویسے مجھے بھی اپنی خوشیاں واپس چاہییں۔۔۔"

یہ جملہ سن کر ماہیر نے نظریں اٹھائیں۔

"کیا مطلب خوشی۔۔۔"

میر کے لہجے میں سوال تھا۔

میر نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کی، پھر اس نے قدرے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”حیام خان۔۔۔ میری بیوی۔۔۔ میری بچپن کی منکوحہ۔۔۔“

یہ سنتے ہی میر کے چہرے کا رنگ تھوڑا بدل گیا۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔۔۔؟“

میر نے گہری سانس لی، جیسے برسوں کا بوجھ ایک ساتھ اتر رہا ہو۔

یہی سچ ہے۔۔۔ مجھے بھی یہ بات کچھ وقت پہلے پتا چلی۔۔۔ شاید اگر“
”میں ماما بابا کی باتیں نا سن لیتا، تو اس کے ساتھ زیادتی ہو جاتی۔۔۔

وہ لمحہ بھر رکا، پھر اپنی انگلیاں میز پر رکھ کر ہلکی سی سختی سے بولا۔

"یہ بات شاید حویلی میں زرمین چچی اور آغا جان کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم۔۔۔ کیونکہ آغا جان میرے دادا نے اپنے فیصلے میں حیام کا نکاح مجھ سے کر دیا تھا۔۔۔ زبردستی۔۔۔ روایتوں کے نام پر۔۔۔"

ماہیر نے اپنی بات جاری رکھی۔

"زرمین چچی اسے اس سب سے بچانا چاہتی تھیں۔۔۔ لیکن شاید وہ میری قسمت تھی۔۔۔"

اس کی آواز میں ایک عجیب سا یقین تھا۔

”اسے میری ہونا تھا۔۔۔ اور یہ میری خوش قسمتی ہے۔۔۔“

ماہیر نے اسے دیکھتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

”ہمم۔۔۔ لیکن حیام۔۔۔؟“

میر نے فوراً سر اٹھایا۔

”اسے بتا چکا ہوں۔۔۔“

اس نے ہلکی سی بے بسی سے کہا۔

”لیکن وہ مانتی نہیں۔۔۔ اسے وقت لگے گا۔۔۔“

اس نے اپنے ہاتھ مٹھی میں بند کیے۔

”چلو میں آغا جان سے بات کرتا ہوں۔۔۔“

میر نے سنجیدگی سے کہا۔

”لیکن ایک بات یاد رکھنا۔۔۔ میری بہن کو خوش رکھنا۔۔۔“

اس کی آواز میں بھائی ہونے کی سختی تھی۔

”اور خدا کے لیے۔۔۔ اپنی ان دشمنیوں سے دور رکھنا اسے۔۔۔ یہ مافیا

والا حصہ اس کے سامنے مت لانا۔۔۔ بہت معصوم ہے میری بہن۔۔۔“

میر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

”ہمم۔۔۔ دیکھا ہے میں نے۔۔۔“

ماہیر نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”بہت معصوم ہے۔۔۔ تیکھی مرچ ہے تمہاری بہن۔۔۔“

وہ ہلکا سا ہنسا۔

”ساری دنیا جس سے ڈرتی ہے، وہ مجھے دھمکیاں دے رہی تھی۔۔۔“

ماہیر نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”تو پھر سمجھ لو۔۔۔ بہن بھی تو سردار میر شاہ کی ہے۔۔۔“

دونوں کے درمیان ایک لمحے کی خاموشی آئی، پھر دونوں مسکرا دیے۔

”اوکے۔۔۔“

میر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ذرا اپنی بیوی کا دیدار کر آؤں۔۔۔“

اور وہ ہجوم کے درمیان سے نکلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

وہ آنکھیں بند کیے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مسکارا لگائے اسے پھونک ماری کر خشک کر رہی تھی جبکہ بیک گراؤنڈ میں دھیمی موسیقی چل رہی تھی۔ کمرے میں ہلکی سی ونیلا خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ آج حویلی میں فنکشن تھا اور وہ کافی دیر بعد اتنے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

بلیک ساڑھی اسکے وجود پر کسی خواب کی طرح سج رہی تھی۔ باریک چمکتی سلور ایمبرائیڈری، کھلے ریشمی بال، اور ہلکی سی ریڈ لپ اسٹک اسکے چہرے کو مزید حسین بنا رہی تھی۔ وہ واقعی کسی ناول کی ہیروئن لگ رہی تھی۔

اسکی آنکھیں ابھی بند تھی جب کمرے میں ہلکی سی کھٹ پٹ محسوس ہوئی۔ مگر اسنے آنکھیں نہیں کھولیں۔

منت یار جلدی سے میرا یہ نیکلس تو پہنا دو۔۔۔ آلریڈی لیٹ ہو چکی"

"ہوں۔۔۔

اسنے بے فکری سے ڈریسنگ پر پڑے نیکلس کی طرف اشارہ کیا۔

چند لمحوں بعد گردن کے قریب ٹھنڈے دھات جیسے لمس کا احساس ہوا۔
پھر کسی کی گرم سانسیں اسکی گردن کو چھوئیں۔

”اسکی ہک اچھے سے بند کرنا۔۔۔ لوز ہے۔۔۔“

حیام نے ہلکی سی پھونک اپنی آنکھوں پر ماری اور اگلے ہی لمحے گردن پر کسی
کے نرم مگر شدت بھرے لب محسوس ہوئے۔

اسکا پورا جسم ایک دم ساکت ہوا۔

مخصوص کلون کی خوشبو اسکی سانسوں میں اتری تو اسنے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

آئینے میں اپنے پیچھے کھڑے وجود کو دیکھتے ہی اسکی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔

"آ۔۔۔آپ۔۔۔؟"

اسکی آواز حلق میں اٹک گئی۔

ماہیر خان اسکے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔ آف وائٹ رنگ کا قیمتی کُرتا، رولیکس گھڑی، ہلکی سی بکھری زلفیں اور آنکھوں میں وہی خطرناک جنون۔ وہ آج کسی رئیس زادے سے زیادہ ایک پاگل عاشق لگ رہا تھا۔

حیام نے آئینے میں اسکی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھا اور اسکا دل زور سے دھڑکا تھا۔

کیا بات ہے۔۔۔؟" وہ دھیمے لہجے میں بولا، "اتنی خوبصورت لگنے کا" ارادہ کس کے لیے ہے؟"

حیام نے گھبرا کر اسکے ہاتھ ہٹانے چاہے۔

"ج۔۔۔جائیں یہاں سے۔۔۔"

،پہلے یہ بتاؤ۔۔۔ ”اسکی نظریں آہستہ آہستہ اسکے وجود پر پھسلیں“

”یہ بلیک ساڑھی کس خوشی میں پہنی ہے؟“

حیام کے رخسار مزید سرخ ہوئے۔

”آ۔۔۔آج فنکشن ہے۔۔۔“

فنکشن ہے تو کیا مطلب؟ ”ماہیر نے اسکی ویسٹ کو مضبوطی سے پکڑ

”کر خود کے قریب کیا، “کوئی ڈھنگ کا لباس نہیں تھا تمہارے پاس؟

اسکی انگلیاں اسکی کمر پر حرکت کر رہی تھیں۔ حیام کے سانس بے ترتیب ہو رہے تھے۔

”یہ سب پہن کر کس کو دکھانا چاہتی ہو خود کو۔۔۔؟“

اسکی آواز میں وہی خطرناک possessiveness تھی۔

”یہ حسن۔۔۔ یہ رعنائیاں۔۔۔ سب میرا حق ہیں حیام خان۔۔۔“

اسنے جھکتے ہوئے اسکی ڈیپ گلے سے نظر آتے وجود پر لب رکھ دیے۔

حیام کے لبوں سے بے اختیار سسکی نکلی۔

”م۔۔۔ماہیر۔۔۔“

وہ دونوں ہاتھوں سے اسکی شرٹ پکڑ کر خود کو سنبھال رہی تھی۔ جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

ماہیر نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ اسکی نظریں اب حیام کے لبوں پر تھیں
جہاں شوخ ریڈ لپ اسٹک چمک رہی تھی۔

"سٹوڈنٹ ہو۔۔" وہ اسکے لبوں کے قریب آتے بولا، "اور کام
بیویوں والے کر رہی ہو۔۔"

حیام کی سانس رک گئی۔

"اتنی ڈیپ ریڈ لپ اسٹک۔۔۔؟ ابھی اتار دیتا ہوں۔۔۔"

اسنے اگلے ہی لمحے اسکے لب اپنے لبوں میں لے لیے تھے۔

حیام کی آنکھیں بے اختیار بند ہوئیں۔ اسکے ہاتھ کمزور احتجاج میں ماہیر کے سینے پر پڑے تھے مگر وہ ہنوز جھکا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ، شدت سے، اسکے لبوں سے لپ اسٹک ہٹا چکا تھا۔ جب تک کہ لپ اسٹک مکمل طور پر اتری نہیں تھی وہ اس پر جھکا رہا

حیام کی ٹانگوں میں جیسے جان ہی نہ رہی تھی۔

جب وہ پیچھے ہٹا تو حیام لمبے لمبے سانس لیتی اسکے سینے سے لگی ہوئی تھی۔
چہرہ دہک رہا تھا۔

ماہیر نے اسکی پشت سہلاتے اسے سنبھالا۔

"اب بہتر لگ رہی ہو۔۔۔"

"ج۔۔۔جائیں یہاں سے۔۔۔"

وہ مشکل سے بولی۔

"پہلے یہ ساڑھی بدلو۔"

"میں اتنی محنت سے تیار ہوئی تھی۔۔۔"

"اور میں برداشت نہیں کروں گا کہ میری بیوی اپنا حسن دوسروں کو دکھاتی پھرے۔"

اسکے لہجے میں حکم تھا۔

”مجھے نہیں بدلنی۔۔۔“

حیام نے پہلی بار ہمت کی۔

ماہیر کی آنکھوں میں خطرناک چمک آئی۔

اگر اگلے دو منٹ میں تم مجھے کسی سمپل ڈریس میں نظر نہ آئیں ناحیام“

”خان۔۔۔

وہ اسکے بالکل قریب آیا۔

تو مجھے تمہارے کپڑے خود بدلتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آئے“

”گی۔۔۔

اسنے اسکی کان کی لو کو دانتوں سے ہلکا سا دبایا۔

حیام کا جسم کانپ گیا۔

”ب۔۔۔بہت بدتمیز ہیں آپ۔۔۔ آئی ہیٹ یو۔۔۔“

وہ جھنجھلاتی ہوئی وارڈروب سے ایک سمپل فراک نکال کر واش روم میں چلی گئی۔

ماہیر ہلکا سا مسکرایا۔ آئینے میں اپنے لبوں پر لگی اسکی لپ اسٹک کو انگلی سے چھوا۔

"تیز مرچ۔۔۔"

ٹشو لیتے کہ اسٹک کو ریمو کیا

چند منٹ بعد حیام باہر آئی۔ اب اسنے ہلکی پنک فراک پہنی ہوئی تھی، بال جوڑے میں بندھے تھے اور دوپٹہ کندھے پر موجود تھا۔ مگر آنکھوں میں واضح ناراضگی تھی۔

ماہیر نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور اطمینان سے سر ہلایا۔

”اب ٹھیک لگ رہی ہو۔“

حیام نے غصے سے رخ پھیر لیا۔

”بیٹھو۔۔۔“

وہ خاموشی سے بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"پنک لپ اسٹک لگاؤ۔۔۔"

"مجھے نہیں لگانی۔۔۔"

"چلو پھر میں خود لگا دیتا ہوں۔۔۔"

اسکے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی ماہیر پھر اسکے قریب جھکا تھا۔

"ماہیر خان"

لیکن اگلے لمحے اسکے لب دوبارہ قید ہو چکے تھے۔

اس بار وہ پہلے سے زیادہ شدت سے اسے چوم رہا تھا۔ حیام کی سانسیں بری طرح الجھ گئی تھیں۔ اسکے ہاتھ بار بار ماہیر کو دھکیلنے کی کوشش کرتے مگر وہ ہنوز اسکے لبوں پر اپنی محبت کی سرخی چھوڑ رہا تھا۔

کچھ لمحوں بعد وہ پیچھے ہٹا۔

دیکھو۔۔۔" اسنے اسے آئینے کے سامنے کیا، "ریڈ تمہارا فیورٹ کلر "ہے نا۔۔۔

حیام نے کانپتی سانسوں کے ساتھ آئینے میں خود کو دیکھا۔

اسکے لب واقعی پہلے سے زیادہ سرخ، بھیگے اور دہکتے ہوئے لگ رہے تھے۔

وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

"بہت بے شرم ہیں آپ۔۔۔"

ماہیر نے ہنس کر اسکے رخسار کو چھوا۔

"شادی کے بعد دن رات ایسی لپ اسٹک فری میں ملے گی۔۔۔"

وہ اسکے کان کے قریب جھکا۔

”تیار کر لو خود کو۔۔۔ میری شدتیں برداشت کرنے کے لیے۔۔۔“

حیام نے جھٹ سے نظریں جھکا لیں۔

ماہیر آخری بار اسکے سرخ چہرے کو دیکھ کر مسکرایا، پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”پانچ منٹ میں نیچے آ جاؤ۔۔۔ اور ہاں۔۔۔“

وہ مڑا۔

”دوپٹہ اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں چاہیے۔۔۔“

دروازہ بند ہوا تو حیام نے اپنے تپتے چہرے پر ہاتھ رکھا۔

دل اب بھی بری طرح دھڑک رہا تھا۔

اور آئینے میں اسکے لب ابھی تک ماہیر خان کی شدت کا رنگ لیے ہوئے تھے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

حورعین نے پہلی بار مکمل مشرقی انداز اپنایا تھا۔

سادہ بلیک شلوار قمیض اسکے وجود پر عجیب سا حسن بکھیر رہی تھی جبکہ گلے میں پڑا ریڈ دوپٹہ اسکی گوری رنگت کو مزید نمایاں کر رہا تھا۔ بالوں کو اسنے

چھوٹی چھوٹی پنز سے آدھا سیٹ کیا ہوا تھا اور چند نرم لٹیں چہرے کے گرد بکھری ہوئی تھیں۔

بغیر میک اپ کے بھی وہ ایسی لگ رہی تھی جیسے کسی پریوں کی کہانی سے نکل کر آئی ہو۔

بی جان، زینرہ اور زیمرہ تو اسکا صدقہ اتارتے نہیں تھک رہی تھیں۔

”ماشااللہ۔۔۔ میری بچی کو کسی کی نظر نہ لگے۔۔۔“

بی جان نے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

روح ہر چیز کو بچوں کی طرح ایکسائٹمنٹ سے دیکھ رہی تھی۔ کبھی عورتوں کے بیچ جا کر بیٹھ جاتی، کبھی چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلنے لگتی، کبھی گاؤں کی عورتوں سے سوالات کرتی۔

اسکی شوخی اور معصومیت سب کے دل جیت رہی تھی۔

گاؤں کی لڑکیاں اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں جبکہ عورتوں کی زبان پر مسلسل ایک ہی جملہ تھا۔

"سردار سائیں کی روح واقعی حور ہے۔۔۔"

پورے گاؤں میں آج خوشی کا سماں تھا۔ میر شاہ نے حورعین کی واپسی کی خوشی میں مٹھائیاں تقسیم کروائی تھیں۔ کئی جانور قربان کیے گئے تھے۔ حویلی روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔

اسی شور اور قہقہوں کے درمیان میر شاہ سیڑھیوں سے نیچے اترا تھا۔

آج اسنے ڈارک براؤن کُرتا پہنا ہوا تھا، سفید شال کندھے پر تھی اور چہرے پر عجیب سا سکون۔

مگر اگلے ہی لمحے اسکی نظریں حورعین پر جا کر رک گئی تھیں۔

وہ ایک چھوٹے سے تین سالہ بچے کو گود میں اٹھائے اسکے گال چوم رہی تھی۔

میر کی آنکھوں میں فوراً ناگواری ابھری۔

”روح۔۔۔ یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔۔۔؟“

وہ تیز قدموں سے اسکی طرف آیا تھا۔

حور نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”پیار کر رہی تھی۔۔۔ یار بہت پیارا بچہ ہے۔۔۔“

میر نے فوراً بچے کو اسکی گود سے لے کر نیچے اتارا تھا۔

"خبردار۔۔۔"

اسکا لہجہ دھیمہ مگر خطرناک تھا۔

"اگر دوبارہ آپ مجھے کسی اور کو ایسے پیار کرتی نظر آئیں۔۔۔"

حور نے آنکھیں بڑی کیں۔

”میرے۔۔۔ وہ بچہ تھا۔۔۔“

”مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔۔“

اسنے ایک پل کو بھی توقف نہ کیا۔

آپ صرف میری ہیں۔۔۔ اور آپکا سارا پیار صرف میرے لیے ہونا"
چاہیے"۔۔۔

وہاں بیٹھی عورتوں کے لبوں سے بے اختیار "ماشااللہ "نکلا تھا۔

انکے سردار سائیں واقعی پہلے جیسے ہو گئے تھے۔

حور نے بے بسی سے لب بھینچے۔

”لیکن میر۔۔۔“

”لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔“

میر نے اسکے ہونٹوں کو اپنے انگوٹھے سے چھوا۔

”میں برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔“

اسکی نظریں ابھی بھی ان لبوں پر تھیں جہاں چند لمحے پہلے بچے کا بوسہ تھا۔

جیسے اس چھوٹے سے لمس نے بھی اسے بے چین کر دیا ہو۔

اگلے ہی لمحے اسنے حور کا ہاتھ پکڑا اور سب کی نظروں سے بچاتے لان کے پچھلے حصے کی طرف لے گیا۔

"میر شاہ۔۔۔ سب دیکھ رہے ہیں۔۔۔"

"دیکھنے دو۔۔۔"

وہ ایک سنسان کونے میں رکا۔

حور ابھی کچھ بولنے ہی والی تھی کہ میر اسکے بالکل قریب جھکا تھا۔

اور پھر اسکے لبوں پر اپنے لب رکھ دیے۔

شدید۔۔۔ گرم۔۔۔ لرزا دینے والا لمس۔

حور کی آنکھیں بے اختیار بند ہوئیں۔

اسکی سانسیں بری طرح الجھ گئی تھیں۔

میر جیسے واقعی اس بچے کا لمس مٹانا چاہتا تھا۔

اسکے ہاتھ حور کی کمر کے گرد مضبوطی سے بندھے تھے جبکہ حور کا کانپتا وجود مکمل اسکے حصار میں تھا۔

وہ پہلی بار میر کی اس شدت کو اس طرح محسوس کر رہی تھی۔

اسکے رخسار انار کی طرح سرخ ہو چکے تھے۔

ٹانگوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

اور میر۔۔۔ وہ اب بھی جھکا ہوا تھا۔

آخرکار اپنی معصوم روح پر ترس کھاتے وہ آہستہ سے پیچھے ہٹا۔

حور نے مشکل سے آنکھیں کھولیں۔

”م۔۔۔میر شاہ۔۔۔ ی۔۔۔یہ سب کیا تھا۔۔۔؟“

وہ بمشکل بول پائی تھی۔

میر نے اسکی پشت سہلائی۔

"یہ ہونٹ صرف مجھ سے پیار کرنے کے لیے بنے ہیں۔۔۔"

اسکی آواز میں جنون تھا۔

"میں کسی کا اتنا سا بھی لمس ان پر برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔"

وہ اگلے ہی لمحے اسے باہوں میں اٹھا چکا تھا۔

"میر۔۔۔ باہر فنکشن۔۔۔"

"فنکشن ختم ہو چکا ہے میری جان۔۔۔"

وہ اسے لیے سیدھا اپنے کمرے میں آیا تھا۔

کمرے میں ہلکی مدھم روشنی تھی۔

میر نے اسے احتیاط سے بیڈ پر بٹھایا، پھر خود جھکتے اسکے پاؤں سے جوتے اتارنے لگا۔

حور نے فوراً پاؤں پیچھے کیے۔

”آپ ایسے کرتے ہیں جیسے میں کوئی چھوٹی بچی ہوں۔۔۔“

میر نے اسکی طرف دیکھے بغیر مسکراتے کہا۔

”بچی ہی تو ہو۔۔۔“

”پھر یہ بڑوں والی حرکتیں کیوں کرتے ہیں میرے ساتھ۔۔۔؟“

حور نے منہ بنایا۔

میر ہنس پڑا۔

وہ اسکے قریب آیا اور بیڈ پر اسکے ساتھ بیٹھ گیا۔

”تاکہ میں روح کے ہر وقت میرے حواسوں پر چھایا رہوں ۔۔۔“

حور نے آنکھیں گھمائیں۔

"آپ ویسے بھی ہر وقت میرے سر پر سوار رہتے ہیں۔۔۔ مطلب بندے کی کوئی پرائیویسی ہی نہیں۔۔۔"

میر نے اسے خود پر گھورتا دیکھا تو ہلکا سا جھکا۔

"روح۔۔۔ تم میری زندگی ہو۔۔۔ مجھ سے کچھ مت چھپانا۔۔۔"

اسنے اسکی گردن پر بنے تل پر نرم لب رکھے۔

"اور جہاں میں موجود ہوں۔۔۔ وہاں پرائیویسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔"

حور نے شرماتے ہوئے اسے ہلکا سا دھکا دیا۔

"ہمم۔۔۔ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔۔۔؟"

میر کی آنکھوں میں اچانک نرمی اتری۔

”کچھ دکھانے کے لیے۔۔۔“

وہ اٹھا اور وارڈروب کے ساتھ بنی لکڑی کی بڑی سی الماری کی طرف گیا۔

نیچے والے خانے سے اسنے ایک پرانا سیاہ باکس نکالا۔

باکس پر ہلکی سی گرد جمی تھی مگر اسے بہت احتیاط سے سنبھالا گیا تھا۔

میر وہ باکس لے کر واپس اسکے پاس آیا اور بیڈ پر بیٹھتے اسے کھولا۔

حور کی آنکھیں تجسس سے پھیل گئی تھیں۔

سب سے اوپر ایک چھوٹی سی پنک رنگ کی ہیئر کلپ رکھی تھی۔

”یہ۔۔۔؟“

حور نے حیرت سے پوچھا۔

میر ہلکا سا مسکرایا۔

”تمہاری ہے۔۔۔“

اسنے اگلی چیز اٹھائی۔

ایک ننھی سی بریسلیٹ۔

پھر ایک چھوٹا سا ٹیڈی بیئر۔

”یہ سب آپ نے رکھا ہوا تھا۔۔؟“

حور کی آواز آہستہ ہوئی۔

”برسوں سے۔۔۔“

میر کی نظریں باکس پر تھیں۔

"مجھے یقین تھا میری روح واپس آئے گی۔۔۔"

حور خاموش ہو گئی۔

میر نے پھر ایک تصویر نکالی۔

تصویر میں چھوٹی سی حور میر کی گود میں بیٹھی اسکے رخسار پر بوسہ دے رہی تھی جبکہ میر کی عمر شاید دس ہو گی۔

حور کے لبوں سے بے اختیار ’’اوہ مائی گاڈ‘‘ میں اتنی بے شرمی نہیں ہو سکتی میر اسنے آنکھوں پر ہاتھ رکھا میر مسکرایا تھا

دوسری تصویر میں وہ اسکے سینے پر لیٹی سو رہی تھی۔

میر یہ سب کیا ہے۔۔۔وہ بلش کرتی بولی

اب یہ سب شادی کے بعد کرنا ہے میری روح نے میرے ساتھ میر نے آنکھ دبائی تھی

ایک تصویر میں چھوٹی حور میر کے بال کھینچ رہی تھی۔

اور ایک میں میر اسے باہوں میں اٹھائے گھما رہا تھا۔

حور کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”میں۔۔۔ اتنی خوش تھی۔۔۔“

وہ آہستہ سے بولی۔

میر نے اسکی طرف دیکھا۔

”کیونکہ تم میرے ساتھ تھیں۔۔۔“

حور نے اگلی تصویر دیکھی جہاں ننھی حور نے میر کے گالوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا۔

”اووو۔۔۔ میں تو بچپن سے ہی آپ پر فدا تھی۔۔۔“

وہ ہنس دی۔

میر نے فوراً اسکی کمر کھینچ کر خود کے قریب کیا۔

”اور میں آج تک تم پر فدا ہوں۔۔۔“

حور اسکے سینے سے لگتے ہلکا سا شرما گئی۔

میر نے اسکے ماتھے پر لب رکھے۔

”اب کہیں نہیں جانے دوں گا اپنی روح کو۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔“

میں بھی کہی نہیں جاؤں گی۔۔۔ روح نے اپنا ماتھا اسکے ماتھے پر اٹکایا تھا۔۔

سب لوگ لاؤنج میں جمع تھے۔✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

ہلکی ہلکی ہنسی مذاق اور گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔ باسل نے کافی کا مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے روح کی طرف دیکھا۔

روح، اب یہ کیوراسٹی ختم کرو۔ جب بشیر تمہیں یہاں سے لے گیا تھا تو" "تم مرزا انکل تک کیسے پہنچی؟

ہاں نا روح، پلیز بتاؤ۔ "منت بھی فوراً بولی۔"

روح جو میر کے ساتھ ٹک کر بیٹھی تھی، سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"...اچھا سنو"

اس نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ آپ کا ڈرائیور مجھے لے کر نکلا تھا۔ پھر راستے میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو"
"گیا۔

کیا؟ "منت چونکی۔"

"ہاں۔ اور جس گاڑی سے ٹکر ہوئی وہ بابا کی تھی۔"

واہ"... باسل نے حیرت سے سر ہلایا۔ "یہ تو واقعی فلمی سین لگ رہا ہے۔"

روح ہنس دی۔

"پھر بابا مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ اسلام آباد آئے ہوئے تھے۔ کچھ دن
بعد مجھے پرتگال لے گئے اور پھر..."

اس کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ آگئی۔

"انہوں نے مجھے اپنی بیٹی بنا لیا۔"

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

میر نے آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"...اف روح"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تمہاری زندگی کی کہانی تو واقعی کسی ناول جیسی ہے۔"

روح نے فخر سے گردن اکڑائی۔

"میں بھی یہی کہتی ہوں۔"

سب ہنس پڑے۔

اسی دوران حیام نے لمبی آہ بھری۔

"کاش میری زندگی بھی کسی ناول جیسی ہوتی۔"

ماہیر نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں شرارت ابھر آئی تھی۔

"...کوئی نہیں"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"کچھ دن اور صبر کرو، تمہاری زندگی بھی ناول کی طرح ہو جائے گی۔"

حیام نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"مطلب؟"

مطلب "...ماہیر نے معنی خیز انداز میں بھنویں اچکائیں۔"

"سرپرائز۔"

"نہیں، پہلے بتائیں۔"

حیام فوراً بولی۔

"نہیں بتاؤں گا۔"

"پھر مجھے نہیں جاننا۔"

"اچھا؟"

"جی ہاں۔"

"پھر بعد میں مت کہنا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

اب سب دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

باسل تو باقاعدہ مزہ لے رہا تھا۔

"مجھے لگ رہا ہے حیام کو ٹینشن لگ گئی ہے۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

مجھے کیوں ٹینشن ہو گی؟ "حیام فوراً بولی۔"

"کیونکہ ماہیر کے سرپرائز ہمیشہ خطرناک ہوتے ہیں۔"

اس بار منت کی ہنسی نکل گئی۔

روح نے فوراً تائید کی۔

"یہ بات تو سو فیصد سچ ہے۔"

"تم لوگ میرے خلاف ہو۔"

ماہیر نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

ہم حقیقت پسند ہیں۔ "میر نے کافی پیتے ہوئے جواب دیا۔"

جس پر ایک بار پھر سب ہنس پڑے جبکہ حیام ابھی بھی شک بھری نظروں سے ماہیر کو دیکھ رہی تھی۔

"میں پہلے ہی بتا رہی ہوں..."

اس نے انگلی اٹھائی۔

"اگر یہ سرپرائز کتابیں یاد کروانے والا ہوا نا، تو میں گھر چھوڑ دوں گی۔"

پورا لاؤنج قہقہوں سے گونج اٹھا جبکہ ماہیر نے بےبسی سے اپنا سر ہلا دیا تھا۔....

....

فنکشن ختم ہو چکا تھا۔

حویلی میں اب آہستہ آہستہ خاموشی اتر رہی تھی۔ نیچے لان میں چند ملازم صفائی میں مصروف تھے جبکہ دور کہیں برتنوں کی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آسمان پر کالے بادل چھانے لگے تھے اور ٹھنڈی ہوا حویلی کے بڑے بڑے برآمدوں سے ہوتی ہوئی اندر تک آ رہی تھی۔

منت اپنے کمرے میں آئی تو عجیب سی گھٹن محسوس ہوئی۔

دل بے چین تھا۔

شاید پورا دن باسل کی نظروں، اسکے انداز اور اسکی شدت نے اسے اندر تک مضطرب کر دیا تھا۔

وہ آہستہ سے کمرے سے نکلی اور سیڑھیاں چڑھتی چھت پر آ گئی۔

ہوا اسکے کھلے بالوں کو بار بار چہرے پر لا رہی تھی۔

اسنے دونوں بازو اپنے گرد لپیٹے اور آسمان کی طرف دیکھا۔

”کاش دل بھی ایسے برس جاتا۔۔۔“

وہ دھیمے سے بڑبڑائی۔

نیچے کوریڈور میں کھڑا باسل اسے اوپر جاتے دیکھ چکا تھا۔

اسنے ماتھا مسلا۔

یہ لڑکی واقعی پاگل ہے۔۔۔ بارش ہونے والی ہے اور خود چھت پر جا"
رہی ہے۔۔۔ پھر بیمار ہو گی۔۔۔"

وہ بڑبڑاتا تیز قدموں سے اوپر آیا۔

چھت پر پہنچتے ہی ٹھنڈی ہوا اسکے چہرے سے ٹکرائی۔

منت چھت کے کنارے کے قریب کھڑی تھی۔ ہلکے رنگ کا لباس ہوا میں لہرا رہا تھا جبکہ اسکے کھلے بال بار بار اسکی گردن پر بکھر رہے تھے۔

باسل چند لمحے بس اسے دیکھتا رہا۔

پھر آہستہ آہستہ اسکی طرف بڑھا۔

"منت۔۔۔"

اسکی بھاری آواز پر منت نے چونک کر رخ موڑا۔

"آپ۔۔۔؟"

”یہاں کیا کر رہی ہو۔۔۔؟“

”گھٹن ہو رہی تھی کمرے میں۔۔۔“

وہ دھیمی آواز میں بولی۔

باسل اسکے قریب آ کر رکا۔

”اور یہاں آ کر بارش میں بیمار ہونے کا ارادہ ہے۔۔۔؟“

منت نے نظریں چرا لیں۔

”آپ کو کیوں فکر ہو رہی ہے۔۔۔؟“

باسل ہلکا سا جھکا۔

”کیونکہ تم میری ہارٹ بیٹ ہو۔۔۔“

منت کی پلکیں بے اختیار جھک گئیں۔

ہوا اب مزید تیز ہو رہی تھی۔

بادل زور سے گرجے۔

اچانک آسمان پر بجلی چمکی۔

منت ڈر کر بے اختیار باسل کے سینے سے جا لگی۔

باسل کے لبوں پر فوراً ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

اسنے مضبوطی سے اسے اپنی بانہوں میں لیا۔

"ڈرپوک۔۔۔"

منت کو تب احساس ہوا کہ وہ کس طرح اسکے سینے سے لگی ہوئی ہے۔

وہ فوراً پیچھے ہٹنا چاہتی تھی مگر اچانک اسکا نیکلس باسل کی شرٹ کے بٹن میں الجھ گیا۔

"اوہ شٹ۔۔۔"

منت گھبرا گئی۔

باسل نے نیچے دیکھا پھر اسے۔

"لگتا ہے قسمت بھی ہمیں الگ نہیں ہونے دینا چاہتی۔۔۔"

"باسل پلیز۔۔۔ نکالیں اسے۔۔۔"

وہ بری طرح الجھی۔

اسی لمحے بارش کی پہلی بوند ان دونوں پر گری۔

پھر دوسری۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

چند لمحوں میں دونوں پوری طرح بھیگ چکے تھے۔

باسل نے بغیر کچھ کہے اپنی باہیں اسکے گرد مزید مضبوط کر دیں۔

اسکا بھیگا وجود مکمل طور پر باسل کے سینے سے لگا ہوا تھا۔

بارش سے بھیگا لباس اسکے جسم کی نزاکت کو نمایاں کر رہا تھا۔

باسل کی نظریں ایک لمحے کو اس پر ٹھہریں تو اسنے بےاختیار لمبی سانس لی۔

”پوری چلتی پھرتی آفت ہو تم۔۔۔“

اسکی آواز بھاری ہو چکی تھی۔

اسنے آہستہ سے منت کے بھیگے بال گردن سے ہٹائے۔

سفید مومی گردن بارش کی بوندوں سے چمک رہی تھی۔

باسل جھکا اور اسکی بھیگی گردن پر اپنے لب رکھ دیے۔

منت کا پورا وجود کانپ اٹھا۔

”آ۔۔۔آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔۔۔“

وہ مشکل سے بولی۔

”اور تم مجھے بہکا رہی ہو۔۔۔“

باسل نے سرگوشی کی۔

”مجھے جانے دیں۔۔۔“

”سینے سے تم خود آ کر لگی ہو۔۔۔ میں نہیں۔۔۔“

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

اسکی انگلی منت کے بھیگے لبوں پر پھسلی۔

منت کی سانس رک سی گئی۔

”ب۔۔باسل۔۔۔“

”جی جان۔۔۔ باسل۔۔۔“

وہ دھیمے مگر شدت بھرے لہجے میں بولا۔

اسنے اسکی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر کیا۔

”پلیز مجھے جانے دیں۔۔۔ کیوں میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔۔۔؟“

منت جھنجھلاتے ہوئے نیکلس الگ کرنے کی کوشش کرتی بولی۔

مگر باسل تو اسکے گلابی بھیگے لبوں کو دیکھ رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ جھکا اور اسکے لبوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

اس بار شدت پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔

منت کے ہاتھ بےاختیار اسکے سینے پر ٹکے تھے۔

اسکے پورے جسم میں ایک عجیب سی گرمی دوڑ گئی تھی۔

وہ اس سے دور ہونے کی کوشش کرنے لگی مگر باسل نے ایک ہاتھ اسکے سر کے پیچھے رکھتے اسے مزید قریب کر لیا۔

بارش مسلسل ان دونوں پر برس رہی تھی۔

منت کی سانسیں بری طرح الجھ چکی تھیں۔

آخرکار باسل تھوڑا پیچھے ہٹا۔

اسکی پیشانی منت کی پیشانی سے لگی ہوئی تھی۔

"یہ دل تو نہیں بھرنے والا۔۔۔ لیکن تم چھوٹی سی جان اتنی دیر یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔"

وہ بہکے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ شادی کے بعد ٹرین کر دوں گا۔۔۔"

منت نے شرم اور گھبراہٹ سے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔

باسل نے ایک ہی جنبش میں اسکا نیکلس اپنی شرٹ سے الگ کیا۔

مگر اسے خود سے دور نہیں کیا۔

اسنے اسکے گیلے رخسار پر انگلی پھیری۔

”شاباش۔۔۔ اب نیچے جاؤ۔۔۔ اور وارم واٹر سے شاور لو۔۔۔“

پھر اسنے دھیمے سے اسکے ماتھے پر لب رکھے۔

میں چائے بنا کر بھیجتا ہوں۔۔۔ پی لینا۔۔۔ ورنہ بخار ہو جائے
گا۔۔۔"

باسل اسے بانہوں میں اٹھائے سیڑھیوں تک لے آیا تھا۔

سیڑھیوں کے قریب اسے نیچے اتارا تو منت ایک لمحہ بھی وہاں نہ رکی۔

وہ دھڑکتے دل اور کانپتے وجود کے ساتھ بھاگتی ہوئی نیچے اتر گئی۔۔۔

...

حویلی کے وسیع ڈرائنگ روم میں اس وقت سب لوگ موجود تھے۔

بھاری فانوس کی سنہری روشنی پورے ہال پر پھیلی ہوئی تھی جبکہ دیواروں پر لگے قدیم فریمز حویلی کی شان کو مزید بڑھا رہے تھے۔

بی جان اپنی مخصوص رعب دار شخصیت کے ساتھ بڑے صوفے پر بیٹھی تھیں۔

انکے برابر میں آغا جان تھے جبکہ عیان شاہ اور شاہزیب شاہ بھی سنجیدگی سے وہاں موجود تھے۔

سردار میر شاہ ہمیشہ کی طرح اپنی مخصوص وجاہت اور خاموش رعب کے ساتھ بیٹھا تھا۔

سفید شال اسکے کندھے پر نفاست سے رکھی ہوئی تھی جبکہ اسکی گہری نظریں ہر چیز کا خاموشی سے جائزہ لے رہی تھیں۔

دوسری طرف باسل شاہ آرام سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی مگر نظریں بار بار دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

”نمرہ۔۔۔ منت، روح اور حیام بچے کو بلا کر لے کر آؤ۔۔۔“

زینزہ شاہ نے ملازمہ کو آواز دی۔

کمرے میں ایک عجیب سی پُراسرار خوشی تھی۔
سب کے چہروں پر معنی خیز مسکراہٹیں پھیلی ہوئی تھیں۔

تبھی دروازہ کھلا۔

ماہیر شاہ دھیمے قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

آج اسنے بلیک کے بجائے ڈارک گرے کلر کا خوبصورت کُرتا پہنا ہوا تھا جس پر ہلکی کڑھائی اسے مزید وجیہہ بنا رہی تھی۔

کلائی پر مہنگی گھڑی اور چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اسکی شخصیت میں عجیب کشش پیدا کر رہی تھی۔

وہ محبت اور ادب سے سب سے ملا۔

پھر سیدھا جا کر میر شاہ کے برابر خالی جگہ پر بیٹھ گیا۔

اسی لمحے سیڑھیوں کی طرف سے قدموں کی آواز آئی۔

حیام بلیو کلر کی شارٹ شرٹ کے ساتھ کھلا جینز ٹراؤزر پہنے اندر داخل ہوئی تھی۔

بال کھلے تھے اور چہرے پر ہمیشہ والی بے نیازی تھی۔

اللہ خیر کرے۔۔۔ آج تو کافی رونق لگی ہے حویلی"
میں۔۔۔"ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے وہ مسکراتے ہوئے بولی

مگر جیسے ہی اسکی نظر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھے ماہیر پر پڑی۔۔۔

اسکے قدم وہیں رک گئے۔

ماہیر نے بس ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

لیکن اس نظر میں ایسی خاموش وارننگ تھی کہ حیام کے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔

”د۔۔۔دوپٹہ۔۔۔“

وہ آہستہ سے خود سے بڑبڑائی۔

نظریں جھکائے وہ جلدی سے آ کر خالی صوفے پر بیٹھ گئی۔

اسکے فوراً بعد حوریب بھی اندر آئی تھی۔

آج بھی اسکے چہرے پر وہی چمکتی مسکراہٹ تھی۔

میر شاہ کی نظریں جیسے ہی اس پر پڑیں اسکے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

وہ فوراً کھڑا ہوا۔

”یہاں آؤ روح۔۔۔“

اسنے اپنے سامنے والی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

حوریب ہنستی ہوئی اسکے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔

منت بھی آہستہ آہستہ چلتی وہاں آئی تھی۔

سرخ ہوتی آنکھیں اور مسلسل ناک صاف کرنا واضح بتا رہا تھا کہ اسکی طبیعت ابھی تک خراب تھی۔

وہ خاموشی سے جا کر حیام کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"بچوں۔۔۔ آج ہم لوگوں نے تم سب کے لیے ایک فیصلہ کیا ہے۔۔۔"

بی جان نے دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

"امید ہے کہ آپ سب کو ہمارے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔۔۔"

حوریب تو موبائل میں مصروف تھی۔

اسکے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

مگر حیام کا دل ماہیر کے لبوں پر پھیلی چیلنجنگ مسکراہٹ دیکھ کر زور سے دھڑکا تھا۔

منت کے ہاتھ بھی بےاختیار کانپ رہے تھے۔

وہ پہلے ہی اندازہ لگا چکی تھی کہ بات کہاں جانے والی ہے۔

“بی جان سوری بٹ۔۔۔ مجھے کوئی فیصلہ منظور نہیں ہے آپ سب کا۔۔۔”

حیام اچانک بول پڑی۔

سب کی نظریں اسکی طرف اٹھیں۔

”بچے پہلے سن تو لو۔۔۔“

شاہزیب شاہ نے نرمی سے کہا۔

"ماموں جان میں جانتی ہوں۔۔۔ مجھے ماہیر خان سے ڈیوورس ہی چاہیے۔۔۔"

اسنے جلدی سے کہا۔

شادی اپنی پسند سے کرنا ہر کسی کا حق ہے۔۔۔ جب ایک بندہ ہوش" میں ہی نہیں ہوتا اور اسکا نکاح کر دیا جائے نا۔۔۔ تو میں ایسی رضامندی نہیں مانتی۔۔۔ اور نہ ہی حویلی کی ایسی روایتیں۔۔۔"

ماہیر نے ماتھا مسلا تھا۔

اسکی آنکھوں میں واضح غصہ اتر آیا تھا مگر اسنے خود کو قابو میں رکھا۔

"لیکن کیا کمی ہے ماہیر میں بچے۔۔۔؟"

میر شاہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

”لیکن میر لالہ۔۔۔ مجھے پسند نہیں۔۔۔ اتنے سیریس سے ہیں۔۔۔“

حیام نے منہ بنایا۔

میر شاہ ہلکا سا ہنسا۔

”تو تمہیں کیسا چاہیے گڑیا۔۔۔؟ ہم اسے ویسا ہی بنا دیں گے۔۔۔“

اسنے ماہیر کو آنکھوں سے ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا۔

"کیرنگ۔۔۔ لونگ۔۔۔ اینڈ ناولز کے ہیرو کی طرح۔۔۔

رومینٹک۔۔۔"

حیام جلدی سے بولتے ہوئے اپنی زبان دانتوں تلے دبا گئی۔

ایک لمحے کو اسکی نظر ماہیر پر پڑی۔

اسکی آنکھیں واقعی سرخ ہو رہی تھیں۔

بچے۔۔۔ یہ رشتہ برسوں سے قائم ہے۔۔۔ شادی آپکی ماہیر خان"
سے ہی ہوگی۔۔۔"

بی جان نے اس بار لہجہ سخت کیا تھا۔

"کوئی خاص انکار کرنے کا جواز نہیں ہے آپکے پاس۔۔۔"

"بی جان۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن کچھ نہیں بچے۔۔۔"

بی جان نے بات کاٹ دی۔

"ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں ماہیر خان کو۔۔۔ جیسے بھی ہیں۔۔۔ مگر اپنی بیوی کو بہت خوش رکھیں گے۔۔۔"

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

پھر میر شاہ نے سیدھا ہوتے ہوئے فیصلہ سنایا۔

"اور اسی ہفتے۔۔۔ اسی حویلی میں سب کے نکاح اور رخصتی ہو گی۔۔۔"

"کیا ہے یار۔۔۔ کوئی سنتا ہی نہیں۔۔۔"

حیام نے ہونٹ باہر نکالے۔

سب کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ آ گئی۔

”کسی اور کو کوئی مسئلہ۔۔۔؟“

شاہزیب شاہ نے سب کی طرف دیکھا۔

منت کے ہاتھ بے اختیار مروڑنے لگے۔

آخرکار اسنے ہمت کی۔

"جی بابا۔۔۔ مجھے باسل شاہ سے شادی نہیں کرنی۔۔۔"

کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

باسل نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

اسکی نظریں گہری ہو گئی تھیں۔

”منت گڑیا۔۔۔ اب آپ بھی۔۔۔“

میر شاہ نے نرمی سے کہا۔

”بھائی۔۔۔ وہ۔۔۔ بس اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ میں نے انکو ہمیشہ اپنا بھائی مانا۔۔۔“

منت نے نظریں جھکا لیں۔

باسل کے لبوں پر ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ آئی۔

”شادی سے پہلے سب بھائی ہوتے ہیں میری جان۔۔۔“

وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

منت نے فوراً اسے گھورا تھا۔

زینزہ شاہ اٹھ کر اسکے قریب آئیں۔

”مجھے بس آپ کو ہی اپنی بہو بنانا ہے۔۔۔“

انہوں نے محبت سے اسکا چہرہ تھاما۔

”چچی جان۔۔۔“

منت کی آواز میں بےبسی تھی۔

”کچھ مزید نہیں بچے۔۔۔اسی ہفتے کے اینڈ پر آپکی شادی ہو گی۔۔۔“

منت خاموش ہو گئی۔

ہاتھ اب بھی بے اختیار کانپ رہے تھے۔

”مجھے بھی آپ کو ہی بھابھی بنانا ہے۔۔۔“

حوریب نے قہقہ لگاتے اسکا ہاتھ پکڑا۔

میر شاہ نے ایک نظر اپنی شہزادی کے چہرے پر ڈالی۔

اسکی آنکھوں میں خوشی تھی۔۔۔ سکون تھا۔۔۔ اور برسوں بعد مکمل ہونے والے خاندان کی چمک تھی۔۔۔

....

حیام منہ پھلائے لان میں لگے جھولے پر بیٹھی تھی۔

شام کے دھندلکے نے پورے حویلی کے ماحول کو عجیب سا نرم اور خوابناک بنا دیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا درختوں کے پتوں سے کھیلتی اسکے کھلے بال بار بار چہرے پر لا رہی تھی۔ لان کے ایک کونے میں لگی پیلی روشنی اسکے وجود پر پڑ رہی تھی جہاں اسکا ہلکا سا ناراض چہرہ مزید معصوم لگ رہا تھا۔

لیکن اسکے اندر سکون نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

کبھی آنکھوں کے سامنے ماہیر کا بےباک انداز آتا...

کبھی اسکی سرگوشیاں...

کبھی وہ شدت بھری نظریں...

اور پھر بے اختیار اسکے رخسار سرخ ہو جاتے۔

”افففف۔۔۔!“

اسنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ رگڑا تھا۔

۔۔۔وہ خود زندہ دل، شرارتی، ہنس مکھ مزاج کی لڑکی تھی جبکہ ماہیر

ماہیر تو بلا کا سنجیدہ انسان تھا۔

اوپر سے اتنا حاوی ہونے والا کہ جیسے ہر چیز پر اسی کا حق ہو۔

"!آئی ہیٹ ماہیر خان۔۔۔"

وہ غصے سے زور سے بولی تھی۔

راہداری سے گزرتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولتے ماہیر کے قدم اپنا نام سنتے رکے تھے۔

اسنے گردن موڑی۔

سامنے جھولے پر بیٹھی اپنی پٹاخہ کو دیکھتے ہی اسکے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

ہلکے گرے رنگ کے کرتے میں وہ ہمیشہ کی طرح رعب دار لگ رہا تھا۔ کلائی پر گھڑی، ہلکی بڑھی شیو اور آنکھوں میں وہی مخصوص جنون۔

وہ دھیرے دھیرے اسکی طرف آیا تھا۔

حیام نے اسے اپنی طرف آتا دیکھا تو فوراً رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

”جی جانِ ماہیر۔۔۔؟“

اسکی بھاری آواز کانوں سے ٹکرائی تو حیام کا دل ایک پل کو دھڑکا تھا۔

ماہیر نے قریب آتے ہی اسکی کلائی پکڑی اور ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا تھا۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔
میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔
اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔
تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔
آپ کے تعاون کا شکریہ۔

حیام سیدھا اسکے قریب آ گئی۔

”چھوڑیں مجھے۔۔۔ بات نہیں کرنی آپ سے۔۔۔“

وہ غصے سے بولی تھی مگر آواز میں وہی کپکپاہٹ تھی۔

ماہیر نے جھک کر اسکے چہرے کو غور سے دیکھا۔

”...اففف۔۔۔ یہ ناراضگی کا انداز“

وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"دل کر رہا ہے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاؤں... پھر خاص شوہروں والے انداز میں مناؤں اپنی بیوی کو..."

حیام نے فوراً اسکی طرف دیکھا۔

"میں آپکی بیوی نہیں ہوں۔۔۔"

ماہیر کے لبوں پر گہری مسکراہٹ آئی تھی۔

”...نکاح نامہ کچھ اور کہتا ہے جانم“

اسنے آگے بڑھ کر اسکے تیکھے ناک پر اپنے لب رکھے تھے۔

حیام کا سانس اٹکا تھا۔

”...چھوڑیں۔۔۔ میں نے بولا“

وہ خود کو آزاد کروانا چاہ رہی تھی مگر ماہیر کی گرفت نرم ہونے کے باوجود مضبوط تھی۔

"پہلے یہ بتاؤ..."

اسنے اسکے بالوں میں انگلیاں پھیرتے کہا۔

"دوپٹہ کہاں ہے تمہارا...؟"

حیام نے فوراً چہرہ بنایا۔

”...مجھے نہیں لینا“

”کیوں؟“

”...بھاری لگتا ہے“

”...ہمم“

ماہیر نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

دو گز دوپٹے کا وزن برداشت نہیں ہوتا... لیکن دو گز کی زبان پوری دنیا پر چلتی ہے..."

حیام نے اسے گھورا تھا۔

"آپ ہمیشہ مجھے تنگ کیوں کرتے ہیں...؟"

"کیونکہ تم تنگ ہونے پر بہت خوبصورت لگتی ہو..."

وہ اسکے بالوں کو انگلیوں سے درست کرتا بولا تھا۔

حیام نے فوراً اپنا چہرہ دوسری طرف کیا۔

”…شادی کے بعد دن رات دوپٹہ لے کر رکھا کروں گی“

ماہیر ایک پل خاموش ہوا پھر آہستہ سے اسکے اور قریب جھکا۔

”…نہیں“

اسکی آواز بھاری ہوئی تھی۔

"شادی کے بعد مجھے اپنے اور تمہارے درمیان ان کپڑوں کا دخل
بالکل نہیں چاہیے..."

حیام کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"م... مطلب...؟"

ماہیر نے جواب دینے کے بجائے اسکی کان کی لو کو اپنے لبوں میں لیا تھا۔

”آہ۔۔۔ اللہ“

اسکے دانتوں کے ہلکے دباؤ پر حیام سسکی تھی۔

ماہیر کی آنکھوں میں فوراً چمک ابھری۔

”۔۔۔کیا ہوا...؟ ابھی تو کچھ کیا ہی نہیں“

وہ اسی کے انداز میں بولا تھا۔

حیام نے فوراً اسکے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"بس۔۔۔ آپ سب کچھ کر کے یہی کہتے ہیں"

"پھر رومینس تو کرنا پڑے گا نا..."

وہ ہلکا سا ہنسا تھا۔

آخر میری بیوی نے خود کہا ہے کہ اسے رومانوی ناولوں کے ہیرو جیسا"

"...شوہر چاہیے

حیام نے فوراً نظریں چرا لیں۔

"...میں نے ایسے ہی کہا تھا"

"...لیکن میں نے دل پر لے لیا"

ماہیر نے سرگوشی کی۔

"ڈونٹ وری۔۔۔ تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا"

وہ اب اسکے اتنا قریب تھا کہ حیام کو اسکی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں۔

"اور پرسوں"

اسنے اسکی کلائی پر انگوٹھا پھیرتے کہا۔

"ہم شاپنگ پر جا رہے ہیں۔۔۔ ریڈی رہنا"

حیام نے چونک کر اسے دیکھا۔

”کیوں...؟“

”کیونکہ میری بیوی کے سارے نائٹ ڈریس اب میں اپنی پسند سے خریدوں گا...“

حیام کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

”م۔۔۔ ماہیر خان...!“

اسکا چہرہ ٹماٹر کی طرح سرخ ہوا تھا۔

ماہیر ہلکا سا ہنسا۔

”۔۔۔باقی کپڑے تم اپنی مرضی سے لے لینا“

”۔۔۔آپ بہت بے شرم ہیں“

"...اور تم بہت حسین"

وہ اسکے قریب جھکا تھا۔

"...خطرناک کومبینیشن ہے جانم"

حیام نے فوراً چہرہ جھکا لیا۔

اسکا دل اب بری طرح دھڑک رہا تھا۔

ماہیر نے اسکی حالت دیکھی تو مسکرایا تھا۔

پھر آہستہ سے اسکی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔

”اب جاؤ...“

وہ دھیمی آواز میں بولا۔

”ورنہ آج پھر خود پر کنڑول مشکل ہو جائے گا...“

حیام نے فوراً اسے گھورا تھا۔

لیکن اگلے ہی لمحے وہ اسکے سینے سے ہلکا سا دھکا دے کر تیزی سے وہاں سے بھاگی تھی۔

اور پیچھے کھڑا ماہیر شاہ...

اپنی سرخ ہوتی تیکھی مرچ کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"...بہت تنگ کرو گی تم مجھے حیام خان"

وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"...لیکن اب پوری زندگی صرف میری ہو"

....

حویلی کے اوپری حصے میں موجود عیان شاہ اور زیزہ شاہ کے کمرے میں آج برسوں بعد وہ رونق لوٹی تھی جس کے بغیر یہ کمرہ ہمیشہ ادھورا محسوس ہوتا تھا۔

درودیوار پر نرم سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے باہر رات کی خاموشی تھی جبکہ اندر محبت، سکون اور اپنائیت کی گرمائش۔

حوریب بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔

اسکے ہاتھ میں پرانا فوٹو البم تھا جبکہ زیزہ شاہ اسکے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

”یہ دیکھو ماما…“

حوریب نے قہقہہ لگاتے ایک تصویر آگے کی۔

”یہ میں ہوں…؟ اتنی موٹی تھی میں؟“

عیان شاہ زور سے ہنسے تھے۔

”موٹی نہیں… گول مٹول پری تھی ہماری…“

”بابا پلیز…“

حوریب نے منہ بنایا۔

”یہ دیکھیں میرے گال ...اللہ توبہ“

”...اور یہ بھی دیکھو“

زیزہ شاہ نے ایک اور تصویر دکھائی۔

”تمہارے بابا نے پوری حویلی سر پر اٹھالی تھی کیونکہ تم نے پہلی بار ’بابا‘ کہا تھا...“

”سچ میں...؟“

"جی ہاں..."

عیان شاہ محبت سے اسے دیکھتے بولے۔

"تمہارے ایک لفظ پر ہم پوری دنیا قربان کر دیتے تھے..."

حوریب کی آنکھوں میں نمی سی ابھری تھی۔

اتنے سال...

اتنا فاصلہ...

اور آج پہلی بار وہ واقعی اپنے ماں باپ کے درمیان بیٹھی تھی۔

”بابا۔۔۔“

وہ آہستہ سے انکے قریب سرکتی تھی۔

”آپ لوگوں نے مجھے ڈھونڈنا بند کیوں نہیں کیا۔۔۔؟“

عیان شاہ کا چہرہ بدل گیا تھا۔

انہوں نے فوراً اسکا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"...کیونکہ سانس لینا بند کیا جا سکتا ہے"

انکی آواز بھاری ہوئی۔

"...لیکن اولاد کو بھلایا نہیں جا سکتا"

حوریب کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

وہ فوراً جھک کر اپنے بابا کے سینے سے لگ گئی۔

عیان شاہ نے اسے مضبوطی سے اپنے حصار میں لیا تھا جیسے اب دوبارہ کبھی اسے خود سے دور نہ ہونے دیں گے۔

زینرہ شاہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔

"میری بچی..."

وہ اسکے سر پر بوسہ دیتی بولیں۔

"تمہیں پتہ ہے میں ہر عید پر تمہارے کپڑے الگ رکھتی تھی..."

حوریب نے فوراً سر اٹھایا۔

"سچ...؟"

"ہمم..."

زیزہ ہلکا سا ہنسیں۔

"اور تمہارے بابا ہر سال نئی جیولری خرید لیتے تھے کہ جب ہماری حور واپس آئے گی تو اسے دیں گے..."

"بابااا۔۔۔"

حوریب نے بچوں کی طرح انکے گلے میں بازو ڈال دیے تھے۔

"آپ دونوں اتنے ایموشنل کیوں ہیں۔۔۔"

"کیونکہ ہماری بیٹی ڈرامے باز ہے..."

عیان شاہ نے اسکی ناک کھینچی تھی۔

"میں ڈرامے باز نہیں ہوں..."

”۔۔۔ہو“

زینزہ فوراً بولیں۔

”...بالکل اپنے بابا پر گئی ہو“

”۔۔۔بیگم“

عیان شاہ نے احتجاج کیا۔

”۔۔۔بابا پلیز“

حوریب نے ہنستے ہوئے انکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیا۔

"۔۔۔آپ اتنے ہینڈسم ہو ...ڈرامے باز تو ہو سکتے ہیں"

عیان شاہ نے فوراً کالر اونچا کیا۔

"...دیکھا زیزہ۔۔۔؟ آخر بیٹی کس کی ہے"

"...جی ہاں ... تعریف سن کر ابھی آئینے کے سامنے چلے جائیں گے"

اسی لمحے دروازہ کھلا تھا۔

میر شاہ اندر داخل ہوا۔

سفید شلوار قمیض پر ہلکی شال ڈالے وہ ہمیشہ کی طرح رعب دار لگ رہا تھا مگر جیسے ہی اسکی نظر حوریب پر پڑی۔۔۔ اسکے چہرے کے تاثرات نرم ہوئے تھے۔

”۔۔۔تو آپ یہاں چھپی بیٹھی ہیں“

وہ دھیمے انداز میں بولا۔

حوریب نے فوراً اپنے بابا کے سینے سے مزید خود کو چپکایا۔

"جی ہاں..."

اسنے جان بوجھ کر کہا۔

"اور اب میں اپنے بابا کے ساتھ سارا ٹائم گزاروں گی..."

میر نے آنکھیں سکیڑی تھیں۔

”۔۔۔روح“

”۔۔۔نہیں“

وہ فوراً بولی۔

”۔۔۔آج میں کہیں نہیں جا رہی“

”...چلو آؤ“

میر اسکی طرف بڑھا۔

"کہیں چلتے ہیں..."

"نہیں میر..."

حوریب نے فوراً انکار کیا۔

"میں اپنے بابا کے ساتھ رہوں گی..."

"بھتیجے..."

زیزہ شاہ ہنستے ہوئے بولیں۔

"ہمیں بھی ہماری بیٹی کے ساتھ کچھ وقت گزارنے دو..."

”...چچی جان“

میر نے ماتھا مسلا تھا۔

”...صبح سے آپکی بیٹی آپ لوگوں کے پاس ہی تھی“

”تو...؟“

”...لیکن اب ہمارا ٹائم ہے“

وہ بے تکلفی سے بولا تھا۔

حوریب نے فوراً آنکھیں پھیلائیں۔

"ہمارا۔۔۔؟"

میر نے جواب دینے کے بجائے سیدھا اسکی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"میر۔۔۔"

حوریب نے وارننگ دی۔

"جی روح..."

"ادھر ہی رکیں..."

"ممکن نہیں..."

اگلے ہی لمحے اسنے بے باکی سے اسے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا تھا۔

"!...میررر"

حوریب نے فوراً اسکی گردن پکڑی۔

عیان شاہ اور زیزہ دونوں ہنس پڑے تھے۔

"...افففف... کتنے بےشرم ہیں آپ"

حوریب نے شرماتے ہوئے اسکے سینے پر ہاتھ مارا۔

میر نے جھک کر اسکے ماتھے پر لب رکھے۔

"اور تم میری شہزادی ہو..."

"بابا دیکھیں نا..."

وہ فوراً عیان شاہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"یہ ہر وقت مجھے اٹھا لیتے ہیں..."

”...تو اٹھانے دو“

عیان شاہ آرام سے بولے۔

”...ہم بھی کبھی تمہاری ماما کو ایسے ہی اٹھاتے تھے“

”!...عیان شاہ“

زیزہ فوراً شرما گئی تھیں۔

حوریب زور سے ہنسی تھی۔

"اوہو بابااا..."

.....

میر اسے اٹھائے بانہوں میں کسی متاعِ جاں کی طرح اپنے کمرے سے ملحق بالکونی میں لے آیا تھا۔

رات کی نرم ٹھنڈی ہوا پورے ماحول میں بکھری ہوئی تھی۔ دور آسمان پر چاند آدھا بادلوں میں چھپا ہوا تھا جبکہ نیچے حویلی کی روشنیوں سے پورا صحن جگمگا رہا تھا۔

حوریب پنک کلر کی شارٹ قمیض کے ساتھ جینز پہنے ہوئے تھی۔

گلے میں لپٹا چھوٹا سا اسکارف بار بار ہوا سے لہرا رہا تھا۔

کھلے بال کندھوں پر بکھرے تھے اور اسکا چہرہ ہلکی روشنی میں کسی خواب جیسا لگ رہا تھا۔

میر نے صوفے پر بیٹھتے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا تھا۔

”میر... آپ ایسے کرتے ہیں جیسے میں کوئی چھوٹی بچی ہوں“

حوریب نے ہلکی شرارت سے اسکی گود سے نکلنا چاہا مگر میر نے فوراً بازو اسکی کمر کے گرد مضبوط کیے۔

"تو بچی ہی ہیں آپ..."

وہ دھیمے لہجے میں بولا اور اپنی ٹھوڑی اسکے کندھے پر ٹکا دی۔

حوریب کا دل بے ترتیب دھڑکنے لگا تھا۔

میر کے ہاتھ آہستہ آہستہ اسکے پیٹ پر حرکت کر رہے تھے۔ نہایت نرم مگر شدت بھرے لمس کے ساتھ۔

”…افف میر“

اسکی سانس الجھی تھی۔

وہ بےچین سی اسکے سینے سے لگ گئی۔

میر نے آنکھیں بند کر لیں۔

”روح۔۔۔“

اسکی آواز عجیب سی نمی لیے ہوئے تھی۔

”پتا ہے جب میں تمہیں بہت مس کرتا تھا نا...تو میں اسی جگہ بیٹھ کر اللہ سے تمہیں مانگتا تھا...“

حوریب خاموشی سے اسے سنتی رہی۔

"مجھے لگتا تھا شاید اس بالکونی سے میری دعا آسمان تک جلدی پہنچ جائے..."

وہ ہلکا سا ہنسا مگر آواز بھاری تھی۔

"اور آج... آج میں تمہیں یہاں اس لیے لایا ہوں تاکہ خدا کا شکر ادا کر سکوں... اس نے میری سب سے بڑی خوشی مجھے واپس دے دی..."

اسنے اسکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے مسلے تھے۔

حوریب کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

”میر۔۔۔“

وہ آہستہ سے بولی۔

”آپ مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں۔۔۔؟“

میر نے فوراً اسکا رخ اپنی طرف موڑا۔

اسکی نظریں حوریب کے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں۔

”...میری جان“

وہ دھیرے سے بولا۔

”۔۔۔اپنی جان سے بھی زیادہ“

اور اگلے ہی لمحے اسنے جھک کر اسکے رخسار پر اپنے لب رکھ دیے تھے۔

حوریب کا سانس اٹکا تھا۔

”میں کیسے مان لوں...؟“

وہ شرارت سے بولی۔

”...کہ آپ واقعی مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں“

اسنے سیدھے ہوتے دونوں بازو میر کے گرد ڈالے اور جان بوجھ کر پیچھے کو جھکی تھی۔

میر نے فوراً اسے سنبھالا۔

خود صوفے پر لیٹتے اسے اپنے اوپر گرا لیا۔

حوریب پوری طرح اسکے وجود پر آ گری تھی۔

"میر..."

اسکے جسم میں سنسنی دوڑی تھی۔

"جی... میر کی جان"

میر نے اسکی کمر پر ہاتھ پھیرتے اسے اور قریب کیا۔

”․․․و․․․وہ․․․ میں کہہ رہی تھی“

”․․․روح“

وہ دھیمی سرگوشی میں بولا۔

سکون سے لیٹیں․․․ مجھے محسوس کرنے دیں آپ کو... برسوں کے“
ہجر کی تکلیف ختم ہونے دیں․․․”

اسنے اسے ذرا سا اوپر کیا اور اپنا چہرہ اسکے سینے میں چھپا لیا۔

حوریب کی سانس بے ترتیب ہوئی تھی۔

میر جیسے اسکی خوشبو میں کھو گیا تھا۔

اسنے آہستہ سے اسکی بیوٹی بون پر لب رکھے۔

حوریب کی انگلیاں بےاختیار اسکے کندھوں پر بھینچ گئی تھیں۔

میر کے ہاتھ اسکے وجود پر بے ساختہ گردش کر رہے تھے۔

نرم... مگر شدت سے بھرپور۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور میر کی قربت اسے مسلسل کانپنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"روح..."

وہ جذبات سے بھری آواز میں بولا۔

”کبھی چھوڑو گی تو نہیں اپنے میر کو...؟“

اسنے اسے اپنے بازو پر لٹایا تھا۔

حوریب نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ فوراً نفی میں سر ہلایا۔

اسکی آنکھیں بند تھیں مگر وہ اب بھی اپنے کمر پر میر کے ہاتھ کی حرکت محسوس کر رہی تھی۔

اسنے آہستہ سے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

میر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

”میرا لال ٹماٹر...“

وہ دھیمے سے بولا اور اگلے ہی لمحے اسکے کانپتے لب اپنے لبوں میں لے لیے۔

حوریب کے جسم میں جیسے بجلی سی دوڑی تھی۔

میر آنکھیں بند کیے پوری شدت سے اس لمس کو محسوس کر رہا تھا۔

وہ بہت آہستگی سے اسکے لبوں کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

نرمی سے ...جیسے برسوں کی پیاس بجھا رہا ہو۔

ساتھ ہی اسنے اسے مزید اپنے سینے سے بھینچ لیا۔

کچھ لمحے دونوں خاموشی سے ایک دوسرے میں گم رہے۔

صرف سانسوں کی بے ترتیب آوازیں تھیں اور دلوں کی دھڑکنیں۔

حوریب کی سانس رکنے لگی تھی۔

اسنے ہلکا سا سر پیچھے کیا اور اپنے لب اسکی گرفت سے آزاد کروائے۔

پھر فوراً اسکے سینے میں چہرہ چھپا لیا۔

لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے۔

میر نے آنکھیں بند کیے اسکے بالوں میں چہرہ چھپا لیا۔

"روح۔۔۔ رو..."

اسکی آواز اب پہلے سے زیادہ بےچین تھی۔

"مجھے تم پوری کی پوری چاہیے ہو..."

حوریب کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

”...پوری رات“

وہ سرگوشی میں بولا۔

”...تمہارے لبوں کو اپنی قید میں لے کر گزارنا چاہتا ہوں“

حوریب نے فوراً سر اٹھایا۔

چہرہ مکمل سرخ ہو چکا تھا۔

میری سانس...اتنی دیر میں ہی رک رہی ہے...ا...اور آپ پوری رات کی بات کر رہے ہیں...“

میر ہلکا سا ہنسا تھا۔

”...تم میری سانسیں لے لینا“

وہ اسکے لب انگلی سے سہلاتے بولا۔

لیکن میں تمہیں ایسے ہی محسوس کرنا چاہتا ہوں ...بغیر کسی فاصلے کے...”

اسکی پختہ آواز نے حوریب کے وجود میں عجیب سی کپکپاہٹ دوڑا دی تھی۔

وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

...اور میر

وہ آج واقعی اپنی برسوں کی کھوئی ہوئی روح کو اپنے حصار میں محسوس کر رہا تھا۔

وہ بوجھل قدموں کے ساتھ کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔ رات کافی ہو چکی تھی، دل جیسے کسی انجانی بے چینی سے بھرا ہوا تھا۔ سانسیں بار بار بوجھل ہو رہی تھیں، اور جسم میں عجیب سی کمزوری اترتی جا رہی تھی۔

اچانک وہ تیزی سے واش روم کی طرف بھاگی۔ چند لمحوں بعد اسے شدید متلی ہونے لگی اور وہ جھک کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

کمرے کی خاموشی میں اس کی کمزور کھانسی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

اسی لمحے باسل جو اپنے کمرے میں چائے لے کر داخل ہوا ہی تھا، دروازہ ہلکا سا کھلا دیکھ کر رک گیا۔ اگلے ہی پل وہ بغیر سوچے اندر آ گیا۔ واش روم سے آتی آوازوں نے اس کے چہرے پر فوراً فکر کی لکیر ڈال دی۔

”منت۔۔۔“

وہ آہستہ سے پکارا، مگر جواب سے پہلے ہی منت نڈھال حالت میں باہر نکلی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا، آنکھیں نمی سے بھر گئی تھیں، اور جسم بری طرح کانپ رہا تھا جیسے ساری توانائی ختم ہو چکی ہو۔

باسل فوراً اس کی طرف بڑھا اور اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

”کیا ہوا ہے تمہیں۔۔۔؟“ اس نے اس کے ٹھنڈے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ ”اتنی ٹھنڈ کیوں ہو رہی ہو۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو نا۔۔۔ کچھ بولو۔۔۔

منت کی پلکیں بھاری تھیں، وہ مشکل سے کھڑی تھی۔

ج۔۔۔جی۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔۔۔"وہ کمزور آواز میں بولی، مگر" اس کی حالت اس کے الفاظ کی نفی کر رہی تھی۔

باسل کی آنکھوں میں بے چینی گہری ہو گئی۔

"منت کیا چھپا رہی ہو مجھ سے۔۔۔ بتاؤ مجھے۔۔۔"

اس نے اسے ہلکے سے سینے سے لگایا، جیسے اس کی حالت سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ مگر منت نے فوراً خود کو ہلکا سا پیچھے کیا۔

"کچھ نہیں ہوا۔۔۔ آپ جائیں یہاں سے۔۔۔"

اس نے کانپتے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

باسل کا چہرہ سخت ہوا، ایک لمحے کے لیے اس نے دیوار پر ہاتھ مارا، مگر فوراً خود کو سنبھالا۔

"یہ ضد کیوں ہے تم میں۔۔۔ تمہیں اندازہ بھی ہے تمہاری حالت کیا ہے۔۔۔؟"

منت نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور لڑکھڑاتے ہوئے دوبارہ واش روم کی طرف جانے لگی، مگر اس سے پہلے ہی باسل نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے روک لیا۔

ایک لمحے میں اس نے اسے بازوؤں میں اٹھایا اور بیڈ پر لا کر نرمی سے لٹا دیا۔ پھر جوتے ہٹائے اور خود بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔

منت کی سانسیں اب بھی بے ترتیب تھیں، وہ نڈھال سی لیٹی تھی۔

غلط کر رہے ہیں آپ باسل۔۔۔" وہ بمشکل بولی۔ "مجھے چھوڑ دیں۔۔۔"

باسل نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا، اور اس کے چہرے کے قریب جھک گیا۔

"مجھے بس تم ٹھیک چاہیے ہو۔۔۔ بس۔۔۔ اور کچھ نہیں چاہیے مجھے۔۔۔"

بوجھل سانسوں کے ساتھ بیڈ پر نیم بے ہوشی سی حالت میں لیٹی ہوئی تھی۔ جسم میں کپکپی اب بھی موجود تھی، اور آنکھیں بار بار بند ہو کر کھل رہی تھیں۔ الفاظ جیسے حلق میں اٹک رہے تھے۔

"وہ ہماری شادی نہیں ہوئی۔۔۔ آپ اپنے کمرے میں جائیں۔۔۔"

بند آنکھوں کے ساتھ بمشکل بولی، ہر لفظ کے ساتھ سانس ٹوٹ رہی تھی۔

باسل نے اس کی حالت دیکھی تو اس کی پیشانی پر فکر کی لکیر گہری ہو گئی، مگر لہجہ اب بھی اپنے اندر ایک سختی لیے ہوئے تھا۔

"دیکھو۔۔۔ سانس نہیں آ رہی تمہیں۔۔۔ جسم ٹھنڈا ہو رہا ہے۔۔۔ اور تم چاہتی ہو میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر چلا جاؤں؟"

وہ اس کے قریب جھکا، اور ایک لمحے میں اپنی ٹانگ اس کے درمیان رکھ کر پورا جسم اس کے قریب کر لیا۔ فاصلہ تقریباً ختم ہو گیا تھا۔

منت کی سانس ایک دم رک سی گئی۔

"ب۔۔باسل۔۔۔ نا آزمائیں مجھے۔۔۔ م۔۔میرا سانس۔۔۔"

وہ لرزتی آواز میں بولی، مگر اس کی کمزوری واضح تھی۔

باسل نے اس کے کندھے سے دوپٹہ آہستہ سے ہٹا دیا اور ایک طرف رکھ دیا۔ پھر کمبل کو بھی ہٹا دیا،

اور پھر۔۔۔ اس نے جھک کر اس کے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں میں لے لیا۔

ایک لمحے کے لیے کمرے کی فضا جیسے ساکت ہو گئی۔

منت کی انگلیاں بے اختیار اس کے سینے پر آ کر رک گئیں، مگر اس کا جسم کمزور تھا، مزاحمت مکمل نہیں تھی۔ آنکھوں کے کناروں سے آنسو بہہ نکلے، جو اس لمحے کی شدت میں گم ہو گئے۔

باسل نے چند لمحے بعد اس کے ہونٹوں کو چھوڑا، مگر اپنی پیشانی اس کے قریب رکھ دی۔

اس کی سانس اب بھی بھاری تھی، مگر انداز نرم ہو چکا تھا۔

ٹھیک ہو نا تم؟ ”اس کی آواز اب دھیمی تھی۔“

”کیا چھپا رہی ہو مجھ سے۔۔۔ میری ہارٹ بیٹ؟“

وہ ہلکا سا جھکا، اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی مس کی۔

منت نے مشکل سے آنکھیں کھولیں، مگر فوراً چہرہ موڑ لیا۔

”آپ جائیں پلیز۔۔۔ کوئی دیکھ لے گا۔۔۔“

اس کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔

باسل نے ہلکا سا طنزیہ مگر نرم مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

”دیکھ لے ۔۔۔ مجھے کون سا ڈر ہے ۔۔۔“

وہ اس کے قریب ہی بیٹھا رہا، بالکل ہٹنے کا ارادہ نہیں تھا۔

”ہونے والی بیوی ہو تم میری۔۔۔ ابھی ہوئی نہیں ہوں، مگر ہو جاؤ گی۔۔۔ بس تین دن ہیں منت۔۔۔“

اس کی آواز میں ایک جنون تھا جو محبت سے بھی گہرا تھا۔

”پھر تم میری زندگی میں مکمل آ جاؤ گی۔۔۔ میرے کمرے میں۔۔۔ میری پسند میں۔۔۔ میرے پناہوں میں۔۔۔ ہر جگہ صرف میں ہوں گا تمہارے ساتھ۔۔۔“

”اب بس آرام کرو۔۔۔ سمجھو میں یہی ہوں تمہارے پاس۔۔۔“

وہ اٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے پانی لینے گیا، اور واپس آ کر اس کے پاس رکھ دیا۔

”اگر دوبارہ طبیعت خراب ہو تو مجھے فوراً بلانا۔۔۔“

وہ دروازے کی طرف گیا، پھر ایک لمحے کے لیے رک کر پیچھے دیکھا۔

منت خاموش لیٹی تھی، مگر اس کے چہرے پر اس لمس کی ہلکی سی گرمی ابھی بھی باقی تھی، جو اسے اندر تک الجھا رہی تھی۔

دروازہ بند ہوا، اور کمرہ پھر خاموش ہو گیا۔۔۔ مگر اس خاموشی میں ایک نیا احساس جاگ چکا تھا۔

۔۔۔۔۔

پاکستان کے سب سے بڑے اور پر تعیش مال سینٹورس مال کے باہر یکے بعد دیگرے مہنگی گاڑیاں آ کر رک رہی تھیں۔

کالی رینج روور، سفید لیکسس، اور ڈارک گرے مرسڈیز کی چمکتی باڈیز رات کی روشنیوں میں مزید شاہانہ لگ رہی تھیں۔

مال کے باہر موجود لوگوں کی نظریں بے اختیار ان گاڑیوں کی طرف اٹھنے لگی تھیں۔

گارڈز فوراً آگے بڑھے تھے اور ادب سے گاڑیوں کے دروازے کھولنے لگے تھے۔

سب سے پہلے ایک گاڑی سے ماہیر خان اور حیام خان باہر اترے تھے۔

حیام نے وائٹ اور پنک کمبینیشن کا خوبصورت سا سوٹ پہنا ہوا تھا، کھلے بال ہلکی لہروں میں اسکے کندھوں پر بکھرے تھے۔ چہرے پر ہلکی سی گلوسی شائن اور آنکھوں میں ہمیشہ والی شرارت تھی۔دوپٹہ ہلکا سا بالوں کو ڈھانپے ہوئے تھا۔۔

دوسری گاڑی سے سردار میر شاہ اترے تھے، ساتھ حوریب تھی۔

بلیک شلوار قمیض کے ساتھ ریڈ دوپٹہ اور ہلکے curls میں بکھرے بال۔۔۔

وہ واقعی کسی خواب جیسی لگ رہی تھی۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔

تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔ آپ کے تعاون کا شکریہ۔

میر شاہ گاڑی سے اترتے ہی اسکے اتنا قریب آ کھڑا ہوا تھا جیسے ہوا بھی اس تک اجازت کے بغیر نا پہنچے۔

تیسری گاڑی سے باسل شاہ نکلا تھا۔

ساتھ منت تھی۔۔۔

سادہ مگر بے حد خوبصورت۔

اسکے چہرے کی خاموشی بھی عجیب کشش رکھتی تھی۔

کئی لوگوں نے پلٹ کر ان سب کو دیکھا تھا۔

کسی نے دھیرے سے کہا تھا۔

”یار یہ لوگ کسی ڈرامے کے characters لگ رہے ہیں۔۔۔“

باسل نے بے تکلفی سے منت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

منت نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا، مگر ہاتھ نہیں چھڑوایا۔

حیام گاڑی سے نکلتے ہی تیزی سے ان دونوں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

”مجھے بھی اپکے ساتھ شاپنگ کرنی ہے۔۔۔“

اسنے بچوں جیسا منہ بنایا تھا۔

باسل نے فوراً منت کو اپنی طرف کھینچا۔

"آوو ہیلو میڈم۔۔۔ اپنے شوہر کے ساتھ کریں شاپنگ۔۔۔ ہماری
love story میں کباب میں ہڈی نا بنیں۔۔۔"

وہ سنجیدہ سا چہرہ بنائے بولا۔

"واہ جی واہ۔۔۔" حیام نے آنکھیں چھوٹی کیں۔

"کمینہ۔۔۔ بےوفا۔۔۔ ٹکلا نا ہو تو۔۔۔"

منت کے لبوں پر بےاختیار ہلکی سی ہنسی آئی تھی۔

"جی۔۔۔ کروا لی بے عزتی۔۔۔ آ گیا سکون۔۔۔؟"

ماہیر خان پیچھے سے آتے ہوئے مسکرایا تھا اور حیام کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"غصہ نا دلائیں مجھے ماہیر خان۔۔۔ آپکی یہ مسکراہٹ زہر لگ رہی ہے۔۔۔"

حیام نے مصنوعی غصے سے کہا۔

ماہیر اسکے قریب جھکا تھا۔

"چلیں کوئی نا۔۔۔ جب دو جسم ایک جان ہوں گے نا۔۔۔ پھر یہی زہر شہد لگے گا۔۔۔"

اسکا لہجہ جان بوجھ کر دھیمہ اور معنی خیز تھا۔

"بے شرم۔۔۔"

حیام کے رخسار فوراً سرخ ہوئے تھے۔

وہ نظریں چرا گئی۔

دوسری طرف میر شاہ مسلسل حوریب کے گرد حصار بنائے چل رہا تھا۔

"میر۔۔۔ کیا ہے آپ اس طرح چھپا کے کیوں چل رہے ہیں مجھے۔۔۔ جیسے میں کوئی حسن پری ہوں۔۔۔"

حوریب نے اسکا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔

میر نے فوراً اسکی کمر کے گرد بازو مضبوط کیے۔

”حسن پری نہیں۔۔۔ تم سردار میر شاہ کی روح ہو۔۔۔“

وہ اسکے کان کے قریب جھکا تھا۔

اور میرا بس چلے تو تمہارے قریب کسی کو بھی نا آنے دوں۔۔۔“
”تمہارے اس کھڑوس بھائی کو بھی نہیں۔۔۔

کے اندر جا رہا mall اسنے باسل کی طرف دیکھا جو منت کو لیے پہلے ہی
تھا۔

پاگل کر دے گی possessiveness اُف میر۔۔۔ آپکی یہ“
”مجھے۔۔۔

حوریب ہنس پڑی تھی۔

”پاگل تو تم پہلے ہی کر چکی ہو۔۔۔“

میر نے اسکی پیشانی پر جھکتے دھیرے سے کہا۔

Mall کے automatic glass doors کھلے تھے۔

ٹھنڈی خوشبودار ہوا ان سب سے ٹکرائی تھی۔

چاروں طرف branded stores کی روشنیاں، لوگوں کا رش luxury اور soft music کی چمک تھی۔

لیکن ان سب کے درمیان تینوں جوڑے اپنی ہی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے۔

.

سینٹورس مال کے تھرڈ فلور پر موجود برانڈڈ اسٹور روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

کی خوشبو اور perfume، dresses چاروں طرف رنگ برنگے لوگوں کی آوازیں ماحول کو زندہ بنا رہی تھیں۔

حیام دونوں ہاتھوں میں colorful western dresses پکڑے excitement سے ایک ایک dress خود پر لگا کر mirror میں دیکھ رہی تھی۔

”ماہیر یہ والا کیسا ہے۔۔۔؟“

اپنے سامنے کرتے bottle green short frock اسنے پوچھا۔

ماہیر جو چند قدم دور کھڑا اسے خاموش نظروں سے دیکھ رہا تھا، آہستہ سے اسکے قریب آیا۔

پھر اسکے ہاتھ سے dress لے کر واپس hanger پر ٹانگ دیا۔

”بہت چھوٹا ہے۔۔۔“

اسکا لہجہ مکمل سنجیدہ تھا۔

"تو۔۔۔؟"

حیام نے آنکھیں چھوٹی کیں۔

ماہیر نے rack سے full sleeves کا soft ساتھ والے peach long frock نکالا اور اسکے ہاتھ میں تھما دیا۔

”یہ لو۔۔۔“

حیام نے dress کو دیکھا۔۔۔ پھر ماہیر کو۔

”آپ میری شادی کر رہے ہیں یا مدرسے بھیج رہے ہیں۔۔۔؟“

وہ جھنجھلا کر بولی۔

ماہیر کے لبوں پر فوراً ہلکی سی dangerous مسکراہٹ آئی۔

وہ اسکے بالکل قریب آیا۔

"ڈارلنگ۔۔۔"

اسنے جان بوجھ کر لفظ کھینچا۔

"یہ وہ dresses ہیں جو تم اپنی family کے سامنے پہنو گی۔۔۔"

اسکا چہرہ اسکے بہت قریب آ چکا تھا۔

”لیکن جو میرے سامنے پہنو گی نا۔۔۔“

وہ جھک کر اسکے کان کے قریب بولا۔

”ہو گی۔۔۔ hot collection وہ تو بہت“

حیام کا چہرہ فوراً سرخ ہوا تھا۔

"ب۔۔۔بے شرم۔۔۔"

وہ جلدی سے دوسری طرف مڑی مگر ماہیر نے اسکی کلائی پکڑ لی۔

"ابھی تو کچھ کہا بھی نہیں۔۔۔"

وہ مسکرایا۔

اس سے پہلے حیام کچھ بولتی، ماہیر اسے ساتھ لیے women کی طرف آ گیا تھا۔ nightwear section

حیام کے قدم وہیں رک گئے۔

”ماہیر۔۔۔!“

وہ فوراً اسکے قریب آئی۔

”ادھر کیوں آئے ہیں۔۔۔؟“

ماہیر نے بڑے سکون سے ایک short satin night dress اٹھایا۔

”کرنے۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ Shopping“

”یہ۔۔۔ یہ کیا ہے۔۔۔؟“

دیکھا۔ dress سے shock حیام نے

“Night dress۔۔۔”

بات ہو۔ normal وہ ایسے بولا جیسے دنیا کی سب سے

میں ڈالنے لگا۔ dresses cart پھر ایک کے بعد ایک

Red۔۔۔ black۔۔۔ wine۔۔۔ silk۔۔۔ satin۔۔۔

حیام کی پلکیں شرم سے جھک گئی تھیں۔

"ما۔۔۔ ماہیر۔۔۔ میں یہ نہیں پہننے والی۔۔۔"

وہ دھیمی آواز میں بولی۔

ماہیر نے ایک لمحے کو اسے دیکھا۔۔۔ پھر اچانک اسکے بہت قریب آیا۔

”کوئی بات نہیں۔۔۔“

اسکی آواز جان بوجھ کر نرم اور خطرناک تھی۔

”میں اپنی تیکھی مرچ کو خود پہنا دوں گا۔۔۔“

اسنے آنکھ دبائی تھی۔

”!ماہیر“

حیام کا چہرہ اب مکمل سرخ ہو چکا تھا۔

وہ فوراً cart سے dresses نکالنے لگی مگر ماہیر نے اسکا ہاتھ روک لیا۔

"Touch نہیں کرنا۔۔"

"میں یہ سب نہیں لینے والی۔۔"

”لینے والی ہو۔۔۔“

”نہیں۔۔۔“

”ہاں۔۔۔“

”میں پہنوں گی ہی نہیں۔۔۔“

ماہیر اسکے مزید قریب آیا۔

"پہنا دوں گا۔۔۔"

اسکا لہجہ اتنا confidence بھرا تھا کہ حیام چند لمحے واقعی خاموش رہ گئی۔

"آپ حد درجے کے shameless انسان ہیں۔۔۔"

وہ بمشکل بولی۔

”اور تم حد درجے کی خوبصورت۔۔۔“

ماہیر نے بےاختیار اسکے گال کے قریب جھکتے ہوئے کہا۔

حیام فوراً ایک قدم پیچھے ہوئی۔

”لوگ دیکھ رہے ہیں۔۔۔“

”دیکھنے دو۔۔۔“

ماہیر نے سکون سے کہا۔

”ویسے بھی۔۔۔“

اسنے cart کو اپنی کو ایک ہاتھ سے پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے حیام کو اپنی طرف کھینچا۔

”چند دن بعد تم میری بیوی ہونے والی ہو۔۔۔ عادت ڈال لو۔۔۔“

حیام نے اسکے سینے پر ہاتھ رکھا جیسے خود کو سنبھال رہی ہو۔

”مجھے نہیں کرنی آپ سے شادی۔۔۔“

وہ بڑبڑائی۔

ماہیر فوراً جھکا۔

لیکن مجھے تو شادی بھی تم سے کرنی ہے۔۔۔"اور رومینس بھی اتنا"

"کرنا ہے کہ "کہ تمہیں اپنی ہر ضد بھول جائے۔۔۔

اسکی سانسیں اسکے چہرے سے ٹکرائیں۔

حیام چند لمحے اسے دیکھتی رہ گئی۔

پھر فوراً شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔۔۔ جبکہ ماہیر کی مسکراہٹ مزید گہری ہو چکی تھی۔

۔۔۔۔۔۔

سینٹورس مال کی روشنیاں رات کے اندھیرے میں کسی خواب کی طرح جگمگا رہی تھیں۔

چاروں طرف برینڈڈ اسٹورز، مہنگے پرفیومز کی خوشبو اور لوگوں کا شور تھا، مگر ان سب کے درمیان سردار میر شاہ کی پوری توجہ صرف اپنی روح پر تھی۔

حوریب ایک کے بعد ایک ڈریس دیکھ رہی تھی جبکہ میر خاموشی سے اسکے ہر انداز کو اپنی نظروں میں قید کر رہا تھا۔

وہ جب بھی کسی لباس کو ہاتھ لگاتی، میر بنا قیمت دیکھے وہ ڈریس سائیڈ پر رکھوا دیتا۔

"میر۔۔۔ اتنی شاپنگ کون کرتا ہے۔۔۔؟"

حوریب نے ہلکی سی گھبراہٹ سے کہا۔

میر نے اسکی طرف دیکھا۔

"جو بندہ برسوں بعد اپنی روح واپس پائے نا۔۔۔ وہ ہر وہ چیز خرید لیتا ہے جس پر اسکی نظر رک جائے۔۔۔"

حوریب کے رخسار ہلکے سرخ ہوئے تھے۔

وہ فوراً نظریں چرا کر اگلے ریک کی طرف بڑھ گئی۔

وہ ایک آف وائٹ گاؤن کے سامنے رکی تھی۔

ہلکی شمر، لانگ سلیوز اور نرم سا فیبرک۔

"یہ خوبصورت ہے۔۔۔"

وہ دھیمے سے بولی۔

میر اسکے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

اتنا قریب کہ اسکی سانسیں حوریب کی گردن سے ٹکرائیں۔

"خوبصورت تو تم ہو۔۔۔"

اسکا بھاری لہجہ حوریب کے کانوں میں اترا تھا۔

حوریب نے فوراً ڈریس اپنی طرف کھینچا۔

”آپ ہر وقت فلرٹ کیوں کرتے رہتے ہیں۔۔۔؟“

کیونکہ میری ہونے والی بیوی اتنی حسین ہے کہ بندہ شریف رہ ہی نہیں سکتا۔۔۔“

وہ شرم سے لب کاٹ گئی۔

تبھی ایک سیلز مین قریب آیا۔

"میم اگر آپ چاہیں تو اسکا دوسرا کلر بھی اویلیبل ہے۔۔۔"

حوریب فوراً اسکی طرف متوجہ ہوئی۔

"ریلی؟ کونسا کلر؟"

سیلز مین مسکرا کر اسے دوسرے ڈیزائنز دکھانے لگا۔

میر شاہ خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔

پھر اسکی نظریں اس لڑکے پر رکیں جو ضرورت سے زیادہ مسکرا رہا تھا۔

میر کا جبڑا سخت ہوا تھا۔

”روح۔۔۔“

اسکی بھاری آواز پر حوریب نے پلٹ کر دیکھا۔

”جی؟“

”ادھر آئیں۔۔اسکی آواز میں سختی تھی“

”میر ایک منٹ یہ دیکھ لوں۔۔۔“

”میں نے کہا ادھر آئیں۔۔۔“

اس بار لہجہ نرم تھا مگر حکم صاف جھلک رہا تھا۔

حوریب نے حیرت سے اسے دیکھا پھر سیلز مین سے سوری بولتی میر کے قریب آ گئی۔

"کیا ہوا۔۔۔؟"

میر نے اسکا ہاتھ پکڑا اور سیدھا چینجنگ رومز کی طرف لے گیا۔

"میر۔۔۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔۔۔"

”دیکھنے دو۔۔۔“

وہ اسے ایک خالی چینجنگ روم کے اندر لے آیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی حوریب کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

”میر یہ کیا طریقہ ہے۔۔۔؟“

وہ اسکے قریب آیا۔

اتنا قریب کہ حوریب پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگی۔

اپکو بہت مزہ آتا ہے کیا مجھے تنگ کر کے ۔۔۔اپ کیسے اس سیلز مین "
سے باتیں کر رہی تھی

"اوہ پلیز۔۔۔میر۔۔ وہ سیلز مین تھا۔۔۔"

"اور میں تمہارا ہونے والا شوہر ہوں۔۔۔"

میر نے دونوں ہاتھ دیوار پر رکھتے اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔

حوریب کی سانسیں بے ترتیب ہوئیں۔

"آپ بہت پوزیسو ہیں۔۔۔ میر ۔۔۔"

"صرف تمہارے لیے۔۔۔"

اسنے جھک کر اسکے کان کے قریب سرگوشی کی۔

اور مجھے پسند نہیں کہ کوئی اور تمہیں اس نظر سے دیکھے۔۔۔"تمہیں دیکھنے کا حق صرف مجھے ہے۔۔وہ اسکی رخسار پر لب رکھتا شدت سے بولا تھا

حوریب نے نظریں جھکا لیں۔

میر کی نظریں اسکے سرخ ہوتے چہرے پر تھیں۔

”اف۔۔۔ میری روح شرماتی بھی ہے۔۔۔“

اسنے آہستہ سے اسکے رخسار کو انگلیوں سے چھوا تھا۔

حوریب کا دل جیسے سینے سے باہر آنے لگا۔

”میر۔۔۔ باہر چلیں۔۔۔“

"ابھی نہیں۔۔۔"

اسکا ہاتھ آہستہ سے حوریب کی کمر تک آیا تھا۔اور اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگایا

"پہلے مجھے یہ امیجن کرنے دو کہ شادی کے بعد تم انہی ڈریسز میں کیسی لگو گی۔۔۔"

”آپ نا۔۔۔ حد کرتے ہیں۔۔۔“

وہ بمشکل بولی۔

میر ہلکا سا مسکرایا۔

”اور تم حد سے زیادہ تڑپاتی ہو۔۔۔“

حوریب نے خود کو اسکے حصار سے نکالنا چاہا مگر جلدی میں اسکا پاؤں پھسلا تھا۔

”آہ—“

اس سے پہلے کہ وہ گرتی، میر نے فوراً اسے بانہوں میں تھام لیا۔

ایک بازو اسکی کمر کے گرد تھا جبکہ دوسرا اسکے گھٹنوں کے نیچے۔

حوریب پوری طرح اسکے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

چند لمحوں کیلئے دونوں کی نظریں ایک دوسرے میں الجھ گئی تھیں۔

میر نے دھیمی آواز میں کہا۔

دیکھا۔۔۔؟"

"تمہیں سنبھالنے کے لیے ہر وقت تمہارا میر چاہیے۔۔۔

حوریب کا چہرہ لال ہوا تھا۔

اسکے ہاتھ بےاختیار میر کی شرٹ کو پکڑ چکے تھے۔

"م۔۔مجھے نیچے اتاریں۔۔۔"

"دل تو نہیں چاہ رہا۔۔۔"

میر نے اسے اور قریب کرتے اسکی پیشانی پر لب رکھے۔

"میری روح۔۔۔"

اسے سینے سے لگایا وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔انکھوں میں اسے پانے کی خوشی میں ہلکی سی نمی تھی۔۔

....

مال کے شور کے بیچ

منت کے اندر عجیب سی خاموشی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ ایک ریک کے سامنے کھڑی مختلف ڈریسز کو دیکھ رہی تھی۔

اسکی انگلیاں کپڑوں کو چھو رہی تھیں مگر دل کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔

باسل کچھ فاصلے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

...اسکی خاموشی

...اسکی بجھی ہوئی آنکھیں

...اسکے چہرے کی وہ اداسی

باسل کے دل کو اندر تک بے چین کر رہی تھی۔

وہ آہستہ سے اسکے قریب آیا۔

”اف۔۔۔ مائی ہارٹ بیٹ اتنی سیڈ کیوں ہے۔۔۔؟“

اسنے دھیمے لہجے میں کہتے اسکا ہاتھ پکڑا تھا۔

منت نے چونک کر اسے دیکھا۔

آنکھوں میں نمی واضح تھی۔

اسنے نا میں سر ہلایا مگر اگلے ہی لمحے نظریں چرا لیں۔

باسل نے اسکا ہاتھ اپنی گرفت میں مزید مضبوط کیا۔

"ویسے میری ہارٹ بیٹ تو ہر ڈریس میں کمال لگتی ہے۔۔۔"

وہ ہلکا سا جھکا تھا۔

"لیکن میں ہر روز تمہیں ایک نئے رنگ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔"

اسکی نظریں منت کے چہرے پر ٹھہری تھیں۔

”ہر روز تمہیں اپنے رنگوں میں رنگنا چاہتا ہوں۔۔۔“

اسنے ریڈ اور بلیک کلر کا خوبصورت ڈریس اٹھایا تھا۔

منت کی پلکیں لرزیں۔

”آپ ایسا کیوں ایکٹ کرتے ہیں باسل۔۔۔؟“

اسکی آواز ہلکی سی بھرائی تھی۔

”جیسے کبھی ہماری زندگی میں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔۔۔“

باسل کے چہرے کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔

منت نے پہلی بار سیدھا اسکی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

آپ جو پانچ سال پہلے کر چکے ہیں۔۔۔“

”اس بات نے مجھے توڑ دیا تھا۔۔۔

اسکے الفاظ دھیرے تھے مگر ہر لفظ باسل کے سینے میں اتر رہا تھا۔

”میں ختم ہو چکی ہوں اندر سے۔۔۔“

وہ بمشکل بولی۔

”مجھے ان رونقوں سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔“

چند لمحے خاموشی رہی۔

مال کا شور جیسے ان دونوں سے بہت دور ہو گیا تھا۔

باسل نے گہری سانس لی۔

پھر آہستہ سے اسکے چہرے کے قریب جھکا۔

”افف جانم۔۔۔“

اسکی آواز غیر معمولی نرم تھی۔

اتنا پیارا موقع ہے شادی کا۔۔۔“

"مجھے ایسی باتیں نہیں کرنی۔۔۔

اسنے اپنی انگلیوں سے منت کی کلائی سہلائی۔

"ایک ایک غلطی کا حساب دوں گا اپنی جان کو۔۔۔"

اسکی نظریں اب شدت سے بھری تھیں۔

ایک ایک غلطی کی معافی مانگوں گا۔۔۔"

"لیکن اپنے طریقے سے۔۔۔

منت کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

وہ کچھ بول نہ سکی۔

باسل نے اسکے ہاتھ سے ڈریس لیا اور باقی کپڑوں کے ساتھ پیک کروانے لگا۔

منت چلتی پرفیوم سیکشن کی طرف آئی تھی

شیشے کی روشن بوتلیں، نرم خوشبوئیں اور ہلکی سنہری لائٹس پورے حصے کو کسی خواب جیسا بنا رہی تھیں۔

باسل ایک بوتل اٹھاتے اسکی طرف مڑا۔

"ویسے میری جان کو ان سب کی ضرورت نہیں ہے مجھے بہکانے کے لیے۔۔۔"

وہ اسکے قریب آیا تھا۔

اتنا قریب کہ منت کی سانس رکنے لگی۔

”تمہارے بدن کی خوشبو ہی کافی ہے۔۔۔“

اسنے دھیرے سے پرفیوم اسکی گردن کے قریب اسپرے کیا۔

ٹھنڈی خوشبو جلد سے ٹکرائی تو منت ہلکا سا کانپی۔

باسل جھکا۔

اسکی سانسیں منت کی گردن سے ٹکرائیں۔

پھر اسنے آنکھیں بند کرتے اس خوشبو کو محسوس کیا تھا۔

”ممم۔۔۔“

اسکے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

"یہ خوشبو بھی اب تم جیسی لگ رہی ہے۔۔۔ نرم ...اور پاگل کر دینے والی۔۔۔"

منت کے رخسار سرخ ہو چکے تھے۔

وہ فوراً پیچھے ہٹنا چاہتی تھی مگر باسل کا ہاتھ ابھی بھی اسکی کمر کے گرد تھا۔

قریب کھڑی سیلز گرل نے کن انکھیوں سے دونوں کو دیکھا اور بےاختیار مسکرا دی۔

منت نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔

”باسل۔۔۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔۔۔“

”دیکھنے دو۔۔۔“

وہ بےپرواہ انداز میں بولا۔

”ویسے بھی چند دن بعد تم مکمل طور پر میری ہونے والی ہو۔۔“

اسکی انگلیاں آہستہ سے منت کے بالوں کو گردن سے ہٹا رہی تھیں۔

”پھر تو مجھے تمہیں ایسے شرمانے کا روز حق مل جائے گا۔۔“

منت کا دل جیسے اسکے لہجے میں الجھنے لگا تھا۔

۔۔۔۔۔

سینٹورس مال کے فائن ڈائننگ ریسٹورنٹ کی روشنیاں نرم سنہری رنگ میں نہائی ہوئی تھیں۔

شیشے کی دیواروں سے باہر جگمگاتا اسلام آباد صاف نظر آ رہا تھا جبکہ اندر ہلکی میوزک اور لوگوں کی دھیمی آوازیں ماحول کو مزید دلکش بنا رہی تھیں۔

تینوں کپلز ایک بڑی ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔

میر شاہ اپنی مخصوص وجاہت کے ساتھ کرسی پر نیم دراز تھا جبکہ اسکی پوری توجہ صرف اپنی روح پر تھی جو بڑے انہماک سے مینیو کارڈ دیکھ رہی تھی۔

”روح۔۔۔ آپ کیا کھائیں گی۔۔۔؟“

میر نے مینیو کارڈ اٹھاتے نرمی سے اسکی طرف بڑھایا تھا۔

اس سے پہلے کہ حوریب کچھ بولتی، باسل نے ڈرامائی انداز میں کھانستے ہوئے کہا۔

"آؤ ہیلو سالے صاحب۔۔۔ ہم بھی ادھر ہی بیٹھے ہیں۔۔۔ ہم پر بھی اپنی روح سے ہٹا کر نظرِ کرم کر لیں۔۔۔"

باسل ہنس پڑا تھا۔

جبکہ میر نے بڑے سکون سے ماہیر کو دیکھا۔

”میری روح کے آگے تم لوگوں کا ہونا یا نا ہونا ایک برابر ہے۔۔۔“

”اووووو۔۔۔“

حوریب کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا جبکہ حیام نے ماتھا پکڑ لیا۔

"یہ بندہ نا۔۔۔ ہر وقت فلرٹ موڈ میں رہتا ہے۔۔۔"

"تمہاری روح روح ہے۔۔۔"

ماہیر نے حیام کا ہاتھ پکڑتے آنکھ دبائی۔

"اور ہماری روح کون سا روح افزا ہے۔۔۔؟"

وہ بولتے ہوئے حیام کے ہاتھ پر جھک کر بوسہ دے گیا تھا۔

”ماہیر۔۔۔!“

حیام کے رخسار فوراً سرخ ہوئے تھے۔

”میر یہ دیکھ۔۔۔“

باسل نے فوراً احتجاج کیا۔

”بغیرت انسان ہمارے سامنے ہماری بہن سے فلرٹ کر رہا ہے۔۔۔“

ماہیر نے بے نیازی سے کرسی پر ٹیک لگائی۔

”میری بیوی ہے۔۔۔“

اسنے جان بوجھ کر زور دیتے ہوئے کہا۔

”اور تم۔۔۔ تم تو بغیر نکاح کے ہی سب کچھ کر رہے ہو۔۔۔“

اسکی معنی خیز نظر منت پر گئی تھی۔

منت جو ابھی تک خاموشی سے ان سب کی باتیں سن رہی تھی، فوراً نظریں جھکا گئی۔

اسکے رخسار ہلکے گلابی ہوئے تھے۔

باسل نے وہ رنگ بدلتا چہرہ دیکھا تو ہلکا سا مسکرایا۔

"اف آپ سب بس کریں کائنڈلی۔۔۔"

حوریب نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔

"اور مجھے سنیں۔۔۔ میں آج سارا مینیو آرڈر کر رہی ہوں۔۔۔"

"کیاااا؟"

حیام نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہمم۔۔۔ سارا۔۔۔"

"میری بہن۔۔۔"

باسل نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"ہم غریب لوگ ہیں۔۔۔ ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔۔۔ ابھی تو میرا

ہسپتال بھی نہیں چلا۔۔۔"

سب زور سے ہنس پڑے تھے۔

”بل میرے ہسبینڈ دیں گے۔۔۔“

روح نے بڑے فخر سے میر کو دیکھا تھا۔

میر کی آنکھوں میں فوراً نرمی اتری۔

وہ جھک کر اسکے بال کان کے پیچھے کرتا بولا۔

”آپ کے لیے تو جان بھی قربان میری جان۔۔۔“

حوریب کے لبوں پر فوراً مسکراہٹ آئی تھی۔

”ویٹر۔۔۔“

میر نے ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔

”جی سر۔۔۔“

”کمپلیٹ مینیو۔۔۔“

ویٹر چند لمحے اسے دیکھتا رہ گیا۔

”س۔۔۔سر۔۔۔ سارا۔۔۔؟“

"جی۔۔۔ پورا۔۔۔"

میر کے سنجیدہ لہجے پر ویٹر فوراً سر ہلاتا آرڈر نوٹ کرنے لگا تھا۔

"افف امیر لوگ۔۔۔"

حیام نے بڑبڑاتے پانی پیا۔

"آپ بھی بن جائیں گی شادی کے بعد۔۔۔"

ماہیر فوراً بولا تھا۔

”مجھے نہیں بننا۔۔۔“

”لیکن مجھے بنانا ہے۔۔۔“

وہ دھیمے لہجے میں اسکے قریب جھکا۔

حیام نے فوراً اسے کہنی ماری۔

کچھ ہی دیر میں ٹیبل کھانوں سے بھر چکی تھی۔

پاستا، سٹیکس، پیزا، برگرز، باربی کیو، ڈیزرٹس۔۔۔ ہر چیز موجود تھی۔

"یا اللہ۔۔۔"

منت نے حیرت سے کہا۔

"اتنا کون کھاتا ہے۔۔۔؟"

"روح کھاتی ہے۔۔۔"

میر نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

”بالکل۔۔۔“

حوریب نے فوراً ایک فرائز اٹھایا۔

سب دوبارہ ہنس پڑے تھے۔

کھانے کے دوران مسلسل چھیڑ چھاڑ چلتی رہی۔

باسل خاموشی سے منت کو دیکھ رہا تھا جو پلیٹ میں کھانا گھما رہی تھی۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہوگی۔

تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔

آپ کے تعاون کا شکریہ۔

وہ آہستہ سے اسکے قریب جھکا۔

پھر میز کے نیچے سے اسکے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

منت چونکی تھی۔

اسنے فوراً کن انکھیوں سے سب کو دیکھا اور ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی۔

مگر باسل نے گرفت مزید مضبوط کر دی۔

”منت بچے۔۔۔ آپ کیوں نہیں کھا رہیں۔۔۔؟“

میر بولا تھا۔

”و۔۔۔وہ بھائی۔۔۔“

”ارے میرے ہاتھ سے کھانا ہے تو بول دیتی منت۔۔۔“

وہ فوراً پاستا کا چمچ بھرتے اسکے لبوں کے قریب لے آیا تھا۔

منت نے غصے سے اسے دیکھا۔

مگر سب کی نظریں ان دونوں پر تھیں۔

وہ مرتی کیا نہ کرتی۔

خاموشی سے لقمہ کھا لیا تھا۔

اگلے ہی لمحے اسنے اپنے انگوٹھے کا ناخن باسل کے ہاتھ پر زور سے مارا۔

”اوہ شٹ۔۔۔“

باسل فوراً بولا تھا۔

”کیا ہوا۔۔۔؟“

ماہیر نے فوراً اسے دیکھا۔

منت نے بڑی معصومیت سے پانی پیا۔

”شاید مکھی نے کاٹ لیا۔۔۔“

حیام قہقہ لگا کر ہنسی تھی۔

باسل نے معنی خیز نظروں سے منت کو دیکھا۔

”اب جب مچھر نے گردن پر کاٹا نا۔۔۔“

وہ آہستہ سے اسکے قریب جھکا۔

”پھر نا کہنا زیادہ کاٹ لیا۔۔۔“

اسنے چمچ دوبارہ اسکی طرف بڑھاتے آنکھ دبائی۔

منت کا چہرہ مکمل سرخ ہو چکا تھا۔

کھانا ختم ہونے کے بعد سب نیچے پارکنگ کی طرف آئے۔

ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جبکہ مال کے باہر روشنیوں کا الگ ہی سماں تھا۔

سب اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک حوریب رک گئی۔

”م۔۔۔میر۔۔۔ مجھے وہ چاہیے۔۔۔“

اسنے دور کھڑے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا جسکے ہاتھ میں لائٹس والے رنگ برنگے غبارے تھے۔

چند لمحے خاموشی رہی۔

پھر باسل کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"یار یہ لڑکی واقعی بچی ہے۔۔۔"

ماہیر بھی ہنس پڑا جبکہ منت کے لبوں پر بھی ہلکی مسکراہٹ آ گئی۔

"میر دیکھیں۔۔۔ سب مجھ پر ہنس رہے ہیں۔۔۔ لا کر دیں۔۔۔"

وہ بچوں کی طرح ہونٹ باہر نکال کر بولی تھی۔

"سردار میر شاہ۔۔۔"

ماہیر نے ہنسی روکتے کہا۔

"آپ اپنی بیوی کے لیے غبارے خریدیں۔۔۔ ہم ذرا آئسکریم کھا کر آتے ہیں۔۔۔"

"اب سردار میر شاہ اپنی بیوی کیلئے بلون خریدے گا۔۔۔"

باسل بھی چھیڑتے ہوئے گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

”دفع ہو جاؤ کمینوں۔۔۔“

میر نے بے زاری سے کہا۔

”میری روح ہے۔۔۔ میں لے کر آتا ہوں۔۔۔ آپ گاڑی میں بیٹھیں“

”روح۔۔۔

”نہیں۔۔۔ مجھے خود لینا ہے میر۔۔۔“

وہ بچوں کی طرح اچھلتی بولی۔

میر کے لبوں پر بےاختیار مسکراہٹ آئی۔

”اُف۔۔۔ میری جان۔۔۔ جو حکم میرے آقا۔۔۔“

وہ چلتے ہوئے اس آدمی کے پاس گیا اور سارے غبارے خرید لیے۔

”سر سارے۔۔۔؟“

”ہمم۔۔۔ سارے۔۔۔“

چند لمحوں بعد وہ ڈھیروں جگمگاتے غبارے ہاتھ میں پکڑے واپس آیا تھا۔

حوریب کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

”واووو۔۔۔“

وہ فوراً آگے بڑھی۔

میر نے سارے غبارے اسکی طرف بڑھائے۔

حوریب نے بچوں کی طرح خوش ہوتے انہیں پکڑا تھا۔

پھر بےاختیار اچھلتے ہوئے میر کے گال پر لب رکھ دیے۔

”تھینک یووو۔۔۔“

وہ ہنستی ہوئی اسکے سینے سے جا لگی تھی۔

میر چند لمحے بس اسے دیکھتا رہ گیا۔

پھر آہستہ سے اپنی بانہیں اسکے گرد مضبوط کر لیں۔

اسکے لبوں پر عجیب سا سکون بھرا مسکراہٹ تھی۔

شاید دنیا کی سب سے بڑی خوشی یہی ہوتی ہے۔۔۔

جب آپکی محبت آپکی بانہوں میں مسکرا رہی ہو۔

۔۔۔۔۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

خان حویلی کا ماحول اس وقت غیر معمولی حد تک کشیدہ تھا۔

بڑے ڈرائنگ روم کی فضاء میں عجیب سا تناؤ پھیلا ہوا تھا۔

بھاری فانوس کی روشنی سفید ماربل پر پڑ رہی تھی جبکہ کمرے کے بیچوں بیچ شاہین خان غصے سے کھڑی تھی۔

انکی آنکھوں میں سختی تھی۔

لہجہ تیز اور چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"ماہیر خان۔۔۔!"

وہ تقریباً چلائی تھیں۔

”ہم اس لڑکی کو اپنی حویلی میں برداشت نہیں کر سکتے۔۔۔ تم نے کس کی اجازت سے اس لڑکی سے شادی کرنے کا سوچا۔۔۔؟“

ماہیر چند لمحے خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔

پھر اچانک غصے سے کمرے میں چکر کاٹنے لگا۔

اسکے ہاتھ مٹھیوں میں بند تھے۔

”تو کیا وہ بچپن سے میرے نکاح میں ہے۔۔۔“

وہ غرایا تھا۔

”اسے چھوڑ دوں۔۔۔؟“

”!ہاں چھوڑ دو۔۔۔“

شاہین خان نے فوراً کہا۔

”میں اس لڑکی کو اس حویلی میں برداشت نہیں کروں گی۔۔۔“

انہوں نے نفرت سے لب بھینچے۔

”زمین شاہ کی بیٹی میری بہو کبھی نہیں بنے گی۔۔۔“

ماہیر کی آنکھوں میں خطرناک چمک ابھری تھی۔

”میری بہو صرف ایما ہے۔۔۔“

شاہین خان نے فیصلہ سناتے کہا۔

ماہیر کی ہنسی نکلی تھی۔

مگر وہ ہنسی طنز سے بھری ہوئی تھی۔

"تو آپ چاہتی ہیں میں آپکی اس بھانجی سے شادی کروں جسکو کپڑے تک پہننے کی تمیز نہیں ہے۔۔۔؟"

اسکا لہجہ زہریلا ہوا تھا۔

"ماہیر!"

اعزر خان نے سختی سے پکارا۔

مگر وہ اب رکنے والا نہیں تھا۔

"آپ لوگوں نے کبھی ایک بار بھی حیام کو سمجھنے کی کوشش کی۔۔۔؟"

وہ غصے سے بولا۔

"وہ لڑکی دل کی کتنی صاف ہے۔۔۔ کتنی معصوم ہے۔۔۔ آپ لوگوں کو اس سے مسئلہ صرف اس لیے ہے کیونکہ وہ شاہ حویلی سے تعلق رکھتی ہے۔۔۔"

”ہاں ہے مسئلہ۔۔۔“

شاہین خان پھر چلائیں۔

”ہم ان لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں چاہتے۔۔۔“

”لیکن میں چاہتا ہوں۔۔۔“

ماہیر کی آواز اب غیر معمولی حد تک ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنی ماں کے سامنے آیا۔

”اور ایک بات اچھی طرح سن لیں۔۔۔“

اسکی آنکھوں میں ضد اتر آئی تھی۔

”حیام ماہیر خان اسی حویلی میں دلہن بن کر آئے گی۔۔۔“

کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

"کوئی اسے مانے یا نا مانے۔۔۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔۔"

اعزر خان جو اب تک خاموش بیٹھے تھے، غصے سے کھڑے ہوئے۔

"یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے ماہیر خان۔۔۔"

انکی آواز گونجی تھی۔

"ہم اسے بہو نہیں مانیں گے۔۔۔"

ماہیر نے جبڑا بھینچا۔

"تم اسے طلاق دو۔۔۔"

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔

تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔ آپ کے تعاون کا شکریہ۔

یہ لفظ پورے کمرے میں گونجے تھے۔

چند لمحے کیلئے مکمل خاموشی چھا گئی۔

پھر ماہیر کی ہنسی نکلی۔

اس بار وہ ہنسی خطرناک تھی۔

"بابا۔۔۔"

وہ دھیمے مگر زہریلے لہجے میں بولا۔

"یہ غلط فہمی ہے آپ لوگوں کی۔۔۔"

وہ ایک ایک لفظ چبا کر بول رہا تھا۔

"اگر آپکا لگتا ہے کہ جیسا آپ لوگ سوچ رہے ہیں ویسا ہو گا۔۔۔"

وہ ان دونوں کو دیکھتا آگے بڑھا۔

”تو آپ بہت غلط سوچ رہے ہیں۔۔۔“

اسکی آنکھوں میں اب جنون واضح تھا۔

”حیام۔۔۔ ماہیر خان کی بیوی ہے۔۔۔“

اسنے اپنے سینے پر ہاتھ مارا تھا۔

"اور رہے گی۔۔۔"

شاہین خان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"تم ہمارے خلاف جا رہے ہو۔۔۔؟"

"اگر بات حیام کی ہے۔۔۔"

وہ فوراً بولا۔

"تو پوری دنیا کے خلاف جا سکتا ہوں۔۔۔"

اعزر خان کا چہرہ سخت ہوا تھا۔

”ماہیر حد میں رہو۔۔۔“

”حد۔۔۔؟“

وہ تلخ ہنسا۔

”حد تو میں تب پار کرتا اگر اپنی بیوی کو چھوڑ دیتا۔۔۔“

کمرے کی فضا مزید بوجھل ہو گئی تھی۔

”آپ نے نہیں آنا شادی پر۔۔۔ مت آئیں۔۔۔“

اسکی آواز اب ٹھنڈی مگر خطرناک تھی۔

”میرے لیے میری بیوی کافی ہے۔۔۔“

وہ آخری جملہ کہہ کر پلٹا تھا۔

غصے کی شدت سے اسکی سانسیں تیز چل رہی تھیں۔

چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

وہ تیز قدموں سے ڈرائنگ روم سے نکلا۔

راہداری میں موجود ملازم سہم کر ایک طرف ہوئے تھے۔

ماہیر نے غصے سے اپنی شرٹ کا اوپری بٹن کھولا۔

وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔

دروازہ زور سے بند کیا۔

کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔

اسکا سینہ غصے سے اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

تبھی موبائل مسلسل وائبریٹ ہوا۔

اسکرین پر نام جگمگا رہا تھا۔

Carl Calling...

ماہیر نے سرخ آنکھوں سے موبائل کو دیکھا۔

پھر جھنجھلاہٹ سے اٹھا کر صوفے پر پھینک دیا۔

"ڈیمٹ۔۔۔!"

وہ غرایا تھا۔

اسکے دماغ میں صرف ایک چہرہ گھوم رہا تھا۔

حیام خان۔۔۔

اور اگلے ہی لمحے اسکے سخت چہرے پر عجیب سی نرمی اتر آئی تھی۔

....

شاہ حویلی کا وسیع لان آج روشنیوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔

جگمگا رہی تھیں۔ fairy lights ہر طرف سنہری

درختوں پر لٹکتی قمقموں کی لڑیاں، پھولوں سے سجا لمبا واک وے، اور اسٹیج

کے پیچھے بنا شیشوں کا عظیم بیک ڈراپ پورے ماحول کو کسی رائل فنکشن کا

منظر دے رہا تھا۔

ہلکی ٹھنڈی ہوا پھولوں کی خوشبو اپنے ساتھ لیے پورے باغ میں پھیل رہی تھی۔

سامنے اسٹیج کے اردگرد سفید اور سنہری صوفے رکھے گئے تھے جہاں گاؤں کے معزز لوگ اور حویلی کے مہمان موجود تھے۔

اچانک میوزک کی بیٹ ابھری تھی۔

سب کی نظریں ایک ساتھ داخلی راستے کی طرف اٹھیں۔

پہلے تینوں مرد داخل ہوئے تھے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

درمیان میں سردار میر شاہ تھا۔

گہرے bottle green رنگ کے شاہی کُرتے کے ساتھ آف وائٹ شال اسکے کندھے پر تھی۔

کالر اور sleeves پر سنہری hand embroidery تھی۔

تھے جبکہ ہاتھ میں قیمتی گھڑی perfectly set بال ہمیشہ کی طرح اسکی وجاہت کو اور نمایاں کر رہی تھی۔

اسکے دائیں طرف ماہیر خان تھا۔

ivory اور long kurte گہرے مہندی رنگ کے waistcoat میں وہ خطرناک حد تک handsome لگ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں وہی رعب، وہی intensity تھی۔

اور بائیں طرف باسل شاہ تھا۔

میں وہ بے حد پر کشش black contrast kurte میرون اور لگ رہا تھا۔

مسکراہٹ تھی جبکہ نظریں مسلسل dangerous ہونٹوں پر ہلکی سی اوپر سیڑھیوں کی طرف اٹکی تھیں۔

جیسے ہی تینوں دوست ایک ساتھ اسٹیج کی طرف بڑھے، پورے لان میں claps اور whistles گونج اٹھی تھیں۔

”ماشاءاللہ۔۔۔“

”ہے۔۔۔ personality کیا“

”اللہ نظرِ بد سے بچائے۔۔۔“

گاؤں کی عورتیں مسلسل دعائیں دے رہی تھیں۔

تینوں اسٹیج کے سامنے آ کر رکے۔

ہوا تھا۔ soft میوزک اچانک

پھر۔۔۔

سیڑھیوں پر تین حسین وجود نمودار ہوئے تھے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

سب سے پہلے حوریب نظر آئی تھی۔

گہرے زمردی اور سنہری رنگ کے لہنگے میں وہ واقعی کسی شہزادی جیسی لگ رہی تھی۔

اسکے سر سے ہلکا سا net dupatta لہنگے پر نفیس زردوزی تھی جبکہ ڈھلک رہا تھا۔

اسکے برابر حیام تھی۔

میں اسکی شرارتی golden sharara اور green مہندی خوبصورتی الگ ہی چمک رہی تھی۔

بال اور جھومر اسکے چہرے کو اور دلکش بنا رہے تھے۔ silky کھلے

اور آخری سیڑھی پر منت تھی۔

بھاری دوپٹہ، ہلکی نمی بھری deep maroon lehenga،
آنکھیں اور گلابی چہرہ۔۔۔

باسل چند لمحے واقعی اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

تینوں لڑکیاں ایک ساتھ سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔

پورا ماحول جیسے تھم گیا تھا۔

مسلسل چل camera flashes کے ساتھ beat میوزک کی رہی تھیں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

میر شاہ سب سے پہلے آگے بڑھا تھا۔

حوریب نے ہلکی گھبرائی نظر اس پر ڈالی۔

”میر۔۔۔ اتنے لوگ دیکھ رہے ہیں۔۔۔“

میر کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ آئی۔

”تو دیکھنے دو۔۔۔ میری روح ہو تم۔۔۔“

اسنے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا۔

سب کے سامنے جھکتے اسنے حوریب کو بانہوں میں اٹھا لیا تھا۔

پورا لان claps سے گونج اٹھا۔

حوریب شرم سے اسکے سینے میں چہرہ چھپائے ہنس رہی تھی۔

”میر۔۔ نیچے اتاریں۔۔۔“

"ناممکن۔۔۔"

وہ اسے بانہوں میں اٹھائے اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"میری شہزادی زمین پر نہیں چلتی۔۔۔"

حوریب کے کان سرخ ہوئے تھے۔

"آپ بہت بے شرم ہیں۔۔۔"

”صرف تمہارے لیے۔۔۔“

اسنے دھیرے سے اسکے ماتھے پر لب رکھے تھے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

ادھر ماہیر خان حیام کے سامنے آ کر رکا تھا۔

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

پھر آہستہ سے اسکی طرف ہاتھ بڑھایا۔

“May I...?”

حیام نے ہونٹ کاٹے۔

”کیوں movie hero بنتے ہیں۔۔۔؟ آپ ہر وقت“

”بہت مشکل ہے۔۔۔ heroine کیونکہ میری“

وہ اسکا ہاتھ تھامتے قریب جھکا تھا۔

”اور آج۔۔۔ تم حد سے زیادہ حسین لگ رہی ہو۔۔۔“

حیام کی پلکیں جھک گئی تھیں۔

ماہیر نے اسکے ہاتھ کی پشت پر لب رکھے۔

پھر اسے آہستہ سے اسٹیج کی طرف لے جانے لگا۔

بیچ راستے وہ اسکے کان کے قریب جھکا۔

”ویسے اگر یہ مجھ پر چھوڑ دو نا۔۔۔ تو ابھی نکاح پڑھوا لوں۔۔۔“

حیام کی سانس اٹکی تھی۔

”ماہیر۔۔۔“

”ہمم۔۔۔؟“

”سب دیکھ رہے ہیں۔۔۔“

”دیکھنے دو۔۔۔“

وہ بے باکی سے مسکرایا تھا۔

”انہیں بھی پتا چلے ماہیر خان اپنی بیوی پر کتنا مرتا ہے۔۔۔“

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

باسل شاہ خاموشی سے منت کے سامنے آ کر رکا تھا۔

اسکی نظریں منت کے چہرے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

منت نے نظریں چرا لیں۔

”ایسے مت دیکھیں۔۔۔“

”کیسے۔۔۔؟“

”جیسے۔۔۔“

وہ رک گئی۔

باسل دھیرے سے جھکا۔

”جیسے تمہیں کھا جاؤں گا۔۔۔؟“

منت کے رخسار فوراً سرخ ہوئے تھے۔

”باسل۔۔۔“

وہ ہلکا سا ہنسا تھا۔

پھر اسنے اسکا ہاتھ پکڑا۔

مگر اگلے ہی لمحے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

منت سیدھی اسکے سینے سے آ لگی تھی۔

گونجی تھی۔ clapping چاروں طرف شور اور

"آپ کیا کر رہے ہیں۔۔۔؟"

منت نے دھڑکتے دل کے ساتھ سرگوشی کی۔

باسل اسکے کان کے قریب جھکا۔

"صبر۔۔۔ صرف تین دن اور۔۔۔"

اسکی آواز میں خطرناک نرمی تھی۔

"پھر تمہیں ایسے ہی ہر محفل میں اپنے ساتھ لگا کر رکھوں گا۔۔۔"

اسنے اسکی انگلیوں پر ہونٹ رکھے تھے۔

منت کی سانسیں بے ترتیب ہوئیں۔

باسل نے اسے اپنے قریب رکھتے اسٹیج کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا۔

اور پورا شاہ حویلی کا باغ ان تینوں جوڑیوں کی محبت، رومینس اور خوشیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔

....

، قاضی صاحب کے ''مبارک ہو'' کہتے ہی پورا شاہ حویلی کا لان تالیوں دعاؤں اور خوشیوں کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔

تینوں نکاح مکمل ہو چکے تھے۔

ہوا میں پھولوں کی خوشبو مزید گہری محسوس ہو رہی تھی جبکہ رات جیسے ان محبتوں کی گواہ بن گئی تھی۔

حوریب، حیام اور منت کے چہروں پر الگ الگ کیفیت تھی۔

شرم، گھبراہٹ، خوشی اور بے یقینی سب ایک ساتھ انکی آنکھوں میں اترے ہوئے تھے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

میر شاہ تو نکاح کے بعد جیسے دنیا سے بے نیاز ہو گیا تھا۔

وہ اسٹیج پر بیٹھے حوریب کو اپنے بازو کے حصار میں ایسے لیے بیٹھا تھا جیسے اب اسے کسی کی نظر بھی برداشت نہیں۔

حوریب بار بار شرماتے ارد گرد دیکھتی مگر میر کو کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

”میر۔۔۔ سب دیکھ رہے ہیں۔۔۔“

وہ دھیرے سے بولی۔

میر نے سکون سے اسکے دوپٹے کا پلو اسکے کندھے پر درست کیا۔

”دیکھنے دو۔۔۔“

پھر اسکے کان کے قریب جھکا تھا۔

”اب تم میری بیوی ہو روح۔۔۔ حق بنتا ہے میرا۔۔۔“

حوریب کے رخسار فوراً سرخ ہوئے تھے۔

میر نے اسکے ہاتھوں پر لگی مہندی کو دیکھا۔
پھر آہستہ سے اسکی انگلیوں پر اپنے انگوٹھے پھیرے۔

”اتنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ۔۔۔“

وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"اور اب پوری زندگی انکو مجھے سنبھالنا ہے۔۔۔"

حوریب کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

وہ کچھ بولتی اس سے پہلے میر نے اسے مزید اپنے قریب کر لیا۔

"میر۔۔۔"

"ہمم۔۔۔؟"

"آپ بہت پوزیسو ہیں۔۔۔"

میر کے لبوں پر ہلکی سی dangerous مسکراہٹ آئی۔

"ابھی تو بہت کم ہوں۔۔۔"

اسکی آنکھوں کی شدت دیکھ کر حوریب فوراً خاموش ہوئی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

ادھر حیام کی حالت الگ تھی۔

وہ مسلسل ماہیر کی بے باکیوں سے تنگ آ رہی تھی۔

پر ہاتھ پھیر دیتا۔۔۔ back کبھی وہ سب کی نظروں سے بچتے اسکی

کبھی اسکی چوڑیوں سے کھیلنے لگتا۔۔۔

اور کبھی اسکے کان کے قریب جھک کر ایسی بات بولتا کہ حیام کا پورا چہرہ

سرخ ہو جاتا۔

”ماہیر سیدھے ہو کر بیٹھیں۔۔۔“

وہ دانت پیستے دھیرے سے بولی تھی۔

”کیوں۔۔۔؟“

وہ معصوم بننے کی ناکام کوشش کرتے بولا۔

”کیونکہ آپ حد سے زیادہ بےشرم ہیں۔۔۔“

ماہیر ہلکا سا ہنسا تھا۔

”تو ہونا چاہیے نا۔۔۔ balance اور تم حد سے زیادہ حسین۔۔۔“

اسنے آہستہ سے حیام کی کمر کے پیچھے ہاتھ رکھا تھا۔

حیام فوراً سیدھی ہوئی۔

"ماہیر!"

"ہمم میری جان۔۔۔؟"

”ہاتھ ہٹائیں۔۔۔“

”نہیں۔۔۔“

وہ بے فکری سے بولا۔

”ابھی تو صرف ہاتھ رکھا ہے۔۔۔“

پھر وہ اسکے کان کے قریب جھکا۔

”ورنہ دل تو کچھ اور مانگ رہا۔۔۔“

حیام نے فوراً اسکی بازو پر چٹکی کاٹی تھی۔

”بدتمیز انسان۔۔۔“

ماہیر ہنس پڑا۔

”شادی ہو گئی ہے ڈارلنگ۔۔۔ اب تو برداشت کرنا پڑے گا۔۔۔“

حیام نے غصے سے منہ پھیر لیا تھا مگر اسکے لبوں پر چھپی مسکراہٹ پھر بھی چھپ نہیں سکی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

منت خاموشی سے بیٹھی تھی۔

اسکے ہاتھوں کی مہندی اب اور گہری ہو چکی تھی۔

باسل شاہ مسلسل اسکے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

پر رکی تھی۔ initials پھر اسکی نظر اپنی نام کے

"افف۔۔۔ میرا نام۔۔۔"

وہ دھیمی مگر بھاری آواز میں بولا تھا۔

منت کی پلکیں جھک گئیں۔

باسل نے آہستہ سے اسکی ہتھیلی اپنے ہاتھ میں لی۔

اسکی انگلیاں مہندی پر پھری تھیں۔

”اتنا خوبصورت نام کبھی نہیں لگا جتنا آج تمہارے ہاتھ پر لگ رہا۔۔۔“

منت نے فوراً ہاتھ کھینچنا چاہا مگر باسل نے مضبوطی سے تھام لیا۔

"اب کہاں بھاگو گی ہارٹ بیٹ۔۔۔"

وہ اسکے قریب جھکا تھا۔

"اب تو پورا حق ہے میرا۔۔۔"

منت کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

باسل نے اسکے ہاتھ کی پشت پر دھیرے سے لب رکھے۔

منت نے فوراً ارد گرد دیکھا۔

”کوئی دیکھ لے گا۔۔۔“

”دیکھنے دو۔۔۔“

وہ بے پرواہ سا بولا۔

پھر اسکے کان کے قریب جھکا۔

"ویسے بھی سب جانتے ہیں میں تم پر کتنا مرتا ہوں۔۔۔"

اسکی بھاری آواز منت کے پورے وجود میں سنسنی دوڑا گئی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

رسمیں آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی تھیں۔

بزرگ دعائیں دے رہے تھے۔

عورتیں خوشی سے ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہی تھیں۔

ڈھولکی کی آواز اب مدھم پڑنے لگی تھی۔

مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔

شاہ حویلی کا شور آہستہ آہستہ خاموشی میں بدل رہا تھا۔

لان میں بکھری پھولوں کی پتیاں، خالی کرسیاں اور مدھم ہوتی لائٹس بس چند گھنٹے پہلے کی رونق کا پتا دے رہی تھیں۔

اور اس ساری خاموشی کے بیچ۔۔۔

تین محبتیں اپنی نئی شروعات کے ساتھ ایک نئے سفر میں داخل ہو چکی تھیں۔۔۔۔

--

حویلی کا لان روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ رنگین بلب، مہندی کی مہک اور ڈی جے کی دھیمی تیز ہوتی بیٹس نے پورے ماحول کو ایک جادو سا بنا دیا تھا۔ رسمیں ختم ہو چکی تھیں مگر خوشی ابھی اپنی پوری شدت کے ساتھ باقی تھی۔

حیام نے چپکے سے روح کو اشارہ کیا، اور پھر فوراً روح اٹھ گئی۔ اس نے ڈی جے کے پاس جا کر ایک میٹھا سا اصرار کیا، اور اگلے ہی لمحے میوزک

بدل گیا۔ بیٹ تیز ہوئی، لائٹس اور بھی شوخ ہو گئیں، اور پورا ماحول جیسے جھومنے لگا۔

روح وعدے کے مطابق حکام کا ہاتھ پکڑتی اسٹین ہر آئی تھی۔اور حیام نے اسے اشارہ کیا تو وہ نیچے جاکر بیٹھی تھی

حیام اسٹیج کے قریب آئی تو اس کا لہنگا ہر قدم پر ہوا کے ساتھ لہرا رہا تھا۔ میوزک کی بیٹ جیسے ہی بدلی، وہ خود کو روک نہ سکی۔ اس نے ہلکے سے کمر ہلائی اور پھر پورے اعتماد کے ساتھ ڈانس فلور پر آ گئی۔

"Matkaun main kamariya...

Dheere dheere dheere dheere...

Saiyaan ji samne baithe...

Jam peere peere peere..."

،حیام نے بیٹ کے ساتھ اپنی کمر کو ہلایا، کبھی دائیں جھکاؤ، کبھی بائیں گھماؤ اور کبھی ہلکی سی شرارت سے سب کی طرف دیکھ کر مسکرا دیتی۔ اس کی ہر حرکت میں ایک معصوم سی بے باکی تھی جو سب کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

دور کھڑا ماہیر پہلے صرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر وہی نیم مسکراہٹ تھی، مگر آنکھیں حیام پر جمی ہوئی تھیں۔ جیسے جیسے بیٹ تیز ہو رہی تھی اس کی برداشت کم ہو رہی تھی۔

"Whis whis whiskey...

Key key key key...

Maine thodi thodi pee pee pee pee..."

حیام گھومتی ہوئی جب دوبارہ سیدھی ہوئی تو اچانک ماہیر اس کے قریب آ گیا۔

اس نے بغیر کسی جھجک کے حیام کی کمر کو مضبوطی سے پکڑا اور ایک جھٹکے میں اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ حیام کا سانس رک سا گیا۔

ماہیر۔۔۔ "وہ ہلکی سی جھنجھلاہٹ میں بولی، مگر آواز میں کمزوری زیادہ" تھی۔

ماہیر کی آنکھوں میں شرارت اور جنون دونوں تھے۔

"ڈانس کر رہی ہو یا مجھے مارنے کا ارادہ ہے؟"

اگلے ہی لمحے وہ اسے اپنے ساتھ گھما گیا۔ حیام کا لہنگا ہوا میں پھیل گیا اور وہ اس کے سینے کے قریب آ گئی۔

ماہیر کے ہاتھ بے باکی سے اسکی بدن پر گردش کر رہے تھا۔

یہ کیا کر رہیں ہیں۔۔۔وہ گول گول گھومتی اسکی بانہوں میں گری۔۔

،ماہیر نے اس کی کمر پر اپنی گرفت اور مضبوط کی، اور دھیرے سے بولا

"رومینس۔"

حیام نے سانس لیتے ہوئے اسے گھورا، مگر وہ جواب دینے کے بجائے میوزک میں گم ہو گئی۔

اچانک ماہیر اس کے گرد ایک اور گول گھوما اور اسے دوبارہ اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس بار وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ حیام کی سانسیں اس کے سینے سے ٹکرا رہی تھیں۔

"کُرَ ...کُرَ ...کُرَ...

Tu hai chik chikni ni ni ni ni...

Tabhi piyun itni ni ni ni ni..."

اسی بیٹ کے ساتھ ماہیر نے اس کے کان کے قریب جھک کر دھیرے سے گردن پر ہلکا سا بوسہ دیا۔

حیام کا پورا وجود جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ اس کے ہاتھ بےاختیار اس کے کندھے پر آ گئے، اور اس کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا۔

ماہیر نے اسے چھوڑا نہیں، بلکہ اس کے گرد بازو اور مضبوط کر دیے۔

یہ سب حرکتیں صرف تمہارے لیے محفوظ ہیں۔۔۔ "اس نے آہستہ سے کہا، "سب کے سامنے نہیں۔۔۔"

حیام نے اسے ہلکا سا دھکا دیا، مگر وہ خود ہی اس کے قریب رہ گئی۔

.....

لان کی روشنیوں میں جیسے ہی ڈی جے نے بیٹس کو اور تیز کیا، پورا ماحول ایک بار پھر جھوم اٹھا۔ مہندی کی خوشبو، قہقہے، اور تالیاں سب ایک دوسرے میں گھل گئے تھے۔ سب کی نظریں اب صرف ایک چیز پر تھیں—منت اور باسل کا ڈانس۔

روح نے منت کا ہاتھ پکڑا اور شرارت سے مسکراتی ہوئی بولی،

"نہیں، میں اور منت کریں گی!"

منت نے حیرانی سے اسے دیکھا، "روح، میں نہیں—"

مگر روح نے بات سنے بغیر اسے اسٹیج کی طرف کھینچ لیا۔

اسی لمحے باسل نے ایک نظر میر کو دیکھا، اور دونوں کے چہرے پر ایک ہی تاثر آیا—

اب تو بس تماشہ ہونے والا ہے۔

"Darwaje ko kundi maaro

Koyi na bach jaane paaye..."

روح اور منت جیسے ہی اسٹیج پر آئیں، لائٹس ان پر گریں۔ روح نے بیٹ پر ہلکے ہلکے قدم رکھے، جبکہ منت شروع میں ہچکچاہٹ سے کھڑی تھی، مگر روح نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ساتھ ملا لیا۔

"DJ ko samjha do music

Galti se bhi ruk na jaaye..."

روح نے گھومتے ہوئے منت کو بھی ساتھ گھمایا۔ منت کا لہنگا ہلکے سے ہوا میں پھیلا، اور وہ پہلی بار ہنسی—شرم اور خوشی کے ملے جلے احساس کے ساتھ۔

دوسری طرف باسل اور میر ایک ساتھ اسٹیج کے قریب آئے۔ دونوں کی نظریں اپنے عشق پر جمی ہوئی تھیں۔

"Sab pe apna raaz hai

Darne ki kya baat hai..."

منت جیسے ہی بیٹ پر گھومی، باسل کی نظر اس پر ٹھہر گئی۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اسٹیج پر چڑھا۔

"Yeh toh bas shuruaat hai..."

باسل نے آ کر منت کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

منت چونکی، "باسل شاہ—!"

مگر وہ سن چکا تھا، بس مسکرایا۔

اسی لمحے میر بھی پیچھے سے آیا اور روح کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"Abhi toh party shuru hui hai..."

ہوئی، دونوں مرد ایک ہی وقت میں ایکشن میں drop جیسے ہی بیٹ آئے۔

باسل نے منت کی کمر کو مضبوطی سے تھاما اور ایک مکمل گھماؤ میں اسے اپنے گرد گھما دیا۔ منت کا لہنگا ہوا میں پھیل گیا، اور وہ سیدھی اس کے سینے سے آ لگی۔

ادھر میر نے روح کو اٹھا لیا—ایک ہلکے مگر مضبوط انداز میں—اور اسے اپنے گرد گھمانا شروع کیا۔ روح کی ہنسی پورے لان میں گونج اٹھی۔

"Jee bhar ke naach lo

Na ghar wale na maa pe hain..."

باسل نے منت کو گھماتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا، اور بیٹ کے ساتھ ہلکی سی شرارتی مسکراہٹ دی۔

"آج تو تم بھاگ نہیں سکتی، منت شاہ۔"

منت نے سانس لیتے ہوئے اسے گھورا، مگر وہ خود بھی ہنس رہی تھی۔

دوسری طرف میر نے روح کو ایک اور گھماؤ دیا اور پھر اسے اپنی بانہوں میں سنبھال لیا۔

"...آرام سے، گر جاؤ گی تم"

روح نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا، "آپ بہت overprotective ہیں!"

"Are abhi toh party shuru hui hai..."

جیسے ہی گانا اپنے peak پر پہنچا، دونوں مردوں نے اپنی اپنی بیویوں کو ایک آخری بڑے spin میں گھمایا۔

باسل نے منت کو پورے اعتماد کے ساتھ گھمایا اور پھر اسے اپنی بانہوں میں کھینچ لیا، اس کا ماتھا اپنے سینے سے لگا لیا۔

"...یہ تو صرف شروع ہے"

میں گھمایا اور پھر نرمی سے circle ادھر میر نے روح کو اوپر اٹھا کر ایک نیچے اتارا، مگر اسے چھوڑا نہیں—بس اپنی بانہوں میں رکھ لیا۔

گانا ختم ہوا تو پورا لان تالیاں بجا رہا تھا، سیٹیوں اور قہقہوں سے ماحول گونج رہا تھا۔

منت سانس بحال کرتے ہوئے باسل کے سینے میں تھی، روح میر کے کندھے سے لگی ہنستے ہنستے آنسو صاف کر رہی تھی۔

...اور باسل اور میر

بس ایک دوسرے کو دیکھ کر ہلکے سے مسکرا رہے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں:

"...ہمارا ڈانس ابھی ختم نہیں ہوا"

ہال کے اندر روشنیوں کی چمک ایک الگ ہی ماحول بنا رہی تھی۔ سفید اور گولڈن لائٹس چھت سے نیچے اتر کر پورے اسٹیج کو کسی شاہی محل کا منظر دے رہی تھیں۔ مہمان اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے مگر نظریں بار بار دروازے اور پھر اسٹیج کے درمیان سفر کر رہی تھیں۔

ہال کی لائٹس اچانک مدھم ہو گئیں۔ پورا ماحول ایک لمحے کے لیے خاموشی میں ڈوب گیا، جیسے وقت بھی رک سا گیا ہو۔ صرف ہلکی سی موسیقی کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی، جو آہستہ آہستہ شدت پکڑ رہی تھی۔

اسی لمحے چھت کے اوپر سے ایک خوبصورت، پھولوں سے سجی ہوئی ڈولی آہستہ آہستہ نیچے اترنی شروع ہوئی۔ سفید اور سرخ گلابوں سے ڈھکی ہوئی یہ ڈولی کسی خواب کا منظر لگ رہی تھی۔ اس کے ارد گرد لٹکتی لائٹس ہلکی ہلکی جھلملا رہی تھیں اور جیسے ہی وہ نیچے آ رہی تھی، پورے ہال کی نظریں اسی ایک منظر پر جم گئی تھیں۔

ڈولی کے اندر روح بیٹھی تھی۔

ڈیپ ریڈ اور گولڈن ہیوی لہنگا اس کے جسم پر کسی شاہکار کی طرح سجا ہوا تھا۔ دوپٹہ ہلکے انداز میں اس کے سر اور کندھوں پر پھیلا ہوا تھا، اور ہوا کے

ہلکے جھونکے کے ساتھ اس کے لہنگے کے گھیر میں ایک گول گول گھومتی خوبصورتی پیدا ہو رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ شرم اور خوشی کے ملاپ سے بنی ہوئی تھی، اور وہ لمحہ لمحہ ہنس رہی تھی—ایسا قہقہ جو ہلکی سی گھبراہٹ کے ساتھ اور محبت کی خوشبو کے ساتھ گونج رہا تھا۔

ہال کے کیمرے ہر زاویے سے اس منظر کو قید کر رہے تھے۔ فلیش لائٹس چمک رہی تھیں، اور ہر فریم میں صرف ایک ہی تصویر تھی—روح کی نزاکت اور اس لمحے کی خوبصورتی۔

جیسے ہی ڈولی نیچے پلیٹ فارم کے قریب پہنچی، ماحول میں ایک اور تبدیلی آئی۔

نیچے سے میر شاہ سیاہ شیروانی میں گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کا انداز مکمل شاہانہ تھا، آنکھوں میں سکون اور چہرے پر ایک ایسی شدت جو صرف روح کے لیے مخصوص تھی۔

ڈولی رکی…

اور اگلے ہی لمحے میر گھوڑے سے اترا۔

اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے روح کی طرف قدم بڑھایا۔ روح نے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی نمی اور شرم دونوں اکٹھی ہو گئیں۔

میر نے ایک ہی لمحے میں اسے ڈولی سے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔

ہال میں ایک ساتھ تالیاں اور خوشی کی آوازیں گونج اٹھیں۔ میوزک کی بیٹ تیز ہو گئی، اور ماحول مکمل طور پر جشن میں بدل گیا۔

روح نے فوراً اپنے بازو میر کے گرد لپیٹ لیے، جیسے وہ اس لمحے کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتی۔ اس کا سر ہلکا سا میر کے کندھے پر جھکا ہوا تھا اور وہ مکمل طور پر اس کے حصار میں کھو چکی تھی۔

میر اسے سیدھا اسٹیج کی طرف لے گیا۔

ہر قدم کے ساتھ کیمروں کی فلیشز ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔

اسٹیج پر پہنچ کر میر نے اسے آہستہ سے نیچے کھڑا کیا۔

ایک لمحے کے لیے دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

پھر میر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور جھک کر ان پر ہلکا سا بوسہ دیا۔

روح کے چہرے پر ایک گہرا سرخ رنگ پھیل گیا، وہ نظریں جھکا گئی۔

میر نے اسے نرمی سے اسٹیج کے مرکزی حصے میں بٹھایا، جیسے وہ کوئی قیمتی چیز ہو جسے دنیا سے بچا کر رکھا جائے۔

پورا ہال تالیوں اور ہلکی ہلکی سرگوشیوں سے گونج رہا تھا، اور اسٹیج پر صرف ایک ہی تصویر تھی—

ایک طرف میر کی شدت بھری حفاظت

اور دوسری طرف روح کی شرمیلی مسکراہٹ

اور دونوں کے درمیان ایک مکمل محبت کا لمحہ... جو وقت میں ہمیشہ کے لیے قید ہو گیا۔

......

ہال کی لائٹس ایک بار پھر نرم سنہری رنگ میں ڈھل چکی تھیں۔ فضا میں ہلکی سی خوشبو اور میوزک کی مدھم بیٹ ماحول کو مزید رومانوی بنا رہی تھی۔ سب کی نظریں دوبارہ مرکزی راہداری کی طرف تھیں، جہاں اگلا خوبصورت لمحہ آنے والا تھا۔

لمبی، سفید اور گولڈن پھولوں سے سجی راہداری کے آخر سے حیام داخل ہوئی۔

گولڈن اور ریڈ امتزاج کا لہنگا اس کے وجود پر کسی شاہکار کی طرح چمک رہا تھا۔ ہلکے گولڈن زیورات، نازک ہاتھوں میں ریڈ کلر کا پھولوں سے بھرا ٹکے، اور چہرے پر ایک شرمیلی مگر شرارتی مسکراہٹ...وہ ہر قدم پر جیسے اس پورے ہال کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

اس کے ساتھ زیمرہ اور زیزہ آہستہ آہستہ چل رہی تھیں، جیسے اسے مکمل سپورٹ کر رہی ہوں۔ حیام کبھی ادھر دیکھتی، کبھی ادھر، اور ہر طرف سے آنے والی نظریں اسے مزید شرارتی بنا رہی تھیں۔

اسٹیج پر کھڑا ماہیر اسے دیکھ چکا تھا۔

اس کی آنکھوں میں فوراً ایک ہلکی سی چمک آئی، اور لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے خود کو روک نہ سکا۔

اوئے میری بیگم آگئی "!اس نے ہلکی اونچی آواز میں ہاتھ ہلاتے" ہوئے کہا۔

ہال میں فوراً ہلکی سی ہنسی اور شور مچ گیا۔ کچھ لوگ تالیاں بجانے لگے، کچھ نے دلچسپی سے منظر دیکھنا شروع کر دیا۔

حیام نے فوراً شرم سے آنکھیں گھمائیں مگر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بھی آ گئی۔

وہ آہستہ آہستہ اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ماہیر خود نیچے اتر آیا۔

اس کے ہر قدم میں ایک بے فکری اور اپنا پن تھا۔ وہ سیدھا حیام کے سامنے آیا، اور اس کے ہاتھ سے پھولوں کا بُکے لے لیا۔

"یہ تو بہت heavy ہے... تمہارے ہاتھ تھک گئے ہوں گے"
ماہیر نے ہلکے انداز میں کہا۔

حیام نے فوراً آنکھیں سکیڑیں۔

"میں کوئی کمزور نہیں ہوں!"

ماہیر ہلکا سا مسکرایا، پھر اچانک اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”...چلیں کمزور نہیں ہو ...پھر بھی میری ذمہ داری ہو تم“

حیام کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ ماہیر نے ایک ہی لمحے میں اسے ہلکے سے گھما دیا۔

لہنگا پورا ہوا میں پھیل گیا، اور کیمروں نے اس لمحے کو قید کر لیا۔ ہال میں ایک ساتھ "اووو "...اور تالیاں گونج اٹھیں۔

حیام کا چہرہ فوراً سرخ ہو گیا۔

"!ماہیر !دماغ خراب ہے آپ کا؟"

ماہیر ہنسا۔

"...تمہاری مسکراہٹ دیکھ کر ہو جاتا ہے"

پھر اس نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور اسے اسٹیج کی طرف لے گیا۔

سیڑھیوں پر پہنچ کر اس نے حیام کا ہاتھ تھاما اور ہلکے سے اسے اوپر اٹھایا۔ حیام ایک لمحے کو رک گئی، مگر پھر اس کی آنکھوں میں ایک شرارتی چمک آئی اور وہ خود ہی اس کے ساتھ اوپر چڑھ گئی۔

اسٹیج پر پہنچتے ہی ایک ہلکا سا لمحہ ساکت ہو گیا۔

ماہیر نے اس کے سامنے آ کر کھڑے ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ کو تھاما۔

اور اسی لمحے اوپر سے پھولوں کی بارش شروع ہو گئی۔

گلاب کی پتیاں دونوں پر گرنے لگیں۔ حیام نے حیرت سے اوپر دیکھا، پھر ہنستے ہوئے اپنا چہرہ نیچے کیا۔ اس کے بالوں میں کچھ پتیاں اٹک گئیں، جسے ماہیر نے آہستہ سے نکالا۔

“اب تو مکمل ہیرو اور ہیروئن والا سین ہو گیا ہے”...ماہیر نے شرارت سے کہا۔

حیام نے ہلکے سے اس کے بازو پر مارا۔

“آپ بس خاموش رہیں!”

لیکن اس کے چہرے کی مسکراہٹ سب کچھ کہہ رہی تھی۔

ہال میں تالیاں بج رہی تھیں، کیمرے فلیش کر رہے تھے، اور اسٹیج پر ایک ایسا لمحہ تھا جو صرف ان دونوں کے لیے تھا—

ہال کی فضا اب مکمل طور پر ایک خواب جیسی لگ رہی تھی۔ روشنیوں کی مدھم چمک، گلاب کی خوشبو اور ہلکی سی رومانوی موسیقی نے پورے ماحول کو ایک دلکش سا جادو دے دیا تھا۔ مہمان اسٹیج کی طرف متوجہ تھے، جہاں ایک کے بعد ایک جوڑا اپنی اپنی محبت اور انداز کے ساتھ موجود تھا۔

اب راہداری کے آخر سے منت داخل ہوئی۔

لیونڈر اور گولڈن امتزاج کا لہنگا اس پر بہت نفاست سے بچ رہا تھا۔ ہلکے گولڈن زیورات، نازک سا میک اپ اور ہاتھوں میں تھامے ہلکے لرزتے ہوئے احساسات... وہ بظاہر خوبصورت لگ رہی تھی مگر اندر سے کچھ کمزور سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے قدم تھوڑے بھاری تھے، جیسے طبیعت واقعی پوری طرح ساتھ نہ دے رہی ہو۔

باسل اس کے ساتھ تھا۔

اس کی نظریں بار بار منت کے چہرے پر جا رہی تھیں، جہاں تھکن اور بے چینی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ اس نے فوراً بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

ٹھنڈا کیوں ہے تمہارا ہاتھ"... باسل نے دھیمی مگر فکر مند آواز میں" کہا۔

منت نے نظریں جھکا لیں۔

"... کچھ نہیں"

باسل نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ اس نے منت کی چال کو دیکھا جو معمول سے سست تھی۔

”...تم چل نہیں پا رہیں“

میں ٹھیک ہوں ”...منت نے ضد سے کہا مگر آواز کمزور تھی۔“

باسل نے اس کی بات کا انتظار نہیں کیا۔

اگلے ہی لمحے اس نے آہستہ سے جھک کر منت کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔

پورا ہال ایک لمحے کے لیے جیسے رک سا گیا، پھر ہلکی سی سرگوشیاں اور حیرت بھری آوازیں شروع ہو گئیں۔

"ب۔۔باسل "...منت نے فوراً شرم اور گھبراہٹ سے کہا، اس کا چہرہ فوراً سرخ ہو گیا۔

باسل نے اس کی طرف دیکھے بغیر بس اتنا کہا۔

”خاموش۔۔۔ آواز نہیں۔“

اس کی آواز میں وہی نرم سختی تھی جو صرف اس کے لیے مخصوص تھی۔

”پتا ہے نا تمہیں طبیعت ٹھیک نہیں ہے... پھر بھی ضد کیوں کرتی ہو؟“

منت کچھ بول نہ سکی۔ اس نے بس اپنے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے اور نظریں جھکا لیں۔

باسل اسے اسی طرح اٹھائے سیدھا اسٹیج کی طرف بڑھ گیا۔

ہر قدم کے ساتھ کیمروں کی فلیشز ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔ ہال میں ایک تھا— کچھ لوگ مسکرا رہے تھے، کچھ حیران، اور reaction الگ ہی کر رہے تھے۔ admire کچھ اس لمحے کو

اسٹیج پر پہنچ کر باسل نے اسے بہت نرمی سے نیچے اتارا۔

منت ابھی بھی شرمندگی میں تھی۔ وہ فوراً سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی، مگر اس کا ہاتھ باسل نے ابھی بھی تھاما ہوا تھا۔

باسل نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی، پھر ہلکے سے اس کی انگلیاں اپنے ہاتھ میں مضبوط کر لیں۔

اور پھر اسے آہستہ سے ساتھ بیٹھا لیا۔

اسٹیج پر موجود تھے۔ couples اب تینوں

ایک طرف میر اور روح—خاموش محبت اور گہرا تحفظ۔

دوسری طرف ماہیر اور حیام—شرارت اور بے باک نوک جھونک۔

اور درمیان میں باسل اور منت—خاموش شدت اور گہری فکرمندی۔

ہال میں تالیاں بج رہی تھیں، کیمرے چل رہے تھے، اور موسیقی نرم لہروں کی طرح فضا میں بہہ رہی تھی۔

کچھ دل شرما رہے تھے، کچھ ہنس رہے تھے، اور کچھ صرف اس خوبصورتی کو محسوس کر رہے تھے۔

یہ وہ لمحہ تھا جہاں ہر کہانی اپنی اپنی جگہ مکمل لگ رہی تھی... مگر محبتیں ابھی اپنے عروج کی طرف جا رہی تھیں۔

....

حویلی کے لان میں اسٹیج کے گرد ایک خاص سا سماں تھا۔ روشنیوں کی نرم چمک، پھولوں کی خوشبو اور دور بجتی ہلکی سی موسیقی اس لمحے کو اور بھی یادگار بنا رہی تھی۔ نکاح کے بعد اب رخصتی سے پہلے کا یہ لمحہ ہر کسی کے دل میں ایک عجیب سی اداسی اور خوشی ایک ساتھ بسا رہا تھا۔

تینوں کپلز اسٹیج پر موجود تھے۔ کبھی کوئی کسی کے قریب، کبھی کوئی کسی کو چھیڑتا ہوا۔ اور نیچے بیٹھی فیملی ہر منظر کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اسٹیج کے سامنے بی جان، زیزہ اور زیمرہ ایک طرف کھڑی تھیں۔ چہروں پر خوشی بھی تھی اور نمی بھی۔

بی جان نے مسکراتے ہوئے تینوں جوڑوں کو دیکھا۔ "اللہ نے کتنی خوبصورت جوڑیاں بنائی ہیں... نظر نہ لگ جائے کسی کی۔"

زینزہ نے ہلکے سے قہقہہ لگایا۔ ”نظر تو لگے گی بی جان ... لیکن اپنی ہی لڑکیوں کو! یہ تینوں تو حویلی سے دل بھی لے جائیں گی اور سکون بھی۔“

زیمرہ نے فوراً آنکھیں گھمائیں۔ ”ارے بھئی سکون پہلے ہی کہاں تھا؟ اب تو بس شور ہی شور رہ گیا ہے!“

تینوں کے قہقہے اسٹیج تک پہنچ رہے تھے۔

اوپر اسٹیج پر میر نے روح کو اپنے ساتھ کھڑا رکھا ہوا تھا جیسے ایک پل کے لیے بھی اسے خود سے دور نہیں ہونے دے گا۔ روح کے چہرے پر ہلکی سی نرمی اور شرمندگی تھی، مگر آنکھوں میں ایک عجیب سا اعتماد بھی تھا۔

حیام نے ماہیر کے ہاتھ کو ہلکے سے پکڑا ہوا تھا، مگر چہرے پر وہی ضدی سا انداز۔

اور منت...وہ تھوڑا سا باسل کے قریب کھڑی تھی جیسے ہجوم سے تھوڑا سا گھبرا رہی ہو۔

اسی لمحے شاہزیب شاہ اور عیان شاہ بھی اسٹیج کے قریب آئے۔ دونوں

نے تینوں جوڑوں کو ایک نظر دیکھا اور پھر عیان نے مصنوعی سنجیدگی سے

کہا:

افف... تم تینوں میں شرم نام کی کوئی چیز نہیں ہے"! کیسے اپنی"

بیویوں کو اٹھائے باہوں میں اٹھائے گھوم رہے ہو

شاہزیب نے فوراً ساتھ دیا۔" بالکل! انہوں نے تو بیویوں کو کھلونا سمجھ لیا

ہے

نیچے سے ہلکی ہنسی اٹھی۔

اسٹیج پر میر نے فوراً عیان کی طرف دیکھا۔ ’’او چاچو ...بیویوں سے کیسی شرم؟‘‘

اس پر ہال میں زور دار قہقہہ گونج اٹھا۔ عیان نے آنکھیں سکیڑیں۔ ’’زیادہ زبان چل رہی ہے تمہاری!‘‘

میر مسکرا کر روح کو اور قریب کر گیا۔

اسی وقت بی جان آگے آئیں۔ ان کے ساتھ زیزہ اور زیمرہ بھی تھیں۔
تینوں نے باری باری اپنے بچوں کو دیکھا۔

بی جان کی آواز میں نرمی تھی۔ "اللہ تم سب کو خوش رکھے... یہ دن بار بار نہیں آتے۔"

زیزہ نے حیام کے ماتھے کو چھوا۔ "گڑیا... ہمیشہ ہنستی رہنا۔"

زیمرہ نے منت کے گال کو پیار سے چھوا۔ "اور تم ...ہمیشہ مضبوط رہنا۔"

منت اچانک جذباتی ہو گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر میر کو گلے لگا لیا۔ پھر روح کے پاس جا کر اسے بھی اپنے ساتھ لگا لیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کیا ہو گیا گڑیا؟ " میر نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"کہیں دور تھوڑی جا رہی ہو تم..."

"منت نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔" مجھ سے رخصتی نہیں کرنی...

اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

میر نے فوراً اس کے کندھوں کو تھاما اور اسے سینے سے لگا لیا۔ ‘‘کیوں میری جان... ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟ اگر کسی نے کچھ کہا نا... تو سیدھا مجھے بتانا۔’’

وہ لمحہ نرم سا ہو گیا تھا۔

اسی دوران باسل آگے آیا۔ اس نے روح کو دیکھتے ہی ایک ہلکی سی مسکراہٹ دی، پھر منت کو دیکھ کر سنجیدہ ہو گیا۔

وہ روح کے قریب آیا اور اس کا ہاتھ تھام کر ہلکے طنزیہ انداز میں بولا:

آوو ہیلو سالے صاحب... میری بہن کو کچھ کہا نا تو پھر میں بھی بولنا جانتا“

”ہوں۔

روح نے فوراً باسل کو گھورا۔ ”آپ بھی شروع ہو جاتے ہیں!“

باسل ہنس دیا اور روح کو اپنے قریب کھینچ لیا۔

میر نے فوراً باسل کو گھورا۔ ''خبردار میری سردارنی کے قریب آئے!''

باسل نے فوراً ہاتھ اٹھا دیے۔ ''اوہ بھائی صاحب ...ڈرائیور ہوں میں، حکم کی تعمیل کر رہا ہوں!''

اس پر سب ہنس پڑے۔

اسی ہنسی کے بیچ حیام نے اچانک ماہیر کا ہاتھ پکڑا اور اس کے قریب آکر بولی'': میر لالہ آپ میرے شوہر کو بول دیں کہ رخصتی اسی وقت ہو گی جب یہ مجھے روز حویلی چھوڑنے آیا کرے گا!''

ماہیر نے فوراََ آنکھ دبائی۔ ''بیگم جیسا حکم ...ہم تو بس ڈرائیور ہیں''!اپ ابھی تو چلیں میرے ساتھ

حیام نے فوراََ آنکھیں پھیلائیں۔ ''دیکھو میر یہ کتنا بے شرم ہے''!اسکا ایک پل یہاں رہنا اسے مشکل لگ رہا ہے۔۔

اسی ہلکے پھلکے ماحول میں باسل نے بھی آہستہ سے کہا:

ہاں پتا ہے تجھ میں کتنا صبر ہے۔۔میر ۔۔۔منت کی رخصتی دو گھنٹے بعد کرتے ہیں۔۔ماہیر نے اسے گھورا

نہیں میرے باپ معاف کر پہلے ترس ترس کر اتنی پیاری بیوی ملی ہے۔۔۔باسل نے آہ بھری تھی ۔۔

منت نے فوراً اس کے بازو پر ہلکی سی ضرب لگائی۔"آپ سب ایک جیسے ہیں!"

اور پھر پورا اسٹیج ہنسی، چھیڑ چھاڑ اور محبت سے بھر گیا۔

آخر میں تینوں جوڑے ایک ساتھ کھڑے تھے۔ ہاتھوں میں ہاتھ، چہروں پر ہلکی نمی، اور آنکھوں میں ایک نیا سفر شروع ہونے کی چمک۔

نیچے کھڑے بزرگ دعا کر رہے تھے ...اور اوپر یہ تینوں کہانیاں اپنی اپنی محبت کے ساتھ ایک نئ زندگی میں داخل ہو رہی تھیں۔

کمرہ سفید اور سرخ پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

چھت سے لٹکتی باریک لائٹس دھیمی روشنی بکھیر رہی تھیں جبکہ ہر طرف جلتی کینڈلز ماحول کو کسی خواب جیسا بنا رہی تھیں۔

بیڈ پر سرخ گلاب کی پتیاں پھیلی تھیں اور پردوں سے آتی ہلکی ٹھنڈی ہوا کمرے کی فضا کو مزید رومانوی بنا رہی تھی۔

روح دروازے کے قریب چند لمحے کھڑی رہی۔

دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔

اتنا خاموش ...اتنا حسین۔۔۔ اتنا رومانوی ماحول شاید اس نے پہلے کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

اسکے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

وہ آہستہ قدموں سے چلتی کبھی کینڈلز کو دیکھتی۔۔۔ کبھی پھولوں کو۔

پھر نظریں میر کی ڈریسنگ سائیڈ پر پڑی جہاں مہنگے پرفیومز ترتیب سے رکھے تھے۔

”...افف۔۔۔ یہ بندہ اتنے پرفیومز لگاتا کہاں ہے“

وہ خود سے بڑبڑائی تھی۔

ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے وہ وارڈروب کی طرف بڑھی۔

الماری کھولتے ہی اسکی آنکھیں ہلکی سی پھیل گئی تھیں۔

اندر میر کے کپڑے نہایت نفاست سے رکھے تھے۔

کچھ شیروانیاں۔۔۔ کچھ شرٹس ...اور ایک طرف اسکے پسندیدہ رنگوں کے سوٹس۔

روح ایک ایک ڈریس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

جیسے ان کپڑوں میں بھی میر کی موجودگی محسوس ہو رہی ہو۔

تبھی کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

روح چونکی تھی۔

جلدی سے لہنگا سنبھالتے اسنے وارڈروب بند کی اور خود کو دروازے کے ساتھ لگا لیا۔

میر اندر داخل ہوا تھا۔

بلیک شیروانی کے اوپر کے بٹن کھلے تھے۔

بال ہلکے بکھرے ہوئے...چہرے پر مخصوص وجاہت اور آنکھوں میں وہی دیوانگی۔

اسکی نظریں سیدھا اپنی روح کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

پھر وارڈروب کے پاس کھڑی اپنی دلہن پر نظر پڑتے ہی اسکے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔

"م۔۔میر۔۔۔ اتنی دیر کر دی آپ نے..."

روح جلدی سے اسکے قریب آئی تھی۔

میر نے جواب دینے کے بجائے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

”ماں صدقے اپنی روح پر…“

اسکی بھاری آواز روح کے کانوں میں اتری تھی۔

”بابا کے پاس تھا…کچھ کام تھا…“

روح اسکے سینے سے لگی خاموش رہی۔

دل کی دھڑکن جیسے قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

میر نے دو انگلیوں سے اسکی تھوڑی اٹھا کر چہرہ اوپر کیا۔

روح نے شرماتے ہوئے نظریں چرائیں۔

”میر ۔۔۔میر۔۔۔ میں کیسی لگ رہی ہوں ...آپ نے بتایا ہی نہیں
“

میر کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

”...پاس آنے دیں گی تو بتاؤں گا نا“

اسنے روح کے دونوں بازو اٹھا کر اپنے گردن کے گرد رکھے اور اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

روح کے لب ہلکے سے کھلے تھے۔

سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔

”...اتنا پاس تو ہوں ...اور کتنا میر“

وہ مشکل سے چہرہ پیچھے کرتی بولی تھی۔

اسکے لب بار بار میر کی جَو لائن سے ٹکرا رہے تھے۔

میر نے جھکتے ہوئے دھیمی مگر جذبات سے بھری آواز میں کہا۔

”اتنا۔۔۔ کہ سارے فاصلے ختم ہو جائیں“

روح کی پلکیں لرز گئی تھیں۔

”م۔۔میر۔۔۔ مجھے کپڑے چینج کرنے ہیں“

وہ ہلکے سے منمنائی۔

میر مسکرایا۔

"...تو میں کس لیے ہوں جانم"

اسنے جھک کر اسکی آنکھوں پر لب رکھے تھے۔

روح کے دل کی دھڑکن بے قابو ہوئی۔

"م۔۔میر۔۔۔ آپ بہت بے شرم ہیں۔۔۔ م۔۔مجھے چھوڑیں۔۔۔"

"جتنا دور رہنا تھا رہ لیا سردارنی۔۔۔"

میر نے اسکے چہرے کے قریب سرگوشی کی۔

"اب ایک سوئی جتنا فاصلہ بھی نہیں چاہیے۔۔۔ اپنے اور تمہارے درمیان۔۔۔"

اسکے لفظوں میں برسوں کی چاہت تھی۔

پھر وہ جھکا اور اسکے لبوں کو نرمی سے چھو لیا۔

روح کی سانس رک گئی تھی۔

"می۔۔میر۔۔۔ کیا کر رہے ہیں آپ..."

میر نے جواب دینے کے بجائے اسے بانہوں میں اٹھا لیا۔

روح بے اختیار چلائی تھی۔

"پیار۔۔۔ رومینس۔۔۔ برسوں کی پیاس بجھا رہا ہوں"

وہ دھیمے قدموں سے چلتا اسے پھولوں سے بھرے بیڈ تک لے آیا۔

بہت احتیاط سے اسے بستر پر بٹھایا۔

"م۔۔میر۔۔۔ مجھے کپڑے"

"ششش۔۔۔ ایک لفظ نہیں"

اسنے انگلی اسکے لبوں پر رکھی۔

"میں ہوں نا..."

میر اسکے ساتھ بیٹھ گیا۔

اسکی چوڑیوں کو ایک ایک کر کے اتارتا سائیڈ ٹیبل پر رکھتا گیا۔

روح ہر لمس پر ہلکا سا کانپ رہی تھی۔

پھر اسنے آہستہ سے اسکے جیولری کے ہکس کھولے۔

اسکی گردن پر بکھرتے بالوں کو پیچھے کیا۔

”م۔۔م۔۔میر۔۔۔ میری سانس“

روح نے گھبرائی آواز میں کہا۔

میر اسکے چہرے کے قریب آیا۔

پھر اسکے لبوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

روح کے ہاتھ بےاختیار اسکے سینے پر آ ٹکے تھے۔

سانسیں الجھ رہی تھیں۔

میر کی قربت ...اسکی گرم سانسیں... اسکے لمس ...سب روح کے حواس بکھیر رہے تھے۔

وہ کبھی اسکی پیشانی پر لب رکھتا... کبھی گردن کے قریب رکتا... کبھی اسکے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں میں بھر لیتا۔

روح کی سسکیاں ہلکی ہلکی فضا میں گھل رہی تھیں۔

"میر۔۔م۔۔۔"

ہر بار اسکے لبوں سے بس یہی نام نکلتا۔

میر جیسے اس ایک لفظ پر اور بے قابو ہو رہا تھا۔

اسنے روح کو پوری طرح اپنے حصار میں لے لیا۔

جیسے برسوں بعد اپنی کھوئی ہوئی دنیا واپس ملی ہو۔

کافی دیر بعد روح نڈھال سی اسکے سینے پر آ گری تھی۔

میر اب بھی اسکے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

کبھی اسکے ہاتھ چومتا ... کبھی رخسار۔

پھر اسکے لب دوبارہ اسکی طرف بڑھے مگر روح نے فوراً ہاتھ رکھ کر روک لیا۔

میر ہلکا سا ہنسا۔

ایک نظر اسکے چہرے پر ڈالی۔

سرخ رخسار ...بند آنکھیں۔۔۔ بکھرے بال ...اور اسکی شرٹ میں سمٹی ہوئی روح۔

"سو گئی میری جان؟"

اسنے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

روح ہلکی سی مچلی مگر آنکھیں نہ کھولیں۔

میر اسکی گردن میں چہرہ چھپا گیا۔

روح بے اختیار مسکرائی۔

”میر... سونے دیں“

”جب سوئی نہیں تو ایکٹنگ کیوں کر رہی ہیں؟“

وہ شرارتی انداز میں بولا۔

”آنکھیں کھولیں...“

اسکا ہاتھ ہلکے سے اسکی شرٹ کے بٹن پر رکا تھا۔

روح نے فوراً اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میر۔۔۔ مجھے شرم آ رہی ہے آپ سے ...اور اپنے ہاتھ کنڑول میں رکھیں..."

میر ہنس پڑا۔

”اتنے سے ہی تنگ آ گئی میری جان؟“

اسنے اسکے کان کے قریب سرگوشی کی۔

”یہ تو میں نے رحم کھا کر چھوڑ دیا۔۔ ورنہ آج رات تمہیں سونے نہیں دیتا۔۔۔“

روح نے فوراً چہرہ اسکے سینے میں چھپا لیا۔

”میں کوئی چوکیدار نہیں ہوں ...جو ساری رات جاگوں“

وہ دھیمی آواز میں بولی۔

میر نے اسے مزید قریب کر لیا۔

"...جاگنا تو پڑے گا سردارنی"

اسنے اسکے ماتھے پر لب رکھے۔

"...اب تم میر شاہ کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہو"

روح خاموشی سے اسکے سینے سے لگی رہی۔

دل اب بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا... مگر اس دھڑکن میں اب گھبراہٹ سے زیادہ سکون شامل تھا۔

.....

ہائی وے پر رات اپنی پوری خاموشی کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔

دور دور تک صرف گاڑیوں کی مدھم لائٹس اور سڑک کے کنارے لگے لیمپس کی ہلکی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

حیام خاموشی سے گاڑی کی ونڈو سے باہر دیکھ رہی تھی۔

سرخ لہنگا اب بھی اس پر ویسے ہی بچ رہا تھا جیسے ابھی ابھی کسی خواب سے نکلی ہو۔

ہاتھوں کی مہندی۔۔۔ چوڑیوں کی ہلکی آواز...اور چہرے پر نئی نویلی دلہن والی حیا۔

”ماہیر۔۔۔ ہم خان حویلی کیوں نہیں جا رہے...؟“

اسنے باہر اندھیرے میں نظریں جمائے پوچھا تھا۔

ماہیر نے ایک نظر اسکے دلکش سراپے پر ڈالی۔

سرخ دوپٹے کے نیچے جھانکتا معصوم چہرہ اور ہونٹوں پر وہی ضدی سا انداز۔

”ویسے حیام… تم کچھ زیادہ نہیں بولتی؟“

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

حیام نے فوراً رخ موڑا۔

”…ٹھیک ہے …اب نہیں بولتی“

وہ منہ پھلا کر اپنے ہاتھوں سے کھیلنے لگی تھی۔

ماہیر کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ آئی۔

"...پہلے دن کی دلہن اس طرح ناراض ہو کر بیٹھی اچھی نہیں لگتی"

اسنے گاڑی موڑتے اسکا ہاتھ پکڑا تھا۔

حیام نے فوراً ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی۔

"...نہیں لگتی تو اٹھا کر باہر پھینک دیں"

وہ غصے سے بولی تھی۔

”افف… میری تیکھی مرچ“

ماہیر نے لمبی سانس بھری۔

چند منٹ بعد گاڑی ایک بڑے سے فارم ہاؤس کے سامنے آکر رکی تھی۔

چاروں طرف خاموشی تھی۔

صرف روشنیوں میں نہایا وہ خوبصورت فارم ہاؤس کسی خواب جیسا لگ رہا تھا۔

ماہیر گاڑی سے اترا۔

پھر اسکی طرف آ کر دروازہ کھولا اور ہاتھ آگے بڑھایا۔

حیام نے اسکا ہاتھ مکمل اگنور کیا اور خود اترنے لگی۔

لیکن اگلے ہی لمحے ماہیر نے بغیر ایک سیکنڈ ضائع کیے اسے بانہوں میں اٹھا لیا۔

"چ۔۔چھوڑیں مجھے ماہیر خان ...بات نہیں کرنی آپ سے"

وہ فوراً تڑپی تھی۔

"لیکن مجھے آج سب کچھ کرنا ہے..."

ماہیر نے شرارتی لہجے میں کہا۔

وہ اسے اٹھائے فارم ہاؤس کے بڑے سے لاؤنج میں داخل ہوا۔

حیام جیسے ہی نیچے اتری، فوراً لہنگا سنبھالتے اس سے دور ہوئی۔

"...سڑیل ... اکڑو"

وہ بڑبڑائی تھی۔

لیکن اگلے ہی لمحے اسکی نظریں ارد گرد گھومیں... اور وہ رک گئی۔

ہر طرف گلاب کے پھول تھے۔

...فرش پر جلتی خوشبودار کینڈلز

...سنہری لائٹس

اور ماحول میں ہلکی سی رومانوی موسیقی۔

"...اُف... کتنا خوبصورت لگ رہا ہے سب"

وہ بےاختیار گول گول گھومنے لگی تھی۔

ماہیر نے چند لمحے صرف اسے دیکھا۔

"...ہمم... خوبصورت بھی ہے...اور دلکش بھی... بالکل اپنا اپنا سا"

اسنے پیچھے سے آ کر دوبارہ اسے کندھے پر اٹھا لیا۔

"م۔۔مجھے نیچے اتاریں!"

حیام نے فوراً اسکے کندھوں پر ہاتھ مارے۔

" میں آپکی بیوی ہوں ...دشمن نہیں... جو ہر وقت اٹھا کر ..."

"بیوی تو ہو ...لیکن پوری ہٹلر..."

ماہیر ہنسا تھا۔

"ہاتھ میں ہی نہیں آتیں..."

وہ اسے لیے اوپر کمرے میں آیا۔

کمرہ پھولوں اور دھیمی روشنی سے سجا ہوا تھا۔

بیڈ پر سرخ گلاب کی پتیاں بکھری تھیں۔

ہوا میں عود اور گلاب کی ملی جلی خوشبو تھی۔

حیام نے نیچے اترنے کی کوشش کی مگر ماہیر اسے سیدھا دیوار کے ساتھ پن کر کے خود اسکے قریب آ گیا۔

"...میری تیکھی مرچ"

وہ اسکے ناک سے اپنا ناک مس کرتے بولا۔

"...آج پوری کی پوری کو کھا جاؤں گا"

"...م۔۔ماہیر... ہم ناراض ہیں آپ سے"

حیام نے بہانہ ڈھونڈتے مشکل سے کہا۔

"...تو میں مناؤں گا نا اپنی جان کو"

اسنے اسکی ہتھیلیوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے مسلا تھا۔

”نہیں... آپ دور رہ کر منائیں...“

حیام کی سانسیں الجھ رہی تھیں۔

”تب مانوں گی...“

ماہیر اسکے اور قریب جھکا۔

”...مجھے پتا ہے ...قریب رہ کر زیادہ اچھی طرح مانو گی“

”...نہیں مانوں گی“

وہ ضد سے بولی۔

”...چلو دیکھتے ہیں“

اسکی آواز بھاری ہوئی۔

”...پہلے قریب سے نہ مانی... تو پھر دور سے منا لوں گا“

ماہیر نے دھیرے دھیرے اسکی جیولری اتارنا شروع کی۔

کانوں کے جھمکے ...ہاتھوں کی چوڑیاں... گردن کا نیکلس۔

ہر بار اسکی انگلیاں حیام کی جلد کو چھوتیں تو وہ ہلکا سا کانپ جاتی۔

"م۔۔م۔۔ماہیر..."

اسے خود پر جھکتا دیکھ کر حیام کی آواز لرزی تھی۔

"جی جان ماہیر..."

وہ سرگوشی میں بولا۔

اسکا ہاتھ حیام کی کمر پر پھرا تھا جبکہ دوسری ہاتھ سے وہ اسکی کرتی کی ڈوریوں سے کھیل رہا تھا۔

"پ۔۔پلیز..."

حیام نے آنکھیں بند کر لیں۔

"م۔۔مجھے ان سب چیزوں کے لیے ٹائم چاہیے..."

”وجہ۔۔۔؟“

ماہیر نے لب اسکے کان کے قریب کیے۔

”م۔۔۔میری سٹڈی“

”واٹ؟“

ماہیر چند سیکنڈ اسے دیکھتا رہا۔

”سٹڈی کہاں سے آ گئی میری ماں؟“

اسکی ہنسی نکل گئی تھی۔

"وہ۔۔وہ بچے..."

حیام بری طرح اٹکی۔

"پ۔۔پھر..."

ماہیر کا زور دار قہقہہ گونجا تھا۔

"تو تم یہاں تک سوچ چکی ہو ...ڈارلنگ؟"

اسنے اپنا کوٹ اتارتے اسے سینے سے لگا لیا۔

حیام شرم سے مکمل سرخ ہو گئ تھی۔

”فکر نہ کرو...“

ماہیر نے اسکی گردن میں چہرہ چھپایا۔

”تمہیں پڑھاؤں گا بھی... اور بچوں کو بھی سنبھال لوں گا...“

پھر وہ اسکی گردن پر نرم لمس چھوڑتا اسکے لبوں پر جھک گیا۔

حیام کی سانس جیسے وہیں رک گئی تھی۔

ماہیر نے اسے اپنے ساتھ لیے بیڈ پر گرا دیا۔
ان دونوں کے گرتے ہی پھول ہوا میں بکھر گئے تھے۔

کمرے میں صرف انکی سانسوں کی آواز تھی۔

ماہیر آج جیسے واقعی اسے اپنی محبت میں ڈبونا چاہتا تھا۔

کبھی اسکے ماتھے پر لب رکھتا... کبھی گردن پر... کبھی اسکے ہاتھوں کو چومتا۔

حیام کی سسکیاں ہر لمحہ گہری ہو رہی تھیں۔

"م۔۔۔ماہیر"

وہ ہر بار بے بسی سے اسکا نام لیتی۔

اور ماہیر ہر بار مزید دیوانہ ہو جاتا۔

اسنے اپنے اور حیام کے درمیان ہر فاصلہ ختم کر دیا تھا۔

اسکی بانہوں کا حصار...اسکی قربت...اسکی شدت...سب حیام کو اپنے اندر سمیٹ رہے تھے۔

حیام کو محسوس ہو رہا تھا کہ اسکا پورا وجود جل رہا ہے۔

سانسیں بے ترتیب تھیں۔

چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

لیکن ماہیر جیسے آج اسے اپنی محبت کا ہر رنگ محسوس کروانا چاہتا تھا۔

وہ ہر بار اسے تھوڑا سا سنبھالتا ...پھر دوبارہ اپنی شدتوں میں کھو جاتا۔

اور پورے کمرے میں حیام کی دھیمی سسکیاں... ماہیر کی اور محبت کی مہک پھیل گئی تھی۔ ...

کمرے میں ہلکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

چھت سے لٹکتی سفید آرکیڈز کی لڑیاں دھیمی ہوا کے ساتھ ہولے ہولے ہل رہی تھیں۔

ہر طرف گلاب کی مہک بسی ہوئی تھی لیکن منت کو اس وقت ان سب چیزوں سے عجیب سی کوفت محسوس ہو رہی تھی۔

وہ ٹریک سوٹ پہنے، بال کھولے، ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔

ٹیبلیٹ نگلتے اس نے تھکی ہوئی سانس بھری۔

"افف یار۔۔۔ کیا ہے یہ سب"

اس نے سامنے بکھرے پھولوں کو گھورا۔

"ہر طرف پھول ہی پھول..."

جھنجھلاہٹ سے وہ اٹھی اور بیڈ پر پھیلے سرخ گلاب ایک طرف کرنے لگی۔ کچھ پھول فرش پر جا گرے تھے۔

"روم ہے یا فلاور شاپ..."

وہ بڑبڑاتی ہوئی آخرکار بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔

کمبل پوری طرح اپنے اوپر کھینچتے اس نے خود کو چھپا لیا تھا۔

جیسے اس کمبل کے اندر چھپ کر وہ ہر احساس...ہر یاد۰۰۰ ہر خوف سے بچ جائے گی۔

لیکن نیند تو اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

دل عجیب بے چینی میں مبتلا تھا۔

باسل کا خیال۰۰۰ اس کا لمس...اس کی نظریں۰۰۰ سب کچھ اس کے اندر ہلچل مچا رہا تھا۔

”مجھے اپنے کمرے میں ہی سونا چاہیے تھا...“

وہ دل میں بڑبڑائی ہی تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

اس کا پورا وجود ایک دم ساکت ہو گیا۔

سانس تک روک لی تھی اس نے۔

باسل اندر داخل ہوا تھا۔

کالے رنگ کی شیروانی اب بھی اس کے وجود پر جچی ہوئی تھی، مگر چہرے پر تھکن کے باوجود عجیب سی چمک تھی۔

اس نے کمرے کی لائٹ آن کی۔

پھر نظریں سیدھا بیڈ پر گئیں۔

کمبل میں لپٹی منت کو دیکھ کر اس نے گہری سانس بھری اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

”منت...“

وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

”سو گئی ہیں کیا...؟“

منت نے آنکھیں اور مضبوطی سے بند کر لی تھیں۔

دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے لگا ابھی باسل سن لے گا۔

"مائی ہارٹ بیٹ۔۔۔"

باسل ہلکا سا مسکرایا۔

"آج اتنی جلدی سو گئی۔۔۔"

وہ وارڈروب کی طرف بڑھا۔

نائٹ سوٹ نکالتے ایک لمحے کو پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

منت بے حرکت پڑی رہی۔

”...تھینک گاڈ“

جیسے ہی باسل چینجنگ روم میں گیا، اس نے دل ہی دل میں سکون کا سانس لیا تھا۔

لیکن اگلے ہی لمحے پھر بے چینی نے گھیر لیا۔

کچھ دیر بعد باسل باہر آیا۔

اب وہ بلیک ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں تھا۔

اس نے لائٹ بند کی۔

صرف بیڈ سائیڈ لیمپ کی مدھم روشنی باقی رہ گئی تھی۔

بیڈ ہلکا سا دبا جب وہ اس کے ساتھ آ کر لیٹا۔

منت کا دل حلق میں اٹک گیا تھا۔

باسل نے کمبل اپنے اوپر کھینچا اور آہستہ سے اپنا سر اس کے بازو پر رکھ دیا۔

”سوتے ہوئے میری جان کتنی خوبصورت لگتی ہے...“

اس کی گرم سانسیں منت کے رخسار سے ٹکرائی تھیں۔

پھر اگلے ہی لمحے اس کے نرم لب منت کے گال کو چھو گئے۔

منت نے آنکھیں زور سے بند کر لی تھیں۔

باسل نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر بمشکل ہنسی روکی۔

"افف... میری ہارٹ بیٹ کے ہونٹ"

وہ سرگوشی کرتا اس کے قریب جھکا تھا۔

اور پھر اس کے لبوں کو اپنے حصار میں لے لیا۔

منت کی آنکھیں فوراً کھل گئی تھیں۔

اس نے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی مگر اس کے ہاتھ باسل کے مضبوط جسم تلے دبے ہوئے تھے۔

باسل جیسے برسوں کی شدت لیے اس کے لبوں پر اپنی محبت انڈیل رہا تھا۔

دھیمے… مگر پاگل کر دینے والے انداز میں۔

منت کی سانسیں بھاری ہونے لگی تھیں۔

آخر باسل رحم کھاتے ہوئے تھوڑا پیچھے ہوا۔

مگر نظریں اب بھی اس کے بھیگے لبوں پر تھیں۔

منت لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔

”افف۔۔۔“

باسل نے مسکراتے ہوئے اس کے ماتھے پر لب رکھے۔

”سوتے ہوئے بہت پیاری لگ رہی تھی۔۔۔ اور ایکٹنگ کرتی تو اور بھی زیادہ۔۔۔“

اس نے اپنا سر اس کے سینے میں چھپا لیا تھا۔

”انتہائی بے شرم انسان ہیں آپ...“

منت نے مشکل سے کہا۔

باسل ہلکا سا ہنسا۔

“سامنے بیوی اتنی پیاری شکل بنا کر لیٹی ہو تو بندہ بےشرم ہو ہی جاتا ہے...”

اس کے ہاتھ آہستگی سے منت کی ٹانگوں پر پھرنے لگے تھے۔

منت کا پورا وجود تن گیا۔

"م... میری طبیعت ٹھیک نہیں... سونا ہے مجھے"

وہ بمشکل بول پائی تھی۔

باسل فوراً سنجیدہ ہوا۔

”کیا ہوا ہے طبیعت کو...؟“

وہ پریشانی سے اٹھا اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چیک کرنے لگا۔

”۔۔۔بخار تو نہیں“

”...کچھ نہیں۔۔۔ بس سر درد ہے“

منت نے نظریں چرا لیں۔

...لیکن حقیقت یہ تھی کہ باسل کی خوشبو...اس کی قربت ...اس کا لمس اسے اندر تک بے حال کر رہا تھا۔

”...لاؤ... میں دبا دوں“

باسل نے نرمی سے اس کا سر اپنے بازو پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سر دبانے لگا۔

اس کی انگلیوں کی حرکت حیرت انگیز حد تک نرم تھی۔

منت کی بند آنکھوں سے جیسے تھکن دھیرے دھیرے اترنے لگی تھی۔

”بس کریں...“

کافی دیر بعد وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

باسل خاموشی سے اس کے ساتھ لیٹ گیا۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے صرف سانسوں کی آواز باقی رہ گئی تھی۔

پھر وہ آہستہ سے بولا۔

”منت...“

اس کے لہجے میں ایسی محبت تھی کہ منت کا دل لرز گیا۔

باسل نے چہرہ اس کی گردن میں چھپا لیا تھا۔

پھر اگلے ہی لمحے اسے اپنے اوپر کرتے اپنے حصار میں قید کر گیا۔

"ی... یہ کیا کر رہے ہیں آپ"

منت گھبراتے ہوئے اٹھنے لگی۔

باسل نے اس کی کمر تھام لی۔

"ہماری ویڈنگ نائٹ ہے، منت..."

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

"انجان مت بنیں... میرا ساتھ دیں... ریلیکس فیل کریں گی..."

اس نے نرمی سے اس کے بالوں کو جوڑے سے آزاد کیا۔

کھلے بال بستر پر بکھر گئے تھے۔

باسل کے ہاتھ اس کے ٹریک سوٹ کے بٹنوں پر رکے۔

"ن... نہیں باسل"

منت نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔

لیکن باسل اس کے ماتھے، آنکھوں، رخساروں پر لمس چھوڑتا اسے اپنی شدتوں میں الجھا چکا تھا۔

اس کی ہر ضد ...ہر مزاحمت ...دھیرے دھیرے کمزور پڑ رہی تھی۔

منت کی سانسیں بکھر رہی تھیں۔

اور باسل ... برسوں کی محبت، پچھتاوے اور شدت کے ساتھ اسے اپنے قریب سمیٹ رہا تھا۔

"منت..."

اس نے بے حد نرمی سے اس کا نام لیا۔

ایسے جیسے واقعی وہ اس کی دنیا ہو۔

منت کی آنکھوں سے بے اختیار نمی بہہ نکلی تھی۔

اتنے برسوں بعد...

اتنی دوریوں کے بعد...

وہ پہلی بار خود کو پھر سے اس کے حوالے کر رہی تھی۔

اور باسل نے اسے کسی قیمتی متاع کی طرح اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔

.....

کمرے میں ہلکی سی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ باہر صبح کی ہلکی دھوپ پردوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی مگر اندر کا ماحول ابھی بھی نیند اور خمار کے بیچ جھول رہا تھا۔

حیام آہستہ آہستہ آنکھیں کھول رہی تھی جب اچانک اسے اپنے اوپر بھاری سا احساس ہوا۔

سانس جیسے ایک دم رُک گیا ہو۔

وہ پوری طرح ہوش میں آتی ہے تو دیکھتی ہے ماہیر اس کے اوپر لیٹا ہوا ہے، سر اس کے سینے میں چھپائے ہوئے...اور بازو مضبوطی سے اس کے گرد لپٹے ہوئے۔

حیام کی آنکھیں فوراً پھیل گئی تھیں۔

”یہ... یہ کیا ہے؟“

اس نے ہلنے کی کوشش کی مگر وہ اس کی گرفت میں مکمل قید تھی۔

ماہیر نیند میں بھی سکون سے مسکرا رہا تھا، جیسے دنیا کا سب سے آرام دہ بستر اسے مل گیا ہو۔

وہ آہستہ سے بڑبڑایا:

”سونے دو نا یار… بیگم…“

اور پھر مزید گہرائی سے اس کے گرد لپٹ گیا۔

حیام کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”م۔۔۔ میں آپ کی بیوی ہوں تکیہ نہیں“

اس نے غصے سے ناخن اس کی گردن پر ہلکا سا گاڑھ دیا۔

ماہیر نے آنکھیں بند کیے ہی ہلکی سی مسکراہٹ دی۔

”...حرکتوں سے تو چڑیل لگ رہی ہو“

اس نے نیند میں ہی اس کے لبوں پر انگلی پھیر دی۔

حیام کا دل جیسے ایک لمحے کو رک گیا۔

”...ماہیر... اٹھیں نا ...مجھے سانس نہیں آ رہا“

وہ مشکل سے بولی۔

ماہیر نے آہستہ سے سر اٹھایا، ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھا، پھر دوبارہ اسی کے سینے میں سر رکھ دیا۔

”...ایسے سلانے کی عادت ڈال لو مجھے“

اس کی آواز نیند سے بھری ہوئی تھی۔

"میں ایسے ہی سوئوں گا ...جہاں دل کیا وہاں چہرہ چھپا کر"

حیام نے غصے اور شرمندگی کے ملے جلے انداز میں اسے دھکا دینے کی کوشش کی۔

"کیا ہے یہ... ماہیر... رات ختم ہوگئی ہے؟ اب صبح ہوگئی ہے!"

اس نے تنگ آ کر آواز بلند کی۔

:ماہیر نے آنکھیں بند کیے ایک گہرا سانس لیا، پھر ہلکے سے مسکرا کر بولا

”...لو... نہیں سوتا“

اس نے اس کی کمر پر گرفت اور مضبوط کی۔

”...اب تم برداشت کرو ...شور تو تم نے کیا تھا نا“

حیام کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ ماہیر اچانک جھکا اور اس کے لبوں کو نرم مگر مکمل انداز میں اپنی گرفت میں لے لیا۔

کمرہ ایک دم خاموش ہو گیا۔

حیام کی ساری شکایتیں ایک لمحے میں رک گئیں۔

وہ ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش کرتی رہی، مگر ماہیر اس لمحے بھی آنکھیں بند کیے صرف سکون سے اس کے قریب تھا... جیسے اس کے بغیر سانس لینا بھی ادھورا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ آہستہ سے پیچھے ہٹا۔

اور پیشانی اس کے ماتھے سے ٹکا کر بولا:

”اب سانس آیا بیگم۔۔۔“

حیام نے سانس تیز کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، مگر جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔

...صرف خاموشی تھی

اور اس خاموشی میں چھپی ہوئی تیز دھڑکنیں۔

۔۔۔۔۔۔

کمرہ ابھی بھی رات کی ہلکی سی مدھم روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ پردوں کے درمیان سے صبح کی نرم سنہری کرنیں اندر آرہی تھیں، لیکن اندر کا ماحول ابھی بھی خواب اور حقیقت کے بیچ جھول رہا تھا۔

منت آہستہ سانسیں لیتے ہوئے باسل کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ اس کا سر اس کے دل کی دھڑکن کے عین قریب تھا، جیسے ہر دھڑکن اسے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی ہو۔

باسل ایک ہاتھ سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا، جیسے وہ کوئی بہت نازک سی چیز سنبھال رہا ہو۔

منت کی سانسیں سکون میں ڈوبی ہوئی تھیں۔۔۔ مگر وہ پوری طرح بے خبر نہیں تھی۔

اچانک باسل نے شرارت سے اس کے بالوں کا ایک لچھا پکڑا اور ہلکے سے اس کی ناک کے قریب لے آیا۔

ٹھنڈی سی چُھب نے منت کو فوراً چونکا دیا۔

وہ جھٹکے سے آنکھیں کھول کر اٹھ بیٹھی۔

”باسل!“

اس کی آواز میں نیند اور غصہ دونوں تھے۔

باسل نے فوراً ہلکی سی ہنسی دبا لی۔

”کیا ہوا، مائی ہارٹ بیٹ؟“

اس نے بالکل بے فکری سے اسے دوبارہ اپنی طرف کھینچا، اور منت کو سیدھا اپنے نیم ننگے سینے کے ساتھ لگا لیا۔

منت ایک لمحے کو ساکت رہ گئی۔

"صبح ہو گئی ہے"... باسل نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"اب آپ سسرال میں ہیں... تھوڑا سا آداب بھی آنا چاہیے نا"

وہ مسکراتے ہوئے اس کے گال دیکھنے لگا جو ہلکے سے سرخ ہو رہے تھے۔

"اور یہ سرخ گلابی گال"... اس نے انگلی سے اس کا چہرہ چھوا۔

"اس کا جواز بھی دینا پڑے گا مجھے"...

منت نے شرمندگی سے نظریں چرا لیں۔

"میں... میں شاور لے لوں"

وہ اٹھنے لگی۔

لیکن باسل نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑا اور ہلکی سی کھینچ کے اسے واپس بیڈ پر گرا دیا۔

اور اگلے ہی لمحے وہ خود اس کے اوپر جھک گیا۔

منت کی سانس ایک دم رک گئی۔

”باسل پلیز ...“ وہ فوراً گھبرا گئی۔

”اب مزید کچھ نہیں...“

باسل نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا:

”ایک چھوٹی سی کس بس...“

اور اس سے پہلے کہ منت کچھ کہہ پاتی، وہ اس کے لبوں پر جھک گیا۔

نرمی سے ... مگر مکمل شدت کے ساتھ۔

منت کی آنکھیں فوراً بند ہو گئیں۔

اس کے ہاتھ بے اختیار اس کے سینے پر آ گئے، مگر وہ اسے روک نہیں پائی۔

کمرے میں لمحہ بھر کے لیے خاموشی پھیل گئی، صرف ان دونوں کی تیز ہوتی سانسوں کی آواز رہ گئی۔

باسل آہستہ سے پیچھے ہٹا۔

اس کی نظریں ابھی بھی منت کے چہرے پر تھیں۔

اس نے اس کی مہندی والے ہاتھ کو اٹھایا، جہاں اس کا نام لکھا تھا، اور ہلکے سے وہاں لب رکھ دیے۔

”کاش، ... وہ دھیرے سے بولا“

”...ابھی رات ابھی ختم نہ ہوتی“

منت نے کن انکھیوں سے اسے گھورا۔

مگر اس گھورنے میں بھی چھپی ہوئی بے بسی اور نرمی صاف جھلک رہی تھی۔

اور باسل ...بس مسکرا دیا۔

کمرے میں ہلکی سی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور خاموشی میں صرف دونوں کی سانسوں کی آواز گھل رہی تھی۔

روح ابھی میر کی بڑی سی شرٹ میں لپٹی کھڑی تھی۔ وہ شرٹ اس پر اتنی بڑی لگ رہی تھی کہ وہ واقعی ایک نازک سی بچی کا تاثر دے رہی تھی۔

میر نے اسے ایک نظر دیکھا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔

”بلکل بچی لگ رہی ہو اس شرٹ میں...“

اس کی آواز میں محبت بھی تھی اور شرارت بھی۔

روح نے فوراً نظریں جھکا لیں، اس کا چہرہ ہلکے سے سرخ ہو گیا۔

”میر... پلیز...“

وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

میر نے جواب میں کچھ نہیں کہا، بس آگے بڑھا، کمبل کو ہلکے سے ہٹایا اور اسے نرمی سے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔

روح ایک لمحے کو گھبرا گئی۔

"میر۔۔۔م۔۔۔"

ششش "۔۔۔میر نے دھیرے سے اسے روکا۔"

"اتنی شور نہیں۔۔۔"

وہ اسے لیے آہستہ قدموں سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی روح نے اسے دیکھا، اس کی سانسیں ہلکی سی تیز ہو گئی تھیں۔

جی روح "...میر نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔"

"آپ جائیں۔۔۔ مجھے شاور لینا ہے..."

روح نے ہمت جمع کر کے کہا، مگر آواز کانپ رہی تھی۔

”میر… پلیز… پ“

وہ ابھی مکمل بات بھی نہ کر پائی تھی کہ میر پہلے ہی اس کے ساتھ اندر آ چکا تھا۔

گرم پانی کی ہلکی بوندیں ماحول کو اور بھی خاموش اور گہرا بنا رہی تھیں۔

میر اس کے سامنے کھڑا تھا، نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

”میں نے اتنا انتظار کیا ہے اس وقت کے لیے…“

وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

”کہ ہم دونوں بس ایک دوسرے کے قریب ہوں…“

روح کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

وہ پیچھے ہٹنے کی کوشش کرتی ہے، مگر میر اس کے قریب آ گیا۔

روح کو اتنا تو یقین ہو گیا تھا کہ میراب اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑے گا کہی بھی ا سکتا ہے۔۔

میر نے اسے ہر پردے سے آزاد کرتا اپنے سینے سے لگایا تھا۔۔میر کے ہاتھ بے باکی سے اسکی پور پور پر حرکت کر رہے تھے۔

میر نے اسکے بھیگے لبوں کو اپنے لبوں میں لیا تھا۔

روح کی سانس روکنے لگی تھی۔۔وہ پانی میں ہاتھ ما رہی تھی۔۔

لیکن میر نرم گرفت کے ساتھ اسکے حسن سے کھیل رہا تھا۔۔

روح کی جان اسکی قربت میں لبوں پر آئی تھی۔۔ لیکن وہ اسکے وجود کو پوری طرح سے مہکا چکا تھا۔۔

......

شاہ حویلی کا بڑا ڈائننگ ہال صبح کی ہلکی سنہری روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ لمبی کھڑکیوں سے آتی دھوپ سفید ماربل پر پھیل رہی تھی۔ ٹیبل پر ہر قسم کا ناشتہ سجا تھا مگر اصل رونق نئے شادی شدہ جوڑے تھے۔

بی جان اپنی مخصوص شان سے بیٹھی تھیں جبکہ آغا جان خاموشی سے تسبیح گھما رہے تھے۔

زیبزہ شاہ اور زیمرہ شاہ کبھی بہوؤں کو دیکھتیں تو کبھی ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے۔

روح آج ہلکے پیچ کلر کے سوٹ میں ڈھیلی چوٹی کیے بیٹھی تھی۔
چہرے پر عجیب سی شرمیلی چمک تھی۔

...جبکہ میر شاہ

وہ پوری بےشرمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”میر...“

روح نے دھیرے سے سرگوشی کی۔

”کیا ہے...؟“

”کچھ نہیں...“

وہ آرام سے بولا۔

”بس دیکھ رہا ہوں...“

”سب کے سامنے ایسے نہ دیکھیں...“

میر ہلکا سا اسکی طرف جھکا۔

پھر کیسے دیکھوں...؟“

”رات والا طریقہ ٹھیک تھا؟

روح کے ہاتھ سے چمچ ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔

"میر!"

اسکا چہرہ فوراً لال ہوا۔

سامنے بیٹھا باسل ہنسی روک نہ سکا۔

"اوہ ہو ... صبح صبح بھی رومانس جاری ہے"

”جلو مت...“

میر نے سکون سے جواب دیا۔

”ہم کیوں جلیں...“

باسل نے کرسی پر ٹیک لگائی۔

”ہماری اپنی بیوی موجود ہے...“

اس نے معنی خیز انداز میں منت کو دیکھا تھا۔

منت جو اب تک خاموش بیٹھی تھی، فوراً نظریں جھکا گئی۔

آج وہ واقعی تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔

باسل کی ہنسی ایک لمحے کو کم ہوئی۔

"منت..."

اس نے دھیرے سے اسکی طرف جوس کا گلاس بڑھایا۔

”یہ پیو…“

”دل نہیں…“

”دل کو چھوڑو …پیو…“

منت نے خاموشی سے گلاس پکڑ لیا تھا۔

روح نے منت کو غور سے دیکھا۔

”آپ ٹھیک ہیں نا...؟“

”...ہمم“

منت نے ہلکی سی مسکراہٹ بنائی۔

لیکن باسل مطمئن نہیں تھا۔

وہ مسلسل اسکے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

ادھر میر ابھی بھی روح کے قریب جھکا بیٹھا تھا۔

"روح ویسے..."

اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

”...آج بھی اتنا ہی شرما رہی ہو جتنا رات کو“

روح نے فوراً اسکے بازو پر چپکے سے ہاتھ مارا۔

”...بس کریں“

”کیوں...؟“

وہ مزید قریب ہوا۔

”...مجھے تو ابھی بھی تمہارے گالوں کا یہی رنگ پسند آ رہا ہے“

روح کی سانس اٹکی تھی۔

"میر..."

"ہمم؟"

"سب دیکھ رہے ہیں..."

”دیکھنے دو...“

وہ مسکرایا۔

”نہیں crush ویسے بھی اب تم میری بیوی ہو ... کوئی...“

باسل نے فوراً قہقہہ لگایا۔

”سالے صاحب قابو کریں خود کو...“

”پہلے تم کرو...“

میر نے فوراً پلٹ کر جواب دیا۔

"...ہیں dangerous تمہاری نظریں بھی کافی"

"...بھائی"

باسل نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"...ہم تو محبت کرنے والے لوگ ہیں"

"...ہاں دیکھا جا رہا ہے"

روح نے پہلی بار شرارتی انداز میں کہا۔

میر نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"اوہ ہو...

...اب ہماری بیوی بھی بولنے لگی"

روح فوراً شرما گئی تھی۔

زینزہ شاہ ہنس پڑیں۔

”…یہ دونوں تو کہیں اور ہی بیٹھے ہیں“

اسی دوران باسل نے منت کی پلیٹ اپنی طرف کھینچی تھی۔

”آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”…تم کچھ کھا نہیں رہیں“

”...کھا رہی ہوں“

”...جھوٹ“

اس نے پراٹھے کا چھوٹا سا نوالہ توڑا اور اسکی طرف بڑھایا۔

منت نے فوراً ارد گرد دیکھا۔

”...باسل“

”منہ کھولو…“

”سب کے سامنے؟“

”تو کیا ہوا؟“

”بیوی ہو میری…“

وہ جان بوجھ کر بولا۔

منت کے کان تک سرخ ہوئے تھے۔

آخرکار اس نے خاموشی سے نوالہ کھا لیا۔

باسل کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔

”گڈ...“

منت نے فوراً اسکی طرف گھورا۔

باسل آنکھ دبا گیا۔

ادھر میر نے ٹیبل کے نیچے سے روح کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

روح چونکی۔

”میر چھوڑیں...“

”...نہیں“

وہ اسکی انگلیوں سے کھیلتا بولا۔

”...ویسے سردارنی“

”...آج رات مجھے جلدی کمرے میں چاہیے تم

روح کی سانس اٹکی تھی۔

”میر!“

”ہمم؟“

”آپ بالکل شرم نہیں کرتے...“

”تمہارا شوہر ہوں...“

وہ جھک کر اسکے کان کے قریب بولا۔

”...کوئی محلے والا لڑکا نہیں“

روح پوری طرح سرخ ہو گئی تھی۔

سامنے بیٹھے باسل نے دونوں کے تاثرات دیکھ کر مشکوک نظروں سے میر کو دیکھا۔

”...ہو رہی ہے dangerous whispering کچھ“

"تم اپنی بیوی پر دھیان دو..."

میر نے سکون سے جواب دیا۔

باسل نے فوراً منت کو دیکھا۔

منت خاموش بیٹھی تھی مگر اسکی طبیعت کی بوجھل کیفیت اب بھی واضح تھی۔

باسل کی مسکراہٹ ہلکی پڑ گئی۔

اس نے آہستہ سے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"okay?…ناشتہ ختم ہوتے ہی آرام کرو گی"

منت نے پہلی بار اسے نرم نظروں سے دیکھا تھا۔

اور وہ ایک چھوٹی سی نظر...

باسل کے پورے دل کو سکون دے گئی تھی۔

"کھانا واقعی بہت اچھا ہے..."

حیام نے نوالہ کھاتے ہوئے حیرانگی سے کہا تھا۔

ماہیر جو سامنے بازو فولڈ کیے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس کے لبوں پر فوراً فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔

"بیگم ۔۔۔ پھر تو انعام بنتا ہے..."

حیام نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

”انعام؟ کیسا انعام ماہیر خان؟“

اس نے آنکھیں چھوٹی کی تھیں۔

ماہیر آہستہ سے اس کے قریب آیا۔

”۔۔۔اتنا مزے کا ناشتہ بنایا ہے بیگم کے لیے“

وہ ہلکے سے جھکا۔

خود نہیں اٹھایا تمہیں۔۔۔ کہا میری بیوی سکون سے نیند پوری کرے ...اب اتنا سب کرنے کے بعد انعام تو بنتا ہے"

اس نے نوالہ توڑ کر اس کے لبوں کے قریب کیا۔

حیام نے نوالہ لیتے فوراً منہ بنایا۔

"ہاں تو آپ نے ہی ساری رات جگا کر رکھا..."

وہ شرمندگی اور جھنجھلاہٹ کے ملے جلے انداز میں بولی۔

”۔۔۔اس کے لیے تو مجھے آپ کو سزا دینی چاہیے“

ماہیر زور سے ہنسا تھا۔

”۔۔۔واہ بیگم“

وہ اس کے اور قریب آیا۔

”آپ نے کوئی انمول کارنامہ سرانجام دیا ہے کیا؟“

حیام نے فوراً اس کے بازو پر ہاتھ مارا۔

”تو آپ نے کون سی جنگ فتح کی ہے؟“

”...جو بھی ہے“

ماہیر نے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

”...مجھے انعام چاہیے“

حیام نے فوراً نظریں چرا لیں۔

”اچھا۔۔۔ جب شاپنگ پر جاؤں گی نا...تب کوئی گفٹ لے آؤں گی“

”...نہیں“

ماہیر نے بچوں جیسا منہ بنایا۔

”...مجھے ابھی چاہیے“

”ابھی کیسے؟“

ماہیر کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔

”...یو کین ڈو اٹ، ڈارلنگ“

وہ ہلکے سے جھکا اور اپنی انگلی لبوں پر رکھ دی۔

”...اونلی... کس می“

”...نوو ماہیر“

حیام فوراً سرخ ہوئی تھی۔

"یس..."

اس نے اس کا ہاتھ پکڑتے ایک جھٹکے سے اپنی گود میں بٹھا لیا۔

"م۔۔ماہیر..."

حیام گھبرائی تھی۔

ماہیر نے اس کے گرد بازو مضبوط کیے اور اپنا چہرہ اس کے قریب لے آیا۔

"چلو ڈارلنگ..."

اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"I'm waiting..."

"نو..."

حیام بمشکل بولی۔

”...پیسسس“

وہ ہنسا تھا۔

حیام نے دھڑکتے دل کے ساتھ ادھر ادھر دیکھا جیسے واقعی کوئی انہیں دیکھ لے گا۔

پھر بہت ہچکچاتے ہوئے اس کے قریب جھکی۔

اس کے کانپتے لب بس ایک لمحے کے لیے ماہیر کے ہونٹوں کو چھو کر فوراً پیچھے ہوئے تھے۔

”بس!“

وہ فوراً شرم سے سرخ ہوتی پیچھے ہٹی۔

لیکن ماہیر کا قہقہہ پورے کچن میں گونجا تھا۔

"افففف..."

اس نے ہنستے ہوئے اسے مزید قریب کھینچا۔

"اتنی تیکھی... اور اتنی سی کس..."

حیام شرم سے پانی پانی ہوتی فوراً اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

اور ماہیر اب بھی ہنس رہا تھا...

اپنی شرماتی ہوئی بیوی کو بانہوں میں بھرے۔

....

کمرے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

دیواروں پر لگے سنہری لیمپس کی روشنی پورے ہال کو پراسرار سا بنا رہی تھی۔

سامنے بڑی سی گلاس ونڈو کے باہر شہر کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں جبکہ اندر صرف سگار کے دھوئیں اور خاموشی کا راج تھا۔

کمرے کے درمیان بلیک ماربل ٹیبل کے پیچھے فہد ملک ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔

بلیک شرٹ کی فولڈڈ سلیوز، ہاتھ میں جلتا سگار، اور چہرے پر وہی خطرناک سکون۔۔۔

جو اسکے غصے کی سب سے بڑی نشانی تھا۔

اسکے ارد گرد اسکے آدمی کھڑے تھے۔

کوئی سر جھکائے۔

کوئی خاموش۔

کوئی ڈرا ہوا۔

تبھی ایک آدمی تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"سر۔۔۔"

فہد نے آہستگی سے نظریں اٹھائیں۔

"کیا ہے۔۔۔؟"

"سر آپ کو پتہ ہے۔۔۔ میر شاہ نے شادی کر لی ہے۔۔۔"

چند لمحوں کیلئے خاموشی چھا گئی۔

فہد کے ہاتھ میں پکڑا سگار رکا تھا۔

پھر اسکے لبوں پر دھیمی مگر خطرناک مسکراہٹ آئی۔

کچھ نیا بتاو۔۔ یہ بات کس کو نہیں پتا۔۔

پورا سوشل میڈیا شاہ ویڈنگ سے بھرا پڑا ہے ۔۔۔

پر دوسری ویڈیو اسکی ٹرینڈنگ پر ہے۔

اسکے آدمی نے ٹیبلٹ آن کیا تھا۔

”سر۔۔۔ یہ دیکھیں۔۔۔“

ویڈیو چلنا شروع ہوئی۔

ہال میں پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔

میر شاہ اپنی بانہوں میں روح کو اٹھائے اسٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

روح کا لہنگا ہوا میں ہلکا سا لہرا رہا تھا جبکہ اسکے چہرے پر شرمائی ہوئی مسکراہٹ تھی۔

پھر اگلا کلپ چلا۔۔۔

میر نے روح کو گھماتے ہوئے اپنے قریب کیا تھا۔
اسکی پیشانی پر لب رکھے تھے۔
اور روح مکمل اعتماد کے ساتھ اسکے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

”سر۔۔۔ میر شاہ نے میڈیا کو اپنی فیملی کی کوئی تصویر نہیں دی۔۔۔“

یہ ویڈیوز اور تصویریں بڑی مشکل سے ایک خفیہ بندے سے ملی ہیں۔۔۔“

فہد خاموشی سے سب دیکھتا رہا۔

اسکی نظریں اب اسکرین پر موجود روح کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

"اور سر۔۔۔"

آدمی مزید قریب آیا۔

"یہ محبت کی شادی ہے۔۔۔"

"روح شاہ۔۔۔ سردار میر شاہ کی بچپن کی منکوحہ ہے۔۔۔"

"اسی لیے تو آج تک اسنے شادی نہیں کی۔۔۔"

”سنا ہے بائیس سال بعد وہ دوبارہ شاہ حویلی واپس آئی ہے۔۔۔“

”اور۔۔۔“

اسنے ایک لمحہ رکتے ہوئے کہا۔

”میر شاہ اپنی بیوی کو دیوانوں کی طرح چاہتا ہے۔۔۔“

چند سیکنڈ کیلئے خاموشی چھا گئی۔

پھر فہد ملک آہستہ سے ہنسا تھا۔

وہ کرسی سے اٹھا۔

ٹیبلٹ ہاتھ میں لیتے ونڈو کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اسکرین پر ابھی بھی میر شاہ روح کو اپنی بانہوں میں لیے کھڑا تھا۔۔۔

اس انداز میں جیسے پوری دنیا سے چھین کر بھی اسے خود سے الگ نہ ہونے دے گا۔

فہد کی آنکھوں میں خطرناک چمک ابھری تھی۔

”تو اب یہی دیوانگی۔۔۔“

اسنے روح کی تصویر پر انگلی پھیری۔

”اسکی سب سے بڑی کمزوری بنے گی۔۔۔“

وہ سرد لہجے میں بولا۔

”اب سردار میر شاہ تڑپے گا۔۔۔“

”اپنی ہی محبت کیلئے۔۔۔“

اسکے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

مگر وہ مسکراہٹ سکون والی نہیں۔۔۔

شکار پر نظر رکھنے والے درندے جیسی تھی۔

”کیونکہ طاقتور انسان کو گرانا ہو نا۔۔۔“

وہ آہستہ سے بولا۔

”تو اسکے دل پر وار کیا جاتا ہے۔۔۔“

کمرے میں موجود آدمیوں کے چہرے سنجیدہ ہو گئے تھے۔

اور فہد ملک کی نظریں اب بھی روح کی تصویر پر جمی تھیں۔۔۔

ایسی نظروں سے۔۔۔

جو کسی خطرناک کھیل کے آغاز کی خبر دے رہی تھیں۔

۔۔۔۔۔

رات کا آخری حصہ تھا جب گاڑیوں کی قطار شاہ حویلی کے بڑے دروازے کے سامنے آکر رکی۔ حویلی کی روشنیاں دور سے ہی ایسے لگ رہی تھیں جیسے کسی پرانی کہانی کا محل جاگ رہا ہو۔ گیٹ کے دونوں طرف کھڑے

گارڈز نے احترام سے دروازہ کھولا اور ایک ایک کر کے مہنگی گاڑیاں اندر داخل ہونے لگیں۔

ماہیر پہلے گاڑی سے اترا۔ اس نے ہلکے ڈارک کلر کا روایتی مگر اسٹائلش لباس پہنا ہوا تھا جو اس کی شخصیت کو اور زیادہ رعب دار بنا رہا تھا۔ اس کے انداز میں وہی پرانا اعتماد تھا، مگر آج اس کے چہرے پر ایک الگ سی نرمی بھی تھی۔ جیسے کچھ بدل گیا ہو۔

حیام اور ماہیر اندر آئے تو پورا ہال ایک دم روشن سا لگنے لگا۔ ماہیر نے حیام کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما ہوا تھا، جیسے بھیڑ میں بھی اسے خود سے الگ نہ ہونے دے گا۔

دونوں سب سے پہلے آغا جان کے پاس گئے۔ آغا جان نے دونوں کو دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ دی اور دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھایا۔

"خوش رہو ہمیشہ..."

بی جان آگے بڑھیں اور حیام کو اپنے قریب کھینچ لیا۔ ماتھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

”...ہماری بیٹی آ گئی“

حیام کے چہرے پر ہلکی سی نرمی آ گئی۔ وہ خاموشی سے ان کے ہاتھ کو تھامے کھڑی رہی۔

اسی دوران ماہیر میر کے قریب آتا دیکھ کر ہلکا سا طنزیہ مسکرایا۔

“اوئے سردار ... تیری بیوی کو شرمانا چاہیے، تیرا چہرہ کیوں لال ہو رہا ہے؟ سب ٹھیک ہے؟”

ماہیر نے فوراً اسے گھورا۔

”کمینے… کھانا کھا کر آیا ہے یا دماغ چھوڑ کر؟ بکواس بند کر۔“

میر نے بھی فوراً مداخلت کی۔

”زیادہ بات نہ کر، ورنہ ابھی نکال دوں گا تجھے یہاں سے۔“

ماہیر ہنسا اور کندھے اچکا دیے۔

”دیکھا؟ محبت میں سب ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔“

سب لوگ پھر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ ہر طرف مختلف قسم کے کھانے سجے تھے، خوشبو پورے ہال میں پھیلی ہوئی تھی۔

زیزہ اور زیمرہ خاص طور پر حیام کے ساتھ بہت پیار سے پیش آ رہی تھیں، جیسے اسے کسی بھی کمی کا احساس نہ ہونے دیں۔ وہ بار بار اس کی پلیٹ میں کھانا ڈال رہی تھیں، اور ہلکی ہلکی باتوں سے اسے ہنساتی رہیں۔

حیام کبھی شرما جاتی، کبھی ہنس پڑتی، اور کبھی بس خاموشی سے سب کو دیکھتی رہتی۔

کھانے کے بعد سب دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ بڑے صوفوں پر بیٹھ کر ولیمے کی ڈسکشن شروع ہو گئی تھی۔ آرگنائزنگ ٹیم، ڈی کوریشن، اور ڈیٹ فائنل کرنے کی باتیں چل رہی تھیں۔

ماحول میں ہلکی ہنسی، باتیں اور خاندانی اپنائیت گھلی ہوئی تھی... جیسے سب کچھ اپنی جگہ پر آ کر مکمل ہو گیا ہو۔

کمرہ پہلے ہی نرم روشنیوں سے بھرا ہوا تھا۔ پردے ہلکے سے ہوا میں ہل رہے تھے اور کمرے میں ایک خاموش سکون تھا۔

دروازہ بند ہوتے ہی حیام نے لمبی سانس لی اور سیدھا بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"...اُف... نیچے سب کی نظریں، اور اوپر آ کر سانس آئی ہے"

منت بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی اور ہنستے ہوئے بولی۔

"لگ رہا تھا تمہیں کوئی قید کر رہا ہے وہاں پر۔"

حیام نے فوراً جواب دیا۔

"وہی تو ...میرے شوہر کی نظریں بھی عجیب ہیں آج کل۔"

روح نے ہنستے ہوئے تکیہ اس کی طرف پھینکا۔

”تمہیں مسئلہ نظروں سے ہے یا شوہر سے؟“

تینوں ایک ساتھ ہنس پڑیں۔

منت نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

یعنی نیچے سب لوگ ولیمے کی باتوں میں لگے ہوئے ہیں اور ہم یہاں“

”فرار ہو کر بیٹھے ہیں۔

روح نے موبائل گھماتے ہوئے جواب دیا۔

”فرار نہیں، ری چارج ہو رہے ہیں۔“

حیام نے دونوں کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔۔

منت نے حیام کو دیکھتے ہوئے آنکھ دبا کر چھیڑا۔

"لگتا ہے ماہیر لالہ کچھ زیادہ ہی رومینٹک ہو گئے ہیں۔۔۔ جو اتنا بلش ہو رہا ہے تمہارا؟"

منت نے روح کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ہنستے کہا۔

"ہاں یار۔۔۔ میری سوچ سے بھی زیادہ!"

حیام نے فوراً لب نکالے اور قہقہ لگا دیا۔

"کتنی بےشرم ہو تم دونوں..."

روح نے شرماتے ہوئے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"واہ ہماری سردارنی صاحبہ تو ایسے شرما رہی ہیں جیسے ہمارے لالہ نے
ساری رات آیت الکرسی سنائی ہو..."

حیام نے اسے کہنی ماری۔

”نہیں یار... ساری رات تو سونے ہی نہیں دیا“

روح نے انگلیوں کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

حیام ہنستے ہوئے بولی۔

”اتنا شرما کیوں رہی ہو؟ ابھی کون سا لالہ سامنے ہیں“

”چپ کرو ...یو آر ٹو مچ شیم لیس“

روح نے فوراً منہ بنایا۔

”ویسے میرے بھائی تو بہت سویٹ ہیں۔۔۔ کچھ کیا ہی نہیں ہوگا انہوں نے!“

روح نے منت کو چھیڑا۔

"کیا مطلب؟ ایک نمبر کے لوفر ہیں تمہارے بھائی۔۔۔ ذرا سی بھی شرم نہیں! بس چلے تو صبح بھی کمرے سے باہر نہ نکلنے دیں"

منت نے اپنے بالوں کو پیچھے کیا اور باسل کے بے باک انداز کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو میرے بھائی کے بارے میں کچھ نہ کہنا... تم انکی بیوی ہو، جو مرضی کریں!"

روح نے آنکھیں پھیلائیں۔

"تو پھر میرے لالہ کو بھی مت روکنا جب تمہاری سانسیں روک دیں گے!"

منت نے فوراً قہقہ لگایا۔ روح روہانسی ہو گئی۔

"اُف... مجھے اتنا رومینٹک شوہر نہیں چاہیے تھا!"

حیام فوراً کھڑی ہو گئی اور دوپٹہ کھینچتے ہوئے بولی۔

"زبردستی تو کرو نہ... می کس می کس وقت ہر!"

روح اور منت ہنس ہنس کر بے حال ہو گئیں۔

"نہیں لینے میں کمرے... گی لوں کر خودکشی سے دوپٹے اسی تو میں
دیتے، باہر اتارنے نہیں دیتے!"

حیام نے دوپٹہ دونوں کے منہ پر مارا۔

”لگتا ہے ہماری لڑکی اپنے شوہر سے ایک دن میں تنگ آ گئی ہے“

منت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”جاؤ تم میسنیوں ہنس لو“

حیام نے تکیہ اٹھاتے ہوئے روح کو ہلکا سا مارا، جس پر اس کا ڈمپل مزید نمایاں ہو گیا۔

روح نے معصومیت سے پوچھا۔

"یہ میسنیوں کیا ہوتا ہے؟"

حیام نے لب دبا کر شرارت سے کہا۔

اس کا مطلب ہوتا ہے ... معصوم"

منت نے اسے گھورا۔۔ لیکن حیام نے آنکھوں سے چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔۔۔

روح اسکی بات پر مسکرائی تھی کہ وہ سچ میں معصوم ہے۔۔

حیام پھر منہ بنا کر بیٹھی تھی۔۔۔

"اچھا اچھا ...ریلیکس میں کرتی ہوں اپنی جان کا موڈ ٹھیک۔۔۔"

روح نے بیڈ سے اترتے ہی اپنا موبائل اٹھایا اور اسپیکر سے کنیکٹ کیا۔ جیسے ہی میوزک آن ہوا، کمرے کا ماحول بدل گیا۔

"!چلو ڈانس کرتے ہیں"

روح نے حیام کو گھما کر اپنے ساتھ کھینچا۔

حیام نے فوراً ہنستے ہوئے آنکھیں پھیلائیں۔

”!شکر ہے کسی کو تو میرا احساس ہوا“

وہ خوشی سے بولی اور فوراً منت کو بھی اپنے قریب کھینچ لیا۔

اب تینوں نے اپنے دوپٹے ایک طرف بیڈ پر رکھ دیے اور کمرے کے درمیان آ کر ڈانس شروع کر دیا۔

افف کیا بدمعاشوں والا سونگ لگایا ہے تم نے۔۔۔ ہماری سردارنی“ ”!صاحبہ !اگر اس کے پتی دیو کو پتا چل گیا نا... گولی مار دے گا سیدھا

منت نے گالوں پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے کہا۔

روح ہنسی اور فوراً جا کر دروازہ بند کر دیا۔

”میں دروازہ لاک کر دیتی ہوں!“

دروازہ لاک ہوتے ہی کمرہ مکمل ان کی اپنی دنیا بن گیا۔

“لا لا لا لا...

آزمائے لے ...آ جا تو سامنے

آزمائے لے ...آ جا تو سامنے

دل پردہ فاش ہے

نیت عیاش ہے

نہ بن شریف تو، ببلی بدماش ہے

ببلی بدماش ہے...

نہ بن شریف تو، ببلی بدماش ہے

آ جا جلووں کے شامیانے میں

کیا رکھا ہے زمانے میں

تو بہلاتا ہے دل کو باتوں سے

"حسن کو چھو لے آج ہاتھوں سے

اب جیسے ہی بیٹ تیز ہوا، تینوں کا موڈ بھی بدل گیا۔

کمرے میں ایک دم زندگی بھر گئی۔

روح سب سے آگے تھی، اس کی کمر بیٹ کے ساتھ ہل رہی تھی، ہاتھ فضا میں اٹھے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ حیام بھی پورے اعتماد سے ڈانس کر رہی تھی، بال کھلے، چہرے پر شرارتی مسکراہٹ۔

منت پہلے ہلکی ہلکی ہنسی میں تھی مگر پھر وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔
تینوں ایک دائرے میں گھوم رہی تھیں، کبھی ایک دوسرے کو پکڑتیں، کبھی چھوڑ دیتیں۔

حیام اپنی کمر کو بیٹ کے ساتھ فلکس کرتی، ہاتھوں سے فضا میں اسٹائل دے رہی تھی جیسے کوئی اسٹیج پر ہو۔

روح تال کے ساتھ اپنے ہاتھ اوپر نیچے کرتی، پورا کمرہ اپنے موڈ میں لے آئی تھی۔

منت ہنستے ہوئے بولی:

"!اففف اگر کسی نے یہ سین دیکھ لیا نا...تو سیدھا بے ہوش ہو جائے گا"

لیکن وہ خود بھی رکے بغیر ڈانس کر رہی تھی۔

موسیقی تیز ہوتی گئی، تینوں کی انرجی اور بڑھتی گئی۔ کبھی قہقہے، کبھی شرارت، کبھی چیخیں... پورا کمرہ ان کی ہنسی اور بیٹ سے گونج رہا تھا۔

اور باہر کی دنیا سے بے خبر، وہ تینوں اس رات کو اپنی ہی ایک الگ دنیا بنا چکی تھیں۔

وہ تینوں ہال سے باہر آئے لیکن آنکھ بیویاں تو کہیں پر بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔

میوزک کی آواز حیام کے کمرے سے آتی دیکھتے ماہیر سیدھا حیام کے روم کی طرف گیا۔

باسل اور میر بھی اس کے پیچھے آ گئے۔

دروازہ کو ہلکا سا میر نے ٹچ کیا تو وہ لاک تھا۔ اندر سے قہقہوں اور سونگ کی آواز واضح آ رہی تھی۔

ماہیر نے ساتھ والی کھڑکی کے پردے کو ہلکا سا سرکایا تو...

وہ ایک پل کے لیے چونکا تھا۔

باسل اور میر نے بھی ونڈو سے اندر جھانکا۔

دیکھ تیری بیوی میری بیوی کو بھی خراب کر رہی ہے"... باسل نے"
ماہیر کے کان میں سرگوشی کی۔

بھائی اس کے سٹیپ دیکھ۔۔۔ یہ پہلے ہی ماسٹر ہے"...ماہیر نے بھی"
اندر دیکھتے ہوئے کہا۔

میر تو شاکڈ کھڑا تھا ...اس کی نظریں صرف روح پر جمی تھیں۔
اس نے آہستہ سے کہا، "کر دیا نا میری روح کو خراب تم دونوں کی بیویوں
نے..."

باسل نے فوراً ماہیر اور میر کو گھورا۔

"بس بھائی کسی نے بھی کسی کی بیوی کو کچھ نہیں کیا۔۔۔ سب ہی ماسٹرز ہیں۔۔۔ ہمارے سامنے بھیگی بلی بنتی ہیں"

ماہیر نے ایک نظر حیام پر ڈالی جو کمر ہلاتی قہقہ لگا رہی تھی اور بیڈ پر آ کر بیٹھی تھی۔

روح نے منت کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھمایا۔

منت گھومتی ہوئی روح کی باہوں میں آ گئی۔

وہ تینوں اندر سے میوزک بند کر کے ہنستی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

اور باہر کھڑے تینوں شاک میں تھے۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

حیام نے دروازہ کھولا۔سامنے تینوں کو دیکھتے اسکا سانس روکا تھا

تینوں اندر آئے۔

منت کا سانس پھولا ہوا تھا، اس نے فوراً اپنا چہرہ تکیے میں چھپا لیا۔

بیگم ڈانس ہو گیا ہے تو واپس چلیں "... ماہیر نے دوپٹہ اٹھاتے" اس کے اوپر ڈالا۔

ڈ... ڈانس؟ نہیں میں نے تو نہیں کیا "... حیام نے فوراً جھوٹ" بولا۔

”نہیں کس نے کیا اور کس نے یہ میں دیکھ لوں گا نا... ” ماہیر نے سنجیدگی سے کہا۔

”چلو ... گھر چلیں“

حیام روح کو گھورتے ہوئے ان دونوں سے مل کر خاموشی سے ان کے ساتھ باہر آ گئی۔

حیام گاڑی رکتے ہی جلدی سے باہر اتری تھی۔

دوپٹے کو ہاتھوں میں سمیٹے وہ تیز تیز قدموں سے حویلی کے اندر داخل ہوئی تھی۔

پورے راستے اس نے ایک بار بھی ماہیر کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

اور وجہ صرف ایک تھی۔

...شاہ حویلی میں کیا گیا اس کا ڈانس

وہ اب تک سوچ سوچ کر شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔

اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ماہیر خان نے اسے اس طرح سب کے سامنے ڈانس کرتے دیکھا تھا۔

"یا اللہ ...میں مر کیوں نہیں گئی..."

وہ دل میں بڑبڑائی تھی۔

چہرہ مسلسل سرخ ہو رہا تھا۔

پیچھے سے آتے ماہیر کے لبوں پر اس کی گھبراہٹ دیکھ کر مسلسل مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

لیکن وہ جان بوجھ کر سکون سے چل رہا تھا۔

جبکہ حیام تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

اور اگلے ہی لمحے خود کو واش روم میں بند کر لیا تھا۔

ماہیر کمرے میں آیا تو خالی روم دیکھ کر ہلکا سا ہنسا تھا۔

پھر اس کی نظر بند واش روم ڈور پر گئی۔

”اوہ۔۔۔“

وہ دھیرے سے مسکرایا۔

”...تو بیگم شرمندگی کے عالم میں روپوش ہو چکی ہیں“

وہ آرام سے کوٹ اتارتا صوفے پر پھینکتا واش روم کے قریب آیا تھا۔

”...بیگم“

اس نے دروازے پر انگلیوں کی پوریں مارتے آواز لگائی۔

”اب اندر بھی ڈانس کر رہی ہو کیا...؟“

اندر مکمل خاموشی تھی۔

ماہیر کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ آئی۔

”حیام۔۔۔“

اس بار اس کا لہجہ نرم ہوا تھا۔

”باہر آ جاؤ...“

کافی دیر بعد دروازہ آہستہ سے کھلا تھا۔

حیام نظریں جھکائے باہر نکلی تھی۔

اس کے رخسار اب تک سرخ تھے۔

وہ بنا کچھ بولے ماہیر کے پاس سے گزرنا چاہتی تھی مگر اگلے ہی لمحے ماہیر نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

حیام ایک دم اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

اس کا دل زور زور سے دھڑکا تھا۔

"یہ میرے سامنے ایسے فل سلیوز اور پوری پیکنگ والے کپڑے مت پہنا کرو..."

ماہیر نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے کہا تھا۔

”۔۔۔اتنے پیارے پیارے ڈریس لا کر دیے ہیں“

اس کا لہجہ جان بوجھ کر شرارتی تھا۔

”...وہ پہنا کرو“

”۔۔۔ص۔۔۔ صحیح تو ہیں“

حیام بمشکل بولی تھی۔

ماہیر نے جھکتے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"ٹھیک نہیں..."

اس کی سانس حیام کی گردن سے ٹکرائی تھی۔

"بالکل بھی ٹھیک نہیں..."

حیام کے ہاتھ ٹھنڈے پڑنے لگے تھے۔

”ب… بس کریں“

”ابھی تو شروع کیا ہے…“

ماہیر ہلکا سا مسکرایا۔

پھر اچانک وارڈروب کی طرف بڑھا تھا۔

کچھ لمحے بعد وہ ایک ڈریس نکال کر اس کے سامنے لایا۔

حیام نے جیسے ہی ڈریس دیکھا اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

وہ پنک کلر کی نیٹ والی شارٹ شرٹ تھی۔

جس پر بڑے بڑے پنک بٹن لگے تھے۔

ساتھ نرم سا ٹراؤزر رکھا تھا۔

"چلو۔۔۔"

ماہیر نے ڈریس اس کی طرف بڑھایا۔

"شاباش۔۔۔ یہ پہن کر آؤ..."

"میں نہیں پہنوں گی۔۔۔"

حیام فوراً پیچھے ہوئی تھی۔

”ماہیر۔۔۔ یہ بہت شارٹ ہے“

”تو۔۔۔؟“

”تو کیا مطلب...؟“

وہ شرم سے سرخ ہوئی۔

”۔۔۔میں نہیں پہننے والی“

ماہیر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا تھا۔

”...اگر تم نہیں پہنو گی نا“

وہ اس کے بال کان کے پیچھے کرتے بولا۔

”...تو پھر یہ کارنامہ میں خود سرانجام دوں گا“

”...م... ماہیر“

حیام فوراً پیچھے ہوئی۔

لیکن اگلے ہی لمحے وہ دیوار سے جا لگی تھی۔

اور ماہیر اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

اس نے حیام کی کمر تھامتے اسے اپنے قریب کیا تھا۔

”م... مجھے چھوڑیں“

حیام اس کے تاثرات دیکھ کر واقعی گھبرا گئی تھی۔

ماہیر کی نظریں مسلسل اس کے چہرے پر تھیں۔

"۔۔۔اتنا شرماؤ نہیں"

وہ دھیرے سے بولا۔

کیونکہ مجھے پتا چل گیا ہے کہ میری بیوی بالکل بھی معصوم اور مشرقی"
نہیں ہے..."

حیام کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"م... مطلب...؟"

"مطلب..."

ماہیر جھکتے اس کے کان کے قریب آیا تھا۔

”...شاہ حویلی میں جو ڈانس میری بیگم نے کیا ہے نا“

اس نے ہلکا سا ہنستے اس کی گردن پر لب رکھے تھے۔

حیام کے جسم میں سنسنی دوڑی تھی۔

”...سو... وی کین گو اہیڈ“

اس نے شرارتی انداز میں کہا۔

پھر اچانک اس کی گردن پر ہلکا سا بائٹ لیتے پیچھے ہٹا تھا۔

”آہ۔۔۔ ماہیر“

حیام نے فوراً گردن پر ہاتھ رکھا تھا۔

ماہیر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

پھر آرام سے جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ مکمل اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”...میں ویٹ کر رہا ہوں، بیگم“

حیام نے آنکھیں بند کرتے خود کو سنبھالا تھا۔

”...یا اللہ“

وہ دل میں بڑبڑائی۔

"...یہ میری قسمت تھی کہ میں نے ڈانس کیا"

"...اور اب"

اس نے سامنے بیٹھے ماہیر کو دیکھا۔

جو انتہائی بےشرمی سے مسکرا رہا تھا۔

"...میں نہیں پہنوں گی اسے"

وہ آخرکار ضد سے بولی تھی۔

ماہیر نے ابرو اٹھائے۔

"پکا۔۔۔؟"

"جی۔۔۔"

”ٹھیک ہے...“

وہ آرام سے اٹھا تھا۔

اور اگلے ہی لمحے حیام کی طرف بڑھنے لگا۔

حیام کی سانس اٹکی تھی۔

”ماہیر... م...“

"...اب چونکہ بیگم نہیں پہنیں گی"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بولا۔

"...تو شوہر کو اپنا فرض ادا کرنا پڑے گا"

ماہیر نے آہستگی سے اس کے ٹریک سوٹ کے اوپری بٹن پر انگلی رکھی تھی۔

اس کی نظریں مسلسل حیام کے شرم سے سرخ ہوتے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"م۔۔ماہیر۔۔۔ نہیں پہن رہی ہوں"

حیام نے آنکھیں مضبوطی سے بند کرتے مشکل سے کہا تھا۔
اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ بھی تھی اور عجیب سی گھبراہٹ بھی۔

ماہیر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

"نہیں... میں ہیلپ کر دیتا ہوں"

وہ اس کے قریب جھکتے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

"یہ ساری رعنائیاں میرے لیے ہیں، حیام خان"

اس نے انگلیوں کی پشت سے اس کے رخسار کو چھوا تھا۔

“تمہارے پور پور پر میرا حق ہے...اور مجھے یہ بالکل برداشت نہیں کہ تم اپنی فی میل کزنز کے سامنے بھی دوپٹہ اتارو...”

حیام کی پلکیں حیرت سے اٹھیں تھیں۔

“سب کچھ ...صرف میرے لیے ہے...”

ماہیر نے اس کے لبوں پر انگلی پھیرتے سرگوشی کی تھی۔

حیام نے فوراً اس کا ہاتھ ہٹایا۔

"!واٹ... ماہیر"

وہ غصے سے اسے گھورنے لگی۔

"میر لالہ اور باسل میرے بھائی ہیں... اور وہ سب میری بہنیں ہیں میری..."

ماہیر نے بے نیازی سے کندھے اچکائے تھے۔

"بس میں نے کہہ دیا نا جانم..."

وہ اس کے بال کان کے پیچھے کرتے بولا۔

"میں بہت پوزیسو ہوں تمہارے لیے..."

اس کی نظریں اب بھی حیام کے چہرے پر تھیں۔

”صرف ایک تم ہی تو میری کل کائنات ہو...

ایک واحد چیز۔۔۔ جو صرف میری ہے...“

حیام کا دل ایک لمحے کو بے ترتیب دھڑکا تھا۔

”تو پھر آپ ایسا کریں ماہیر خان...“

”مجھے ٹوپی والا برقعہ لا دیں۔۔۔ میں وہ پہن کر باہر جایا کروں گی۔۔۔

“

وہ غصے سے بولی۔

اس نے بھنویں سکیڑی تھیں۔

”...آئیڈیا برا نہیں ہے“

وہ شرارتی انداز میں بولا۔

لیکن ابھی... میں صرف اپنی بیوی کے ساتھ ڈانس کرنا چاہتا“

”ہوں...

ماہیر نے اسکے ہونٹوں پر لگی لپ اسٹک کو چھوا

”یہ اتنی ریڈ لپ اسٹک کیوں لگائی ہوئی ہے...؟

”کیوں؟“

”مسئلہ کیا ہے اس میں؟“

ماہیر اس کے اور قریب آیا تھا۔

”مسئلہ یہ ہے...“

اس نے اس کے نچلے لب پر انگلی رکھتے دھیمے لہجے میں کہا۔

”...کہ ایسی چیزیں بندے کا ضبط خراب کر دیتی ہیں“

حیام کے رخسار ایک دم مزید سرخ ہوئے تھے۔

اس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے اوپر سے ہٹائے تھے۔

ماہیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

پھر اچانک ہنس پڑا۔

”جاؤ۔۔۔ چینج کر کے آؤ“

”جی مولوی صاحب“

جیسا آپ کا حکم"...وہ غصے سے بولی۔"

وہ غصے سے اس کے سینے پر مکا مارتی واش روم کی طرف بڑھی تھی۔

ماہیر نے اس کے جاتے ہوئے انداز کو دیکھتے ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔

"...افف... یہ لڑکی مجھے ایک دن پاگل کر دے گی"

وہ بڑبڑایا تھا۔

پھر صوفے پر بیٹھتے موبائل اٹھایا۔

یوٹیوب کھولتے وہ گانے سرچ کرنے لگا تھا۔

کبھی اسکرین دیکھتا... کبھی واش روم کے بند دروازے کو۔

اس کے لبوں پر مسلسل ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

......

وہ دھیمی چال چلتی واشروم سے باہر نکلی تھی۔۔

پلکیں جھکی ہوئی تھی ۔چہرہ شرم سے ابھی سرخ ہو رہا تھا۔۔۔

وہ پنک کلر کی اس سلیولیس شارٹ فراک میں کوئی گڑیا لگ رہی تھی۔

ماہیر نے ایک نظر اسکے وجود کو دیکھا تھا

اسے دیکھتے ماہیر ایک پل کو روکا تھا۔۔۔

ماشااللہ ۔۔۔سونگ کے پلے بٹن کو کلک کرتا اٹھتا اسکے قریب آیا تھا۔

تبھی بیٹ کے بعد سونگ چلنا شروع ہوا تھا۔

آج پھر تم پہ پیار آیا ہے۔۔۔

سونگ کی پہلی لائن پر ہی حیام نے شرم سے بھری نظریں اٹھاتے ماہیر کو دیکھا ۔۔

جو کتنی ہی جنونی جذبات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

ماہیر ۔۔۔ ششش۔۔۔

جسٹ فیل۔۔۔ماہیر نے اسکی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے قریب کرتے اسکی بازوں پر ہاتھ پھیرتے گھماتے اسکے اوپر جھکا تھا۔۔۔

ماتھے سے ہونٹوں تک ایک فنگر سے لائن ٹریس کی تھی۔

حیام کے جسم میں سنسنی دوڑی تھی۔

م۔۔ماہیر یہ کیسا ڈ۔۔ڈانس ہے۔۔۔وہ مشکل سے بولی۔۔۔

یہ ماہیر خان کا ڈانس ہے ڈارلنگ۔۔۔ماہیر نے اسے ساتھ سٹیپ لیتے لب اسکی گردن پر رکھے تھے۔۔

ی۔۔یہ ڈانس نہیں بدتمیزی ہے۔۔۔حیام اسکی ہاتھوں کی بے باک حرکتوں پر کانپتی بولی۔

ایسی بدتمیزیاں میں روز کروں گا عادت ڈال لو۔۔ماہیر نے اسے دیوار سے لگاتے اسکے سانسوں کو روکا تھا۔۔۔

وہ مکمل طور پر مدہوش دیوانہ وار اسکے وجود میں کھو رہا تھا۔۔۔حیام کی سانسیں روک رہی تھی۔۔لیکن نا تو مزاحمت کر پا رہی تھی۔اسکے ہاتھ ماہیر کی گرفت میں تھے۔۔

ماہیر نے اپنی فنگر سے اسکی سلیولیس بازوں کا نیچے گرایا تھا۔۔

حیام ابھی ایک جھٹکے سے سنبھلی نا تھی ۔۔وہ اسکی دھڑکنوں میں سماتا اسے بے چین کر رہا تھا۔۔م۔۔ماہیر چھو۔۔ چھوڑیں۔۔۔نا۔۔۔حیام نے لمبی لمبی سانسیں لیتے اسکی لبوں کو دل کے مقام پر محسوس کرتے روکنا چاہا۔۔

لیکن وہ کچھ سنے بغیر کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اٹھائے بیڈ پر لایا تھا۔۔ اب وہ اسکی کمزوریوں کے ساتھ کھیلتا پچھلی رات کی طرح ہلکان کر رہا تھا۔۔اور حیام اسکی جسارتوں کو سہتی مدہوش ہو رہی تھی

باسل کمرے میں داخل ہوا تھا... مگر وہ جانِ تمنا اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

کمرے میں ہلکی سی خاموشی تھی۔

بیڈ خالی تھا۔

پردے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور ٹیبل لیمپ کی مدھم روشنی پورے ماحول میں عجیب سی بے چینی بھر رہی تھی۔

باسل نے ایک نظر واش روم کی طرف ڈالی۔

دروازہ آدھا کھلا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا، مگر اندر کوئی نہیں تھا۔

اس نے ماتھا مسلا تھا۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

اور وہ جانتا تھا کہ منت کی طبیعت ویسے ہی ٹھیک نہیں چل رہی۔

ماہیر کے جانے کے بعد وہ بغیر کچھ کہے ہسپتال آ گیا تھا۔

کئی ضروری فائلز، میٹنگز اور افتتاح کی تیاریوں نے اسے پوری طرح الجھا رکھا تھا۔

لیکن اب...

کمرے کی خالی خاموشی اس کے دل میں انجانا خوف بھر رہی تھی۔

وہ آرام سے چلتا منت کے کمرے کے باہر آ کر رکا۔

دروازے پر ہاتھ رکھتے اس نے آہستگی سے ناپ گھمایا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔

مگر اگلے ہی لمحے اسے سسکیوں کی ہلکی آواز سنائی دی تھی۔

باسل کا دل ایک دم دھڑکا۔

اس نے فوراً سوئچ آن کیا۔

پورا کمرہ روشنی سے بھر گیا۔

اور سامنے کا منظر دیکھتے ہی اس کے قدم بےاختیار تیز ہو گئے۔

منت فرش پر بیٹھی تھی۔

گھٹنوں میں سر دیے...

ماتھے پر دوپٹہ مضبوطی سے بندھا ہوا تھا...

اور دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبا رہی تھی۔

اس کے کندھے مسلسل ہل رہے تھے۔

وہ رو رہی تھی۔

”م... منت“

باسل کی آواز میں گھبراہٹ واضح تھی۔

وہ فوراً اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

”کیا ہوا ہے...؟ رو کیوں رہی ہیں۔۔۔؟“

منت نے سر اٹھایا۔

آنکھیں سرخ تھیں۔

پلکوں پر آنسو چمک رہے تھے۔

”ک... کچھ نہیں“

اس کے لب بری طرح کانپے تھے۔

باسل کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا۔

”کچھ نہیں...؟“

وہ بے اختیار بولا،

”تو یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے آپ نے...؟“

اس نے فوراً اس کے ماتھے سے بندھا دوپٹہ کھولا اور دور پھینک دیا تھا۔

منت کے بال بکھر گئے۔

اگلے ہی لمحے باسل نے اسے اپنی بانہوں میں کھینچ لیا۔

”منت... میری جان“

اس کی آواز اب نرم مگر بری طرح لرز رہی تھی،

"بتاؤ مجھے ...کیا ہوا ہے...؟"

منت نے درد سے آنکھیں بھینچ لیں۔

پھر اپنا چہرہ اس کے سینے میں چھپا لیا۔

جیسے اس کے وجود میں پناہ ڈھونڈ رہی ہو۔

"س... سر درد کر رہا ہے"

اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

باسل نے محسوس کیا کہ اس کا پورا جسم تناؤ میں تھا۔
سانسیں بے ترتیب تھیں۔

اور وہ جیسے ہر لمحہ اس درد کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اتنا درد...؟"

،باسل کی پیشانی شکنوں سے بھر گئی

"کال کیوں نہیں کی مجھے...؟"

اس نے نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے۔

پھر اسے احتیاط سے اٹھا کر بیڈ تک لایا۔

منت بمشکل خود کو سنبھال پا رہی تھی۔

باسل نے اسے آہستگی سے لٹایا۔

پھر خود اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر اپنے ہاتھوں سے دبانے لگا۔

اس کی انگلیوں کی حرکت بے حد نرم تھی۔

”پین کلر کھا لو...“

وہ دھیمے لہجے میں بولا،

اور صبح ہوتے ہی آپ میرے ساتھ ہسپتال چلیں گی "...میں" خود چیک کروں گا کہ آخر کیا مسئلہ ہے جو سر کا درد ختم نہیں ہو رہا۔

منت نے فوراً بند آنکھوں سے نا میں سر ہلایا۔

"ن... نہیں... مجھے نہیں جانا"

باسل رک گیا۔

اس کی نظریں منت کے چہرے پر جم گئیں۔

”کیوں۔۔۔؟“

اس کی آواز اب پہلے سے زیادہ سنجیدہ تھی،

”کیوں نہیں جانا ...میری جان...؟“

منت خاموش رہی۔

باسل کے دل میں عجیب سا خوف اترنے لگا تھا۔

وہ جھک کر اس کے قریب آیا۔

”بتاؤ نا...“

اس نے بے بسی سے کہا،

”کیا چھپا رہی ہو مجھ سے...؟“

منت کے بند پلکوں کے کنارے پھر بھیگ گئے۔

"تمہیں خدا کا واسطہ ہے..."

باسل کی آواز ٹوٹنے لگی تھی،

"میں کافی بار نوٹ کر چکا ہوں... جب بھی اس درد کی بات ہوتی ہے...

تم بات ٹال دیتی ہو..."

اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے لیا۔

وہ کہنی کے بل اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

آنکھوں میں صاف پریشانی تھی۔

”منت۔۔۔“

اس نے بہت دھیرے سے اس کا نام لیا۔

”پلیز۔۔۔ مجھے بتاؤ“

”ب۔۔۔ باسل“

،منت کے لب لرزے تھے

و۔۔۔ وہ...ک۔۔کچھ ۔۔ن“

نہیں

مگر الفاظ جیسے حلق میں اٹک گئے۔

وہ نظریں چرا کر رخ موڑنے لگی۔

درد کی ایک شدید لہر شاید دوبارہ اس کے سر میں اٹھی تھی۔

اس نے بے اختیار اپنی کنپٹی پر ہاتھ رکھا اور آنکھیں بھینچ لیں۔

لیکن باسل نے رخ اپنی طرف کیا تھا۔۔۔

منت یہ دیکھو میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔۔۔قسم خدا کی بہت محبت کرتا ہوں آپ سے۔۔۔بتائیں کیا مسئلہ ہے۔۔

ان پانچ سالوں میں تم نے کیا کیا ہے اپنے ساتھ۔۔باسل کی آنکھوں میں اسکی تکلیف پر نمی آئی تھی۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

منت نے مشکل سے اٹھتے بیڈ کے بیک سے خود کو ٹیک لگائی تھی۔

سانسیں بے ترتیب تھیں۔۔۔چہرہ درد سے زرد پڑ چکا تھا۔

آنکھوں کے کناروں پر نمی جم گئی تھی جبکہ ہاتھ مسلسل کانپ رہے تھے۔

نم آنکھوں سے اسنے سامنے ڈریسنگ کی طرف اشارہ کیا تھا۔۔۔

"ک۔۔۔کیا منت۔۔۔؟"

باسل کی آواز میں گھبراہٹ صاف جھلکی تھی۔

وہ فوراً اٹھتا ڈریسنگ کی طرف آیا تھا۔

لیکن منت اب بھی خاموش۔۔۔بے جان سی ٹیک سے لگی بیٹھی تھی۔

ایسے جیسے مزید بولنے کی ہمت ختم ہو گئی ہو۔

باسل نے جلدی سے ایک کے بعد ایک دراز کھولنا شروع کیے تھے۔

پہلے میں میک اپ کا سامان تھا۔۔۔

دوسرے میں جیولری۔۔۔

لیکن تیسرے دراز کو کھولتے ہی اسکے ہاتھ رک گئے تھے۔

وہاں سفید فائل پڑی تھی۔۔۔

جس میں کئی رپورٹس بے ترتیبی سے رکھی ہوئی تھیں۔

باسل نے رپورٹس اٹھاتے ایک نظر منت کو دیکھا تھا۔

وہ نظریں چرا گئی تھی۔

بس یہی ایک لمحہ تھا۔۔۔

جہاں باسل شاہ کے دل میں انجانا خوف پوری شدت سے اتر گیا تھا۔

”منت۔۔۔یہ کیا ہے۔۔۔؟“

اسکی آواز اب پہلے جیسی مضبوط نہیں رہی تھی۔

منت نے صرف بند آنکھوں کے ساتھ نا میں سر ہلایا تھا۔

جیسے وہ چاہتی ہو کہ وہ نہ پڑھے۔۔۔

کچھ نہ جانے۔۔۔

لیکن باسل کے ہاتھ پہلے ہی رپورٹس کھول چکے تھے۔

کمرے میں مکمل خاموشی پھیل گئی تھی۔

صرف پیپرز پلٹنے کی آواز۔۔۔

اور منت کی دبی دبی سسکیاں۔۔۔

باسل کی نظریں پہلی لائن پر جمی تھیں۔

پھر دوسری پر۔۔۔

پھر اگلے پیج پر۔۔۔

اور جتنا وہ پڑھتا جا رہا تھا۔۔۔

اسکے چہرے کا رنگ اڑتا جا رہا تھا۔

“Brain MRI...”

اسکے ہاتھ ہلکے سے کانپے تھے۔

اگلی لائن پڑھتے ہی جیسے کسی نے اسکے کانوں میں دھماکہ کیا ہو۔

“Possible Cerebral Hemorrhage...”

“Repeated severe migraines...”

“Internal bleeding risk...”

باسل کی سانس ایک لمحے کو رک گئی تھی۔

”ن۔۔۔نہیں۔۔۔“

وہ بے یقینی سے بڑبڑایا تھا۔

اسنے اگلی رپورٹ کھولی۔

پھر اگلی۔۔۔

ہر رپورٹ جیسے اسکے دل پر وار کر رہی تھی۔

"Why didn't you tell me...?"

وہ سرگوشی جیسے لہجے میں بولا تھا۔

منت نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

آنکھوں سے خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے۔

باسل کی آنکھوں کے سامنے پچھلے کئی مہینوں کے منظر گھومنے لگے تھے۔

منت کا اچانک خاموش ہو جانا۔۔۔

بار بار سر پکڑ لینا۔۔۔

روشنی سے گھبراہٹ۔۔۔

وومٹنگ۔۔۔

کمزوری۔۔۔

اور ہر بار اسکا ''میں ٹھیک ہوں ''کہہ کر بات ٹال دینا۔۔۔

''یا اللہ۔۔۔''

اسنے دونوں ہاتھ سر پر رکھے تھے۔

وہ ایک کامیاب ڈاکٹر تھا۔۔۔

لوگوں کی جان بچاتا تھا۔۔۔

لیکن اپنی محبت کی تکلیف تک نہ سمجھ سکا تھا۔

باسل کی آنکھوں میں پہلی بار بے بسی اتری

"منت۔۔۔"

باسل کی بھاری آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونجی تھی۔

اسکی آواز میں ایسی ٹوٹن تھی کہ منت کا دل لرز گیا۔

وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔

چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔

آنکھیں مسلسل رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

باسل نے اسکے برف جیسے ٹھنڈے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے تھے۔

اسکی انگلیاں مسلسل کانپ رہی تھیں۔

”کیوں چھپایا تم نے مجھ سے۔۔۔ کیوں۔۔۔؟“

اسکی آواز آخر میں بھرائی تھی۔

منت کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ کر گرے تھے۔

وہ ہمت کرتی آہستہ آہستہ اسکے قریب ہوئی۔

اور اگلے ہی لمحے اپنا چہرہ اسکے سینے میں چھپا لیا۔

”م۔۔۔میں۔۔۔“

اسکی ہچکی بندھی تھی۔

”م۔۔۔میں نے خ۔۔۔خود کو سزا دی تھی ب۔۔۔باسل۔۔۔“

باسل کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔

اس نے فوراً اسکے گرد بازو مضبوط کیے۔

منت کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

"م۔۔۔مجھے لگتا تھا م۔۔۔میں کسی کے لائق نہیں رہی۔۔۔"

اسکی سانس اٹکنے لگی تھی۔

"یوں۔۔۔یوں اگر میں مر جاؤں گی۔۔۔ ت۔۔۔تو سب کی جان چھوٹ جائے گی۔۔۔ م۔۔۔مجھ سے۔۔۔ اور۔۔۔ اور میری ایسی زندگی سے۔۔۔"

"بس۔۔۔"

باسل نے بےاختیار اسکے سر کو اپنے سینے سے اور زور سے لگا لیا۔

اسکی اپنی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

منت جیسے برسوں کا درد نکال رہی تھی۔

”ل۔۔۔لیکن اب۔۔۔“

اس نے بمشکل چہرہ اٹھایا تھا۔

نم آنکھیں سیدھا باسل کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

”اب ب۔۔۔باسل۔۔۔ م۔۔۔میں جینا چاہتی ہوں۔۔۔“

وہ روتے ہوئے بولی۔

”میں یہ درد۔۔۔ اب اور برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔“

اسکی آواز میں ایسی بے بسی تھی کہ باسل کا دل ٹوٹ گیا۔

”ب۔۔۔باسل۔۔۔“

اس نے کانپتے ہاتھ سے اسکی شرٹ پکڑی۔

”م۔۔۔مجھے بچا لیں گے نا آپ۔۔۔؟“

ایک آنسو باسل کی آنکھ سے ٹوٹ کر سیدھا اسکے چہرے پر گرا تھا۔

وہ چند لمحے اسے بس دیکھتا رہ گیا۔

جیسے یقین ہی نہ آرہا ہو کہ اسکی ہمیشہ مضبوط نظر آنے والی منت اندر سے اس حد تک ٹوٹ چکی تھی۔

منت ہچکیوں میں رو رہی تھی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے اسکا چہرہ تھاما۔

”منت۔۔۔ نہیں۔۔۔“

اسکی آواز بھرا گئی تھی۔

”آپ کو میں کبھی معاف نہیں کروں گا۔۔۔“

منت کی آنکھیں لرزی تھیں۔

باسل نے اسکے آنسو اپنے انگوٹھے سے صاف کیے۔

"کیا تمہیں میرے پیار پر۔۔۔ میری محبت پر۔۔۔ ذرا بھی یقین نہیں تھا۔۔۔؟"

اسکی آواز درد سے بھری ہوئی تھی۔

"جو خود کو سزا دیتی رہیں۔۔۔؟"

وہ ٹوٹتے لہجے میں بولا۔

"اتنا درد اکیلے برداشت کیا۔۔۔ اور مجھے بتایا تک نہیں۔۔۔"

منت پھوٹ کر رو دی تھی۔

باسل نے جھکتے اسکے ماتھے پر لرزتے لب رکھے۔

پھر اسکی آنکھوں پر۔

پھر رخسار پر۔

ایسے جیسے وہ اسکے سارے درد اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتا ہو۔

”م۔۔۔مجھے جینا ہے باسل۔۔۔“آپ کے ساتھ۔۔۔“

منت بچوں کی طرح روتے ہوئے بولتی اسکے سینے سے لگی تھی

اسکی انگلیاں باسل کی شرٹ میں الجھ گئی تھیں۔

”پلیز۔۔۔ مجھے بچا لیں۔۔۔“

”پلیز۔۔۔“

باسل نے فوراً اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔

اس کے بازو اتنے مضبوط تھے جیسے وہ منت کو دنیا کے ہر درد، ہر خوف سے محفوظ کر لینا چاہتے ہوں۔

منت کانپتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔

باسل نے جھکتے ہوئے اپنے نرم لب اس کی مومی سی ٹھنڈی گردن پر رکھے۔

ایک لمحے کو وہ صرف اسے محسوس کرتا رہا... جیسے اس لمس میں وہ اس کی ٹوٹی ہوئی روح کو جوڑ دینا چاہتا ہو۔

"بس۔۔۔ کافی ہے میری جان"

اس کی آواز مدھم تھی، ٹوٹی ہوئی مگر محبت سے بھری ہوئی۔

وہ آہستگی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا۔

منت کی ہچکیوں کی آواز اب دھیرے دھیرے کم ہونے لگی تھی۔

باسل نے اسے نرمی سے سنبھالتے ہوئے بستر پر لٹایا۔

اس کے سر کے نیچے تکیہ درست کیا اور کمبل اس پر ٹھیک سے ڈال دیا۔

وہ ایک لمحے کو رکی ہوئی سانس کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

منت کا چہرہ اب بھی بھیگا ہوا تھا۔

پلکوں پر آنسو جمے ہوئے تھے۔

ہونٹ ہلکے سے کھلے تھے جیسے وہ نیند میں بھی کچھ کہہ رہی ہو۔

وہ رو رو کر سو چکی تھی۔

باسل نے ہاتھ بڑھا کر آہستگی سے اس کی پلکوں پر جمی نمی صاف کی۔

پھر اس کے رخسار پر ایک نرم لمس چھوڑا۔

"منت، تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا..."

اس کی آواز بہت دھیمی تھی، جیسے وہ خود سے بات کر رہا ہو۔

وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

اس کی نظریں صرف منت پر تھیں… بغیر پلک جھپکے۔

وہ ہر نقش کو جیسے ذہن میں محفوظ کر رہا تھا۔

…اس کا چہرہ …اس کی سانسوں کی رفتار …اس کی خاموشی

باہر رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

کمرے کی مدھم روشنی میں صرف ایک شخص جاگ رہا تھا۔

باسل۔

اس نے اپنی کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھا اور سر جھکا لیا۔

اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال بار بار آ رہا تھا۔

”اگر کچھ ہو گیا تو...؟“

اس کے ہاتھ بے اختیار مٹھیوں میں بند ہو گئے۔

وہ ایک کامیاب سرجن تھا۔

کتنے ہی پیچیدہ کیسز وہ سنبھال چکا تھا۔

کتنی زندگیاں اس نے اپنے ہاتھوں سے بچائی تھیں۔

لیکن آج...

اس کی اپنی زندگی اس کے سامنے بے بس پڑی تھی۔

منت۔

اس کی پلکوں پر ایک لمحے کو نمی آئی مگر اس نے فوراً خود کو سنبھال لیا۔

وہ اٹھا اور کمرے کی مدھم روشنی میں آہستگی سے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آ گیا۔

باہر اندھیرا تھا۔

اور اندر...

خوف۔

ایک ایسا خوف جو پہلی بار اس کے سینے میں اتر رہا تھا۔

”میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا...“

اس نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر ایک بار پھر منت کو دیکھا۔

اس کی آواز میں اب ایک فیصلہ تھا۔

”...چاہے کچھ بھی ہو جائے“

میر نے روح کو اپنی بانہوں میں اٹھایا اور کمرے کے اندر لے آیا تھا۔

دروازہ بند ہوتے ہی کمرے میں ہلکی سی خاموشی پھیل گئی، صرف ان دونوں کی سانسوں کی آواز رہ گئی تھی۔

روح ابھی تک اس کے بازوؤں میں تھی، چہرے پر خفگی اور شرارت دونوں ساتھ تھیں۔

"م... میر... نیچے اتارتے مجھے"

اس نے مٹھیاں بنا کر ہلکے سے اس کی کمر پر مارا۔

لیکن میر نے کوئی پروا نہیں کی۔ وہ سیدھے بیڈ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”روح… کیا تھا وہ سب؟“

اس نے اسے آہستگی سے اپنے سامنے کھڑا کیا۔

اس کی آنکھوں میں وہی ضد تھی مگر آواز میں محبت بھی۔

روح نے منہ بنایا۔

”م… میں ڈانس کر رہی تھی بس“

وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

”ڈانس؟“

میر نے ایک قدم قریب آکر اس کے گرد ہاتھ رکھا اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

اس کا وجود اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔

”وہ کیسا ڈانس تھا روح؟“

اس کی آواز دھیمی مگر گہری تھی۔

روح نے فوراً ہاتھ اس کے سینے پر رکھے اور خود کو پیچھے کرنے کی کوشش کی۔

”وہ بس ...فنی سا تھا...“

لیکن اگلے ہی لمحے میر نے اسے بیڈ کی طرف گرا دیا تھا۔

روح نیچے تھی اور میر اوپر، اپنے بازو اس کے دونوں طرف ٹکائے۔

”اُف میر۔۔۔ کتنا وزن ہے آپ کا“

وہ سانس لیتے ہوئے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

میر نے ہلکی سی مسکراہٹ دبائی۔

جانم۔۔۔ بس کرو... میرا دھیان مت بٹایا کرو جب میں تمہارے پاس“
...ہوتا ہوں”

اس نے جھک کر اس کی گردن پر لب رکھ دیے۔

روح کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔

“...میر”

وہ ہلکی سی آواز نکالتی کانپ گئی۔

روح نے فوراً اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنے کی کوشش کی۔

”...ہٹیں نا پیچھے“

لیکن میر نہیں ہٹا۔

”...ایک تو آپ کے شوہر آپ سے ناراض ہیں“

وہ اس کے چہرے کے قریب آ کر بولا۔

”اوپر سے آپ مجھے دور کر رہی ہیں۔۔۔ ڈیٹس ناٹ فیئر ڈارلنگ“

پھر وہ آہستگی سے اس کے اوپر سے ہٹ گیا اور بیڈ پر اس کے برابر بیٹھ گیا۔

روح نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ سچی میں ناراض ہیں میر..."

اس کی آواز نرم ہو گئی تھی۔

میر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"ہمم..."

وہ اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔

”لیکن میں کیسے مناؤں آپ کو؟“

روح کی آنکھوں میں بے چینی آ گئی۔

”سمپل ہے بہت...“

میر نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا، جیسے کوئی قیمتی چیز ہو۔

”کیا کروں؟“

روح نے فوراً پوچھا۔

میر نے تھوڑا سا جھک کر معصوم سا چہرہ بنایا۔

”مجھے ایک لپ کس دے دو“...

روح ایک دم چونکی۔

”ب... بس؟“

”ہاں بس...“

اس نے فوراً سر ہلایا اور ہچکچاتے ہوئے اس کے قریب آئی۔

اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

جیسے ہی اس نے ہلکے سے اپنے لب میر کے قریب کیے—

میر نے فوراً اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

اور اگلے ہی لمحے روح اس کے اوپر آ گئی تھی۔

اب وہ اس کے مکمل قریب تھا ...بالکل بے حد قریب۔

روح کی آنکھیں فوراً بند ہو گئیں۔

میر نے اس کے ہونٹوں کو اپنے حصار میں لے لیا۔

ایک لمبی، گہری خاموشی میں صرف احساسات بول رہے تھے۔

روح کی انگلیاں بے اختیار اس کے کندھوں پر مضبوط ہو گئیں۔
اس کا دل جیسے رُک رُک کر دھڑک رہا تھا۔

اور اب روح کے لب اسکی دسترس میں تھے۔۔

وہ آنکھیں بند کیے بس مدہوش سا اپنی پیاس بجھا رہا تھا۔

اور روح ہاتھ پیر مارتی سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔۔

وہ اسکے لبوں۔ کو چھوڑتے اسکی گردن پر جھکتا اپنا لمس چھوڑنے لگا روح اسکے سینے میں چھپ رہی تھی۔۔۔

م۔۔میر۔۔ب۔۔بس۔۔۔پلیز۔۔۔وہ اسکے لبوں کی گستاخیاں برداشت سے باہر ہوتی دیکھتی بولی تھی۔۔۔لیکن میر اسے محبت سے اپنی باہوں میں سمیٹے اپنی من مرضیاں کر رہا تھا۔

۔

سب لوگ چھت پر جمع تھے۔

شاہ حویلی کی چھت پر بنا خوبصورت آرٹیفیشل لان رات کی روشنیوں میں جگمگا رہا تھا۔ چاروں طرف فیری لائٹس لگی ہوئی تھیں جبکہ ہلکی ٹھنڈی ہوا ماحول کو مزید خوشگوار بنا رہی تھی۔

ملازمہ ابھی جوس، کافی اور اسنیکس رکھ کر گئی تھی۔

باسل نے حیام اور ماہیر کو سپیشل بلایا تھا۔

روح تو پہلے ہی میر کے ساتھ ایک جھولے پر قابض ہو چکی تھی جبکہ حیام ماہیر سے محفوظ فاصلے پر بیٹھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

منت خاموشی سے ایک سنگل سیٹر پر بیٹھی تھی۔

اسکے چہرے کی تھکن اب بھی واضح تھی۔

باسل نے ایک نظر اسے دیکھا اور سامنے رکھا جوس اٹھا کر اسکی طرف بڑھایا۔

"پی لو۔"

منت نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"دل نہیں کر رہا۔"

باسل نے اسے گھورا۔

"منت۔"

وہ جانتی تھی یہ لہجہ بحث ختم کرنے والا ہے۔

اسنے بے دلی سے گلاس پکڑ لیا۔

"شاباش۔"

باسل مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔

ماہیر نے یہ منظر دیکھا تو ہنس پڑا۔

"قسم سے یار، تم شوہر کم اور نرس زیادہ لگتے ہو۔"

"تمہیں مسئلہ کیا ہے؟"

باسل نے ابرو اچکائی۔

"مجھے؟"

ماہیر نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے تو رشک آ رہا ہے۔"

"ہاں ہاں ضرور آ رہا ہو گا۔"

حیام نے فوراً ٹانگ اڑائی۔

"گھر میں تو مجھے پانی تک خود لے کر نہیں دیتے۔"

"جھوٹ۔"

ماہیر فوراً بولا۔

"میں نے کل خود تمہیں جوس بنا کر دیا تھا۔"

"نمک ڈال کر۔"

پورا لان قہقہوں سے گونج اٹھا۔

ماہیر نے معصوم بننے کی کوشش کی۔

"غلطی سے ہاتھ پھسل گیا تھا۔"

"جی ہاں۔"

حیام نے طنزیہ انداز اپنایا۔

"پورا نمکدان ہاتھ سے پھسل گیا تھا۔"

اس بار باسل بھی ہنس پڑا۔

پھر اسنے گلا کھنکھارا۔

"اٹینشن پلیز۔"

سب کی نظریں اسکی طرف اٹھ گئی تھیں۔

"جی تو لیڈیز اینڈ جینٹل مین۔۔۔"

اسنے باقاعدہ تقریری انداز اپنایا۔

"جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں ہماری نئ نئ شادی ہوئی ہے۔"

"الحمدللہ۔"

عیان شاہ بولے۔

"اب اصل بات پر آ جاؤ۔"

ہنسی کی ایک اور لہر اٹھی۔

باسل نے مسکراتے ہوئے منت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

منت چونکی مگر خاموش رہی۔

"میں اور میری بیگم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم ہنی مون کے لیے پرتگال جا رہے ہیں۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔

پھر سب کے چہروں پر مسکراہٹ آگئی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

زیمرہ شاہ خوشی سے بولیں۔

"اس بہانے میری بہو اس فضا سے نکل کر گھوم پھر بھی آئے گی اور ریلیکس بھی ہو جائے گی۔"

منت نے ہلکی سی مسکراہٹ دی۔

باسل نے اسکی طرف دیکھا۔

اسے محسوس ہوا جیسے اس ایک مسکراہٹ کے لیے وہ دنیا سے لڑ سکتا ہے۔

"میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی بھائی!"

حوریب نے فوراً اعلان کیا۔

باسل نے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔

"!او ہیلو"

وہ ڈرامائی انداز میں بولا۔

"اپنے شوہر کے ساتھ جانا۔ مجھے کباب میں ہڈی نہیں چاہیے۔"

روح قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

حوریب نے فوراً منہ بنا لیا۔

"میر دیکھیں نا۔"

اسنے بچوں کی طرح لب باہر نکالے۔

میر نے اسکا نرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہلکا سا بوسہ دیا۔

"میرا بچہ، ہم کیوں انکی پرائیویسی میں گھسیں؟"

"لیکن یہ انجوائے کریں گے اور میں؟"

حوریب نے احتجاج کیا۔

"افف میری شہزادی۔"

آغا جان محبت سے بولے۔

"جہاں کہے گی میرا پوتا وہیں لے کر جائے گا۔"

حوریب کی آنکھیں فوراً چمک اٹھیں۔

"سچ؟"

"بالکل۔"

"آغا جان مجھے نا پیرس جانا ہے۔"

میر نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

"شروع ہو گئی۔"

سب ہنس پڑے۔

"پیرس کے بعد سوئٹزرلینڈ۔"

حوریب نے مزید اضافہ کیا۔

"پھر ترکی۔"

"پھر؟"

ماہیر نے پوچھا۔

"پھر واپس گھر۔"

حوریب نے معصومیت سے کہا۔

"کیونکہ میر کے کارڈ کی حد ختم ہو جائے گی۔"

اس بار قہقہہ اتنا بلند ہوا کہ نوکروں تک کی ہنسی نکل گئی۔

میر نے ماتھا پکڑ لیا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ لوگ؟"

"میں تو پہلے دن سے دیکھ رہا ہوں۔"

باسل نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ لڑکی خطرناک ہے۔"

"آپ سب حسد کرتے ہیں مجھ سے۔"

حوریب نے فخر سے کہا۔

"کیونکہ میر مجھے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"بہت زیادہ۔"

روح نے خود ہی جواب دیا۔

میر نے مسکراتے ہوئے اسکی پیشانی چومی۔

"اور کیا۔"

اسی دوران ماہیر نے حیام کے کندھے پر بازو رکھا۔

"ویسے ہمیں بھی کہیں جانا چاہیے۔"

"نہیں۔"

حیام نے فوراً جواب دیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ آپ مجھے کہیں بھی لے جا کر سکون سے رہنے نہیں دیتے۔"

ماہیر نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"کتنی غلط تہمت ہے۔"

"جھوٹ بولنے پر جرمانہ ہونا چاہیے۔"

روح نے فوراً کہا۔

سب پھر ہنس پڑے۔

اس ساری ہنسی مذاق کے دوران باسل خاموشی سے منت کو دیکھتا رہا۔

وہ سب کے درمیان بیٹھی تھی۔

ہلکا سا مسکرا رہی تھی۔

لیکن اسکی آنکھوں کے پیچھے چھپا درد صرف باسل دیکھ پا رہا تھا۔

اس نے آہستگی سے اسکا ہاتھ دبایا۔

منت نے چونک کر اسے دیکھا۔

باسل نے بس اتنا کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

منت چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

پھر بہت آہستہ سے سر ہلا دیا۔

...اور پہلی بار

اسکی آنکھوں میں امید کی ایک دھیمی سی روشنی جاگی تھی۔

ـــــ

رباب آفریدی غصے سے بھری ہوئی خان حویلی کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی۔

اسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں جبکہ پلکوں پر آنسو جھلملا رہے تھے۔

کھلے ہوئے چھوٹے بال بار بار اسکے چہرے پر آ رہے تھے جنہیں وہ جھٹکے سے پیچھے کر رہی تھی۔

اسکے قدم تیز تھے اور چہرے پر شکست خوردہ غرور صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"!خالہ۔۔۔"

اسکی بلند آواز پورے ہال میں گونجی تھی۔

"!خالہ۔۔۔"

سامنے آنے والے ملازم نے سلام کیا تو اسنے اسے مکمل نظر انداز کر دیا۔

"شاہین خالہ کہاں ہیں؟"

اسکی آواز میں بے صبری اور غصہ دونوں شامل تھے۔

اوپر اپنے کمرے میں بیٹھی شاہین خان نے جیسے ہی رباب کی آواز سنی تھی، انکا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

جس طوفان سے وہ اتنے دن بچنے کی کوشش کر رہی تھیں، وہ آخر کار انکے دروازے پر آ پہنچا تھا۔

چند لمحوں بعد رباب تیز قدموں سے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

شاہین خان فوراً اپنی جگہ سے اٹھیں۔

"ر۔۔۔رباب!"

انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگانا چاہا تھا۔

مگر رباب ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

اسکی آنکھوں میں شکوے تھے۔

غصہ تھا۔

اور کہیں نہ کہیں ٹوٹا ہوا دل بھی۔

"آپ نے کہا تھا نا۔۔۔"

اسکی آواز کانپ رہی تھی۔

"آپ نے کہا تھا کہ ماہیر خان میرا ہے۔"

شاہین خان خاموش رہیں۔

"تو پھر اسکی شادی کیسے ہو گئی؟"

رباب کی آواز بلند ہو گئی تھی۔

"کیسے خالہ؟"

"میری جگہ کسی اور کو کیسے دے دیا گیا؟"

اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

شاہین خان فوراً اسکے قریب آئیں۔

"رباب میری جان۔۔۔"

انہوں نے اسکے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیا۔

"قسم لے لو میری، میں خود اس شادی پر نہیں گئی۔"

رباب خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

"ہم نے بہت سمجھایا تھا اسے۔"

شاہین خان نے آہ بھری۔

"مگر وہ تو اس لڑکی کے پیچھے پاگل ہوا پھر رہا تھا۔"

انکی آنکھوں میں مصنوعی نمی اتر آئی تھی۔

"اس نے کسی کی ایک نہ سنی۔"

رباب نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

وہ کمرے میں چکر لگانے لگی۔

"نہیں۔۔۔"

اسنے سر نفی میں ہلایا۔

"ماہیر صرف میرا ہے۔"

"!صرف میرا"

اسکی آواز میں ضد تھی۔

جنون تھا۔

"میں نے بچپن سے خود کو اسکے ساتھ دیکھا ہے۔"

وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"میں کسی حیام کو اپنے درمیان نہیں آنے دوں گی۔"

شاہین خان کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری تھی۔

وہ آہستہ آہستہ اسکے قریب آئیں۔

"ہاں میری جان۔"

انہوں نے نرمی سے کہا۔

"ماہیر تمہارا ہی ہے۔"

رباب نے امید بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اور وہ لڑکی؟"

اسنے زہر بھرے لہجے میں پوچھا۔

شاہین خان کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اسے تو ابھی خان حویلی میں آنا ہے۔"

وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"اور جب وہ یہاں آئے گی۔۔۔"

انکی آواز خطرناک حد تک پرسکون تھی۔

"تب اسے پتا چلے گا کہ اس حویلی میں زندہ رہنا کتنا مشکل ہے۔"

رباب کی آنکھوں میں بھی سرد چمک ابھری تھی۔

"میں اسے سکون سے جینے نہیں دوں گی۔"

وہ دھیرے سے بولی۔

"اس نے میری جگہ لی ہے۔"

"تو اب اسے اسکی قیمت بھی دینی ہو گی۔"

شاہین خان نے اسکا ہاتھ تھاما۔

"بس صبر کرو۔"

انہوں نے سرگوشی کی۔

"کھیل ابھی شروع ہوا ہے۔"

رباب کے لبوں پر دھیرے دھیرے ایک خطرناک مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

کھڑکی سے باہر رات کا اندھیرا مزید گہرا ہو رہا تھا۔

اور اسی اندھیرے کی طرح دونوں عورتوں کے دلوں میں بھی ایک نئی سازش جنم لے رہی تھی۔

۔۔۔۔۔باسل اور منت کمرے میں پیکنگ میں مصروف تھے۔ بستر پر کھلے سوٹ کیس، تہہ ہوتے کپڑے اور سفر کی تیاریوں کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ کمرے میں ایک ہلکی سی خوشبو اور خاموش سی بے قراری پھیلی ہوئی تھی، جیسے ہر چیز اس ایک لمحے میں ٹھہر گئی ہو۔

منت ایک ڈریس تہہ کر رہی تھی جب باسل نے اس کے ہاتھ سے وہ کپڑا آہستہ سے لے لیا۔

مائی ہارٹ بیٹ۔۔۔ یہ ان کپڑوں کا کیا کرو گی۔۔۔وہاں شارٹ ڈریس چلتے ہیں۔۔۔ باسل نے اسکے بال گردن سے ہٹاتے ہوئے اسکی پیشانی پر ہلکا سا بوسہ دیا۔

اسکا مطلب آپ لڑکیوں کو شارٹ ڈریسز میں دیکھتے ہوں گے۔۔۔

منت نے اب رش اسکی طرف کیا رھا۔۔

نہیں جانم کہاں۔۔۔ اتنا ٹائم نہیں ہوتا تھا۔۔

لیکن اب ٹائم بھی ہے۔۔۔ اور لڑکی بھی ہے۔۔۔ لڑکی بھی وہ جس کو دیکھنے کا سرٹیفکیٹ بھی ہے۔

اب تو دل بھر کے دیکھوں گا۔۔

باسل نے اسکی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے اسے دیکھنے کا انداز اپنایا۔

کیا ہم وہاں اس کام کے لیے جا رہے ہیں۔۔

جی ہاں فارغ ٹائم میں یہی سب ہو گا۔

اور وہاں میرے دوست کا ہسپتال ہے۔۔اسی کے ساتھ میری ایک فلائٹ ہے۔۔ جہاں میں رہتا تھا۔ تو دونوں کام آسان ہو جائیں گے۔۔

باسل نے اسکے لبوں کو ہلکے سے چھوتے ہوئے اسے کمر سے پکڑ کر قریب کیا اور اسکے سینے میں چہرہ چھپا لیا۔

ب۔۔باسل۔۔۔ منت کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں جو باسل محسوس کر سکتا تھا۔

باسل نے اسکی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے ہوئے لمبی سانس لی۔۔۔ وہ چھوٹی چھوٹی جسارتیں کرتا اسے بے چین کر رہا تھا۔

اور منت کے لیے کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔۔

باسل۔۔۔ پیکنگ۔۔۔

چھوڑو نا یار۔۔۔ کیا کرنا ہے ان ڈریسز کا۔۔۔ ضرورت نہیں پڑے گی۔۔۔ وہاں جا کر شاپنگ کریں گے۔۔۔ باسل اسے اٹھا کر صوفے پر لے آیا تھا۔

باسل نا کریں پلیز۔۔۔ منت کو اپنی گردن پر ہلکی سی چھبن محسوس ہوئی تھی۔

پلیز کرنے دو نا۔۔۔ باسل نے اسکے ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے صوفے پر لٹا دیا اور خود بھی اسکے ساتھ لیٹ گیا۔۔۔ اپنی من مانیوں میں وہ مکمل طور پر مدہوش تھا۔

دونوں کے درمیان فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔۔۔ وہ آدھا صوفے پر اور آدھا منت کے اوپر لیٹا تھا۔

منت مشکل سے سانس لے رہی تھی۔۔۔

باسل نے اپنے لب اسکے لبوں سے جوڑ دیے۔۔۔ اس لمحے منت کی بچی کھچی سانس بھی جیسے ٹھہر گئی۔۔۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اسے ہلانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن باسل نے نرمی کے ساتھ اسکی ہر مزاحمت کو ختم کر دیا تھا۔

وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔۔۔ اور وہ لمحہ صرف دونوں کے احساسات میں کھو گیا تھا۔

حیام خان، ماہیر کے حکم پر، کمرے کے ایک کونے میں کتابوں کا ڈھیر لگائے بیٹھی تھی۔ آج واپسی پر وہ خان حویلی سے اپنی تمام ضروری کتابیں

بھی ساتھ لے آئی تھی، کیونکہ ماہیر نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ شادی کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ اپنی پڑھائی بھول جائے۔

پچھلے تین گھنٹوں سے ماہیر اسکی نگرانی میں اسے ایک کے بعد ایک مضمون یاد کروا رہا تھا۔

پانچ مضامین۔

پورے پانچ مضامین۔

اور اب حیام کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسکا دماغ کسی نے نچوڑ کر رکھ دیا ہو۔

وہ منہ بسورے کتاب کے صفحات پلٹ رہی تھی جبکہ سامنے صوفے پر بیٹھا ماہیر موبائل میں مصروف تھا۔

"...ماہیر ...میں تھک گئی ہوں یار"

آخرکار اس نے کتاب زور سے بند کرتے ہوئے احتجاج کیا۔

ماہیر نے موبائل سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

اسکے لبوں پر فوراً ایک شرارتی مسکراہٹ ابھری۔

"...ٹھیک ہے پھر میرے پاس آ جاؤ نا جانم"

وہ آرام سے بولا۔

"میں تمہاری ساری تھکن اتار دیتا ہوں۔"

حیام کا دل دھک سے رہ گیا۔

اس نے فوراً دوبارہ کتاب کھول لی۔

"نہیں نہیں ...میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

وہ جلدی سے بولی۔

"مجھے تو پڑھنا بہت پسند ہے۔"

،

ماہیر نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

پھر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"جھوٹی کہیں کی۔"

حیام نے اسے گھورا۔

لیکن اندر ہی اندر خود کو کوس رہی تھی۔

ستیاناس ہو حیام تیرا...

جو روز دعا مانگ کر اتنا رومانوی شوہر مانگا تھا۔

اب دیکھ ...اس بندے کا رومینٹک موڈ بند ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔

وہ انہی خیالوں میں گم تھی کہ اچانک ماہیر کے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔

اسکرین پر نام دیکھتے ہی ماہیر کے چہرے کا رنگ بدلا۔

کارل۔

اس نے فوراً کال اٹھائی۔

"ہاں؟"

چند سیکنڈ بعد اسکی پیشانی پر بل ابھر آئے۔

"ک ...کیا بکواس کر رہے ہو تم، کارل؟"

حیام نے چونک کر سر اٹھایا۔

ماہیر کی آواز میں غصہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

کمرے کا ماحول یکدم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

دوسری طرف سے کارل مسلسل کچھ کہہ رہا تھا۔

ماہیر کی جبڑے کی رگیں ابھرنے لگی تھیں۔

"...ناممکن"

وہ سرد لہجے میں بولا۔

"وہ واپس نہیں آ سکتا۔"

"اتنی طاقت نہیں اس میں کہ ماہیر خان کا مقابلہ کر سکے۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

پھر کارل کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔

"سر ...یہ سچ ہے۔"

"رائف سکندر پاشا واپس آ چکا ہے۔"

"انڈرورلڈ میں دوبارہ اسکا نام گردش کر رہا ہے۔"

ماہیر کی آنکھوں میں خطرناک چمک ابھری۔

"اور؟"

اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"اور اسکا پہلا ٹارگٹ آپ ہیں۔"

کارل کی آواز سنجیدہ تھی۔

"آپ کو فوراً خان حویلی واپس آ جانا چاہیے۔"

"میم کی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔"

یہ الفاظ سنتے ہی ماہیر کی نظریں بے اختیار حیام کی طرف اٹھیں۔

وہ ابھی تک بیڈ پر بیٹھی تھی۔

کبھی منہ بسورتی۔

کبھی کتاب کے صفحے الٹتی۔

کبھی خود ہی کوئی شکل بنا کر مسکرا دیتی۔

اسے شاید اندازہ بھی نہیں تھا کہ چند لمحوں میں انکی زندگی کا رخ بدلنے والا ہے۔

ماہیر کے سینے میں عجیب سا بوجھ اترا۔

...رائف سکندر پاشا

ایک ایسا نام جسے وہ برسوں پہلے دفن سمجھ چکا تھا۔

لیکن آج...

پہلی بار اسے اپنے لیے نہیں...

کسی اور کے لیے خوف محسوس ہوا تھا۔

اسکی نظریں حیام کے معصوم چہرے پر جم گئیں۔

اور زندگی میں پہلی مرتبہ ماہیر خان کو کسی اپنے کو کھونے کا ڈر محسوس ہوا۔

"کارل..."

اسکی آواز پہلے سے کہیں زیادہ سرد تھی۔

"تمام سکیورٹی ڈبل کر دو۔"

"اور رائف پر نظر رکھو۔"

"...اس بار اگر وہ واپس آیا ہے"

ماہیر کی نظریں حیام پر تھیں۔

"تو زندہ واپس نہیں جائے گا۔..."

کال ختم ہوتے ہی کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔

"ماہیر؟"

حیام نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

ماہیر چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔

پھر دھیرے دھیرے چلتا اسکے پاس آیا۔

اور بغیر کچھ کہے اسکے سر پر ہاتھ پھیر دیا۔

حیام مزید حیران ہوئی۔

"ماہیر ...سب ٹھیک ہے نا؟"

اس نے پریشانی سے پوچھا۔

ماہیر نے بمشکل مسکراہٹ سجائی۔

"...ہاں جان"

مگر اسکی نظریں خطرناک حد تک سنجیدہ تھیں۔

"اب سب ٹھیک رکھنا ہے۔"

رائف سکندر — واپسیِ انتقام

انڈر ورلڈ کی دنیا میں کچھ نام خوف پیدا کرتے تھے، اور کچھ نام دہشت کی نئ تعریف لکھتے تھے۔

رائف سکندر انہی ناموں میں سے ایک تھا۔

ایک ایسا شخص جس نے دولت، طاقت اور خون سے اپنی سلطنت کھڑی کی تھی۔

پاکستان کے مختلف شہروں میں اسکے غیر قانونی کاروبار پھیلے ہوئے تھے۔
بظاہر وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا، مگر پردے کے پیچھے اسکی دنیا مکمل طور
پر تاریک تھی۔

منشیات کی اسمگلنگ، غیر قانونی اسلحہ، بلیک میلنگ اور انسانی اسمگلنگ جیسے
کئی دھندے اسکے ماتحت چلتے تھے۔

اسکا نیٹ ورک اتنا مضبوط تھا کہ بڑے بڑے لوگ بھی اسکے خلاف بولنے
سے ڈرتے تھے۔

مگر پھر...

اسکی زندگی میں ماہیر خان آیا تھا۔

وہ وقت تھا جب ماہیر خان اپنے خاص مشن پر کام کر رہا تھا۔

ایک کے بعد ایک خفیہ معلومات اسکے ہاتھ لگ رہی تھیں۔

شروع میں اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان تمام جرائم کے پیچھے اصل چہرہ کون ہے۔

لیکن جیسے جیسے تحقیقات آگے بڑھتی گئیں، ہر راستہ جا کر ایک ہی نام پر ختم ہوتا تھا۔

رائف سکندر۔

ماہیر نے خاموشی سے اسکے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کیا تھا۔

اسکے گودام پکڑے گئے۔

اسکی کئی کھیپیں ضبط ہوئیں۔

اسکے درجنوں آدمی گرفتار ہوئے۔

کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کا نقصان ہوا تھا۔

پہلی بار رائف سکندر کو محسوس ہوا تھا کہ کوئی اسکی سلطنت کی بنیادیں ہلا رہا ہے۔

وہ بپھر اٹھا تھا۔

اسنے بھی ماہیر کے خلاف چالیں چلنی شروع کر دی تھیں۔

مگر قسمت اسکا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔

ہر منصوبہ ناکام ہو رہا تھا۔

ہر راستہ بند ہو رہا تھا۔

...اور پھر

جب ماہیر اس تک پہنچنے سے صرف چند قدم دور تھا، تب رائف کے اپنے ہی نیٹ ورک میں موجود ایک شخص نے اسے خبر دے دی۔

اس رات رائف سکندر سب کچھ چھوڑ کر ملک سے فرار ہو گیا تھا۔

ماہیر جب اسکے ٹھکانے پر پہنچا تو وہاں صرف خالی دیواریں تھیں۔

رائف غائب ہو چکا تھا۔

...ایسے غائب

جیسے زمین نگل گئی ہو۔

پانچ سال تک اسکا کوئی سراغ نہیں ملا۔

ماہیر نے ہر ممکن کوشش کی، مگر وہ شخص کسی سایے کی طرح دنیا سے اوجھل ہو چکا تھا۔

لیکن دوسری طرف...

رائف سکندر خاموش نہیں بیٹھا تھا۔

وہ بیرون ملک اپنی طاقت دوبارہ اکٹھی کر رہا تھا۔

اپنے پرانے رابطے بحال کر رہا تھا۔

نئے لوگ شامل کر رہا تھا۔

اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اسکے دل میں ایک ہی آگ بھڑکتی جا رہی تھی۔

انتقام۔

اسکا ماننا تھا کہ ماہیر خان نے اس سے صرف دولت نہیں چھینی تھی۔

...اسنے اسکی طاقت

...اسکی حیثیت

اسکا غرور...

اور اسکی پوری سلطنت تباہ کر دی تھی۔

اور اب...

پانچ سال بعد...

رائف سکندر واپس آ چکا تھا۔

پہلے سے زیادہ طاقتور۔

پہلے سے زیادہ خطرناک۔

اور پہلے سے زیادہ بے رحم۔

اسکی واپسی کا مقصد کاروبار نہیں تھا۔

دولت نہیں تھی۔

اقتدار نہیں تھا۔

اسکی واپسی کا مقصد صرف ایک تھا۔

ماہیر خان۔

اور اس بار رائف سکندر صرف ماہیر کو شکست دینا نہیں چاہتا تھا۔

وہ اسے وہ درد دینا چاہتا تھا جسکا زخم زندگی بھر نہ بھر سکے۔

وہ ماہیر خان کی دنیا اجاڑنے واپس آیا تھا۔

اور اس جنگ کا آغاز ہونے والا تھا...۔

لیکن سامنے بھی ماہیر خان تھا، جس کے کئی روپ تھے۔

لوگ اسے صرف ایک کامیاب بزنس مین سمجھتے تھے، مگر حقیقت اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ تھی۔ ماہیر خان ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو خطرہ سر پر منڈلاتا دیکھ کر پیچھے ہٹ جائیں۔ وہ برسوں سے ایسے دشمنوں کا سامنا کرتا آیا تھا جو طاقت، دولت اور اثر و رسوخ میں کسی سے کم نہیں تھے۔

رائف سکندر کی واپسی یقیناً ایک بڑا خطرہ تھی، لیکن یہ خبر سن کر بھی ماہیر کے چہرے پر گھبراہٹ کا کوئی نشان نہیں آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بس وہی سرد سنجیدگی تھی جو ہر مشکل وقت میں اس کا ہتھیار بن جاتی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ رائف صرف بدلہ لینے نہیں آیا۔

وہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت، اپنا خوف اور اپنی پرانی سلطنت واپس حاصل کرنے آیا تھا۔

لیکن ایک فرق تھا۔

چند سال پہلے والا ماہیر اور آج کا ماہیر ایک نہیں تھا۔

اب اس کے پاس صرف دولت اور اختیار نہیں تھا، بلکہ وہ لوگ بھی تھے جنہیں وہ اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھتا تھا۔

حیام...اس سے پہلے اسکی کوئی کمزوری نہیں تھی۔

ماں باپ تو اسکے کبھی ہوے ہی نہیں۔۔۔اسنے کبھی انہیں اپنی کمزوری نہیں بنایا تھا ۔۔ لیکن حیام اسکی کمزوری بن چکی تھی

یہ نام آتے ہی اس کے دل میں عجیب سی بے چینی اتر گئی تھی۔

رائف سکندر سے لڑنا مشکل نہیں تھا۔

مشکل یہ تھا کہ اس جنگ کی آگ کہیں اس کی دنیا تک نہ پہنچ جائے۔

اس نے خاموشی سے حیام کی طرف دیکھا جو کتاب ہاتھ میں لیے کبھی منہ بنا رہی تھی اور کبھی صفحے پلٹ رہی تھی۔

وہ منظر دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر اگلے ہی لمحے اس کی نگاہوں میں سختی لوٹ آئی۔

"...رائف سکندر"

وہ زیرِ لب بولا۔

"اس بار اگر تم واپس آئے ہو ...تو یہ کھیل ادھورا ختم نہیں ہو گا۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی، جبکہ دوسری طرف شہر کے کسی تاریک کونے میں ایک نئی جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔

......

فجر کی اذان میں ابھی چند منٹ باقی تھے۔

پورا کمرہ خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا سفید پردوں کو ہلکا سا ہلا رہی تھی جبکہ کمرے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

میر شاہ کی آنکھ حسبِ معمول وقت سے پہلے کھل گئی تھی۔

اس نے کروٹ بدل کر اپنے برابر میں سوئی ہوئی روح کو دیکھا تو بے اختیار اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

روح کمبل میں سمٹی ہوئی تھی۔

اس کے بالوں کی چند بکھری لٹیں گالوں پر پڑ رہی تھیں اور چہرے پر معصومیت ویسی ہی تھی جیسی کسی بچے کی نیند میں ہوتی ہے۔

میر چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

پھر آہستہ سے اس کے چہرے پر آئی ایک لٹ کان کے پیچھے کی۔

"روح جان۔۔۔"

اس نے دھیمے لہجے میں پکارا۔

کوئی جواب نہ آیا۔

"سردارنی صاحبہ۔۔۔"

وہ ذرا قریب ہوا۔اور بازوں اسکی کمر کے گرد لپٹ دیے

مگر روح بدستور سوئی رہی۔

میر نے ہنسی روکتے ہوئے سر ہلایا۔

"یا اللہ۔۔۔ یہ لڑکی نہیں، نیند کی سفیر ہے۔"

اس نے آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

Z"اٹھ جائیں جانم، فجر کا وقت ہو رہا ہے۔"

روح نے ہلکی سی جنبش کی مگر آنکھیں نہ کھولیں۔

"ہمم۔۔۔"

بس اتنا کہہ کر دوبارہ کمبل میں سمٹ گئی۔

میر اس کی حرکت پر مسکرا دیا۔

وہ ذرا اور قریب ہوا اور محبت سے اس کی پیشانی پر ایک بوسہ ثبت کیا۔

"پانچ منٹ۔۔۔"

روح نے بند آنکھوں کے ساتھ کہا۔اور وہ سیدھی ہوتی لیٹ گئی

"یہ پانچ منٹ تو تمہاری زندگی کے سب سے لمبے پانچ منٹ ہیں۔"

میر نے جواب دیا۔

روح نے کمبل اور اوپر کھینچ لیا۔

"آج والے آخری ہیں۔"

"کل بھی یہی کہا تھا۔"

"کل والے الگ تھے۔"

روح نے نیند بھرے لہجے میں کہا۔

میر کا قہقہہ نکل گیا۔

"واہ، دلیل تو پوری تیار ہے۔"

وہ دوبارہ جھکا اور اس کے لبوں کو نرمی سے چھوا۔

"اٹھ جائیں، میری اچھی بچی۔"

روح نے اسکی حرکت پر پر سے آنکھیں کھولیں تھی

سب سے پہلے اسے میر کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

"آپ روز اتنی صبح کیوں جاگ جاتے ہیں؟" وہ بات بدلتے میر کے موڈ کو دیکھتی بولی

"تاکہ تمہیں اپنی جان کو جگا سکوں۔"

میر نے فوراً جواب دیا۔

روح نے تکیہ اٹھا کر اس کی طرف مارنے کی کوشش کی۔

"آپ بہت تنگ کرتے ہیں۔"

"اور تم بہت سستی کرتی ہو۔"

میر نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

روح بمشکل اٹھ کر بیٹھی۔

بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ابھی تک نیند موجود تھی۔

میر اسے دیکھ کر چند لمحے خاموش رہا۔

"کیا ہوا؟"

روح نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

میر مسکرایا۔

"بس سوچ رہا ہوں کہ میری سردارنی نیند میں بھی اتنی پیاری کیوں لگتی ہے۔"

روح کا چہرہ فوراً سرخ ہوا تھا۔

"فجر کے وقت بھی آپ کی تعریفیں ختم نہیں ہوتیں۔"

"تم ختم ہونے دو تو پھر ہی ہے اتنی بے سدھ سستی ہو۔۔نا۔۔روح۔"

میر نے جواب دیا۔

روح نے فوراً نظریں چرا لیں۔

چند لمحوں بعد دونوں ایک ساتھ جائے نماز پر کھڑے تھے۔

کمرے میں عجیب سا سکون بکھرا ہوا تھا۔

باہر آسمان پر فجر کی ہلکی روشنی نمودار ہونا شروع ہو چکی تھی جبکہ اندر خاموشی اور عبادت کا حسین امتزاج ماحول کو مزید پُرسکون بنا رہا تھا۔

روح نے نماز مکمل کی تو ہاتھ دعا کے لیے اٹھا لیے۔

میر بھی اس کے ساتھ دعا مانگ رہا تھا۔

کچھ لمحوں تک دونوں خاموش رہے۔

ہر ایک اپنے رب سے دل کی باتیں کر رہا تھا۔

دعا ختم ہوئی تو روح نے چہرے پر ہاتھ پھیرے اور آہستہ سے میر کی طرف دیکھا۔

وہ بھی اسی وقت اسے دیکھ رہا تھا۔

دونوں کی نظریں ملیں تو روح کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔

"کیا مانگا آپ نے؟"

روح نے دھیرے سے پوچھا۔

میر نے چند لمحے اسے دیکھا۔

"جو پہلے دن مانگا تھا۔"

"کیا؟"

روح کی آنکھوں میں تجسس ابھرا۔

میر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"یہی کہ اللہ تمہیں ہمیشہ میری زندگی میں سلامت رکھے۔"

روح کی پلکیں جھک گئی تھیں۔

اس کے دل میں عجیب سی نرمی اتر گئی۔

"اور آپ نے؟"

میر نے پوچھا۔

روح نے ہلکی سی شرارت سے مسکراتے ہوئے نظریں چرائیں۔

"بتاتے نہیں دعا۔"

"اچھا؟"

میر نے بھنویں اٹھائیں۔

"اتنا تو بتا دو میرے متعلق تھی یا نہیں؟"

روح نے ہنسی روکنے کی کوشش کی۔

"تھی۔"

"بس پھر کافی ہے۔"

میر مطمئن انداز میں بولا۔

روح نے اسے دیکھا اور سر ہلا دیا۔

"آپ واقعی بہت خوداعتماد ہیں۔"

"کیونکہ مجھے اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔"

میر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

روح کے رخساروں پر ہلکی سی سرخی آگئی۔

فجر کی نرم روشنی اب کھڑکی سے اندر آنا شروع ہو گئی تھی۔

میر نے آہستہ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"پتا ہے روح؟"

"ہمم؟"

"دن کا سب سے خوبصورت وقت میرے لیے یہی ہے۔"

"کیوں؟"

روح نے حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ اس وقت نہ دنیا کی فکر ہوتی ہے، نہ کاروبار کی، نہ کسی اور چیز کی۔"

وہ چند لمحے رکا۔

"بس میں، تم اور ہمارا رب۔"

روح کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔

اس نے آہستہ سے اپنا سر میر کے کندھے پر ٹکا دیا۔

کمرے میں پھر خاموشی پھیل گئی۔

مگر یہ خاموشی لفظوں سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی۔

دو دل، ایک دعا، اور ایک نئی صبح ان کے سامنے تھی۔

نماز کے بعد روح نے جائے نماز تہہ کر کے ایک طرف رکھی تھی۔ کمرے میں ہلکی ہلکی صبح کی روشنی پھیلنے لگی تھی اور کھڑکی سے آنے والی ٹھنڈی ہوا ماحول کو مزید خوشگوار بنا رہی تھی۔

روح نے ایک لمبی انگڑائی لی۔

"...اُفف"

وہ بڑبڑائی۔

"اب میں آرام سے تھوڑی دیر سوؤں گی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ بیڈ کی طرف بڑھی ہی تھی کہ میر شاہ نے فوراً اس کا راستہ روک لیا۔

"کہاں؟"

روح نے معصوم سی شکل بنائی۔

"سونے..."

میر نے دونوں بھنویں اوپر اٹھائیں۔

"سردارنی، ابھی تو فجر پڑھی ہے۔"

"تو؟"

روح نے حیرت سے پوچھا۔

"تو اب دوبارہ سونا منع ہے۔"

"کس نے کہا؟"

"میں نے کہا۔"

میر نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

روح نے فوراً تکیہ اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

"میر ...پلیز۔"

"نو پلیز، نو سوری۔"

"مجھے نیند آرہی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"پھر؟"

"اسی لیے تو واک پر جا رہے ہیں۔"

روح نے ایسے اسے دیکھا جیسے اس نے دنیا کی سب سے عجیب بات کر دی ہو۔

"میں؟ واک؟"

"جی ہاں، آپ۔"

"نہیں جانا۔"

"جانا ہے۔"

"نہیں جانا۔"

"جانا ہے۔"

"نہیں۔"

"ہاں۔"

روح نے ناراضی سے ہونٹ پھلا لیے۔

"آپ بہت ضدی ہیں۔"

میر ہنس پڑا۔

"اور تم بہت سستی ہو۔"

روح نے فوراً کشن اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔

میر نے ہنستے ہوئے پکڑ لیا۔

"تشدد نہیں جانم۔"

پھر وہ اس کے قریب آیا۔

"چلو شاباش۔"

"میر..."

"چلو۔"

"میر..."

"چلو۔"

"میررر..."

"چلووو..."

آخرکار روح نے ہار مانتے ہوئے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"ٹھیک ہے۔"

میر نے فاتحانہ انداز میں مسکرا کر سر ہلایا۔

"ویری گڈ۔"

چند منٹ بعد دونوں حویلی کے باغ سے نکل کر گاؤں کی کچی پگڈنڈی پر چل رہے تھے۔

صبح کا وقت تھا۔

ہوا میں مٹی کی سوندھی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔

دور دور تک سبز کھیت پھیلے ہوئے تھے۔

درختوں پر بیٹھے پرندے چہچہا رہے تھے۔

روح نے اپنے دوپٹے کو سنبھالتے ہوئے اردگرد دیکھا۔

"...ویسے"

وہ آہستہ سے بولی۔

"یہ منظر واقعی بہت خوبصورت ہے۔"

میر نے ایک نظر اس پر ڈالی۔

"ہمم۔"

"لیکن اتنا بھی خوبصورت نہیں۔"

روح نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیوں؟"

میر مسکرایا۔

"کیونکہ تم ساتھ ہو۔"

روح کا چہرہ فوراً گلابی ہوگیا۔

"آپ ہر وقت ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟"

"کیونکہ ہر وقت تم ساتھ ہوتی ہو۔"

روح نے نظریں چرا لیں۔

اسی دوران چند گاؤں کی عورتیں وہاں سے گزریں۔

انہوں نے میر شاہ کو دیکھا تو فوراً رک گئیں۔

"!ارے اللہ خیر کرے"

ایک عورت نے حیرت سے کہا۔

"!یہ تو ہمارے سردار ہیں"

دوسری نے فوراً روح کو دیکھا۔

"ماشاءاللہ ...کتنی خوش قسمت ہے ہماری سردارنی۔"

تیسری ہنس پڑی۔

"سردار شاہ تو نظریں ہی نہیں ہٹا رہے۔"

روح شرم سے پانی پانی ہوگئی۔

جبکہ میر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"دیکھا؟"

اس نے دھیرے سے کہا۔

"پورا گاؤں میری بات سے اتفاق کرتا ہے۔"

"!میر"

روح نے فوراً اسے گھورا۔

اور میر کا قہقہہ فضا میں گونج گیا۔

چند منٹ مزید گزر گئے تھے۔

شروع شروع میں تو روح بڑے شوق سے ارد گرد کے مناظر دیکھتی رہی تھی، لیکن اب اس کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہونے لگی تھی۔

پہلے وہ میر کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

پھر دو قدم پیچھے۔

پھر چار قدم پیچھے۔

اور اب تو حالت یہ تھی کہ میر کافی آگے نکل چکا تھا جبکہ روح ایک درخت کے پاس کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

"!میر"

اس نے اونچی آواز میں پکارا۔

میر نے مڑ کر دیکھا۔

"ہمم؟"

"میں تھک گئی ہوں۔"

روح نے باقاعدہ اعلان کیا۔

میر نے گھڑی دیکھی۔

ابھی پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔"میری جان کے ٹوٹے"

"میرے لیے یہی بہت ہیں۔"

روح نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔

میر نے ہنسی روکنے کی کوشش کی۔

"سردارنی، آپ واک پر آئی ہیں یا احتجاج پر؟"

"دونوں پر۔"

روح نے فوراً جواب دیا۔

میر کا قہقہہ نکل گیا۔

وہ واپس اس کی طرف آیا۔

اسی دوران سامنے سے چند دیہاتی عورتیں گزریں۔

ان میں سے ایک کی نظر جیسے ہی میر شاہ پر پڑی، وہ حیرت سے رک گئی۔

"افف..."

اس نے بےاختیار لبوں پر ہاتھ رکھا۔

"یہ تو سردار میر شاہ ہیں!"

دوسری عورت بھی فوراً رک گئی تھی۔

پھر اس کی نظر میر کی باہوں میں موجود حوریب پر گئی تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"دیکھو تو ذرا..."

وہ اپنی ساتھی کو کہنے لگی۔

"ہماری سردارنی کی وجہ سے سردار صاحب کے چہرے پر کتنی مسکراہٹ رہنے لگی ہے۔"

تیسری عورت نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

"سچ کہہ رہی ہو تم۔"

"پہلے تو سردار صاحب کسی سے دو لفظ بات بھی مشکل سے کرتے تھے۔"

"...ہر وقت کام، زمینیں اور ذمہ داریاں"

"اب دیکھو، چہرے پر کیسا نور اور سکون ہے۔"

باقی عورتوں کی نظریں بھی فوراً دونوں کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

"...ارے ہاں"

دوسری عورت کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"یہ تو ہمارے سردار ہیں۔"

حوریب نے ان کی باتیں سن کر مزید نظریں جھکا لی تھیں۔

عورتیں محبت بھری نظروں سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"ماشاءاللہ..."

ایک عمر رسیدہ خاتون کے لبوں سے بےاختیار نکلا۔

"کتنی خوش قسمت ہے ہماری سردارنی۔"

"...اللہ نظرِ بد سے بچائے"

دوسری نے فوراً کہا۔

"سردار صاحب تو اپنی بیگم کو پلکوں پر بٹھاتے ہیں۔"

میر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

حوریب نے چوری سے اس کی طرف دیکھا۔

لیکن وہ مکمل سکون سے چل رہا تھا جیسے اسے ان باتوں کی عادت ہو۔

"دیکھا؟"

میر نے دھیمی آواز میں کہا۔

"پورا گاؤں جانتا ہے کہ میں اپنی بیوی کا کتنا خیال رکھتا ہوں۔"

حوریب نے فوراً اس کے بازو پر ہلکا سا مکا مارا۔

"آپ نا..."

وہ شرماتے ہوئے بولی۔

عورتوں کی ہنسی بلند ہوئی تھی۔

"ہائے ہائے..."

ایک خاتون مسکرا کر بولی۔

"سردارنی تو شرما بھی رہی ہیں۔"

حوریب کا چہرہ اب پوری طرح سرخ ہو چکا تھا۔

وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

مگر میر شاہ؟

وہ تو جیسے جان بوجھ کر لطف اٹھا رہا تھا۔

وہ سامنے آتی بزرگ خالہ کے پاس احترام سے رکا۔

"السلام علیکم خالہ۔"

اس نے ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، سردار صاحب۔"

سب نے محبت سے جواب دیا۔

،پھر ایک بزرگ خاتون نے دعا دیتے ہوئے کہا

"اللہ آپ دونوں کی محبت سلامت رکھے۔"

"آمین۔"

میر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

بزرگ خاتون نے پھر شرارت سے حوریب کو دیکھا۔

"اور جلدی ہمیں ننھا سا سردار بھی دکھاؤ۔"

اتنا سنتے ہی حوریب نے جھٹ سے میر کی شرٹ مٹھی میں بھینچ لی۔

اس کا چہرہ ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔

میر نے بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔

"ان شاء اللہ خالہ۔"

اس نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔

"!میر"

حوریب نے فوراً سر اٹھا کر اسے گھورا تھا۔

جس پر عورتوں کے قہقہے گونج اٹھے۔

"اللہ خوش رکھے دونوں کو۔"

"ہمیشہ آباد رہو۔"

دعائیں دیتی وہ آگے بڑھ گئیں۔

ان کے جاتے ہی حوریب نے فوراً میر کی طرف دیکھا۔

"آپ کو بہت مزہ آ رہا تھا نا؟"

میر نے معصوم بننے کی ناکام کوشش کی۔

"میں نے کیا کیا؟"

"آپ نے جان بوجھ کر ان کی باتوں پر کچھ نہیں کہا۔"

حوریب نے شکایتی انداز میں کہا۔

"اور اوپر سے ان شاء اللہ بھی بول دیا۔"

میر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

پھر آہستہ سے بولا،

"دعاؤں پر کبھی اعتراض نہیں کرتے، جان۔"

حوریب کی پلکیں جھک گئی تھیں۔

اس ایک جملے پر اس کی ساری ناراضی ہوا ہو گئی تھی۔

میر نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"...ویسے"

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔

تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔

آپ کے تعاون کا شکریہ۔

وہ شرارتی انداز میں بولا۔

"خالہ کی دعا مجھے کافی پسند آئی۔"

"!میر"

حوریب نے فوراً اس کے کندھے پر مکا مارا۔

اور میر شاہ کا قہقہہ صبح کی ٹھنڈی ہوا میں بکھر گیا تھا۔

"چلو، تھوڑا سا اور۔"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میرے پاؤں جواب دے چکے ہیں۔"

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔
میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔
اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔
تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔
آپ کے تعاون کا شکریہ۔

روح نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"اب ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔"

میر نے چند لمحے اسے دیکھا۔

پھر اچانک اس کے قریب آیا۔

روح ابھی کچھ سمجھ بھی نہ پائی تھی کہ اگلے ہی لمحے زمین اس کے قدموں کے نیچے سے غائب ہوگئی۔

"!آآآ۔۔۔ میر"

روح کی حیران چیخ نکلی۔

میر نے اسے سیدھا اپنی بانہوں میں اٹھا لیا تھا۔

"!م۔۔میر"

روح نے فوراً اس کی گردن کے گرد بازو لپیٹ لیے۔

"نیچے اتاریں مجھے!"

"کیوں؟"

میر نے مکمل سکون سے پوچھا۔

"کیونکہ لوگ دیکھ رہے ہیں۔"

روح نے شرماتے ہوئے ارد گرد دیکھا۔

میر نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

"دیکھنے دو۔"

"!میر"

"کیا؟"

"سب ہنسیں گے۔"

"میری بیوی ہے، کوئی جرم تو نہیں کیا۔"

میر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

روح نے شرمندگی سے چہرہ اس کے کندھے میں چھپا لیا۔

اسی دوران سامنے سے چند دیہاتی عورتیں گزریں۔

ان میں سے ایک کی نظر جیسے ہی میر شاہ پر پڑی، وہ حیرت سے رک گئی۔

"افف..."

اس نے بے اختیار لبوں پر ہاتھ رکھا۔

"یہ تو سردار میر شاہ ہیں!"

دوسری عورت بھی فوراً رک گئی تھی۔

پھر اس کی نظر میر کی باہوں میں موجود حوریب پر گئی تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"...دیکھو تو ذرا"

وہ اپنی ساتھی کو کہنے لگی۔

"ہماری سردارنی کی وجہ سے سردار صاحب کے چہرے پر کتنی مسکراہٹ رہنے لگی ہے۔"

تیسری عورت نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

"سچ کہہ رہی ہو تم۔"

"پہلے تو سردار صاحب کسی سے دو لفظ بات بھی مشکل سے کرتے تھے۔"

"...ہر وقت کام، زمینیں اور ذمہ داریاں"

"اب دیکھو، چہرے پر کیسا نور اور سکون ہے۔"

باقی عورتوں کی نظریں بھی فوراً دونوں کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

"...ارے ہاں"

دوسری عورت کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"یہ تو ہمارے سردار ہیں۔"

حوریب نے ان کی باتیں سن کر مزید نظریں جھکا لی تھیں۔

عورتیں محبت بھری نظروں سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"...ماشاءاللہ"

ایک عمر رسیدہ خاتون کے لبوں سے بےاختیار نکلا۔

"کتنی خوش قسمت ہے ہماری سردارنی۔"

"...اللہ نظرِ بد سے بچائے"

دوسری نے فوراً کہا۔

"سردار صاحب تو اپنی بیگم کو پلکوں پر بٹھاتے ہیں۔"

میر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

حوریب نے چوری سے اس کی طرف دیکھا۔

لیکن وہ مکمل سکون سے چل رہا تھا جیسے اسے ان باتوں کی عادت ہو۔

"دیکھا؟"

میر نے دھیمی آواز میں کہا۔

"پورا گاؤں جانتا ہے کہ میں اپنی بیوی کا کتنا خیال رکھتا ہوں۔"

حوریب نے فوراً اس کے بازو پر ہلکا سا مکا مارا۔

"...آپ نا"

وہ شرماتے ہوئے بولی۔

عورتوں کی ہنسی بلند ہوئی تھی۔

"ہائے ہائے..."

ایک خاتون مسکرا کر بولی۔

ایک خاتون مسکرا کر بولی۔

"سردارنی تو شرما بھی رہی ہیں۔"

حوریب کا چہرہ اب پوری طرح سرخ ہو چکا تھا۔

وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

مگر میر شاہ؟

وہ تو جیسے جان بوجھ کر لطف اٹھا رہا تھا۔

وہ سامنے آتی بزرگ خالہ کے پاس احترام سے رکا۔

"السلام علیکم خالہ۔"

اس نے ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، سردار صاحب۔"

سب نے محبت سے جواب دیا۔

پھر ایک بزرگ خاتون نے دعا دیتے ہوئے کہا،

"اللہ آپ دونوں کی محبت سلامت رکھے۔"

"آمین۔"

میر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

بزرگ خاتون نے پھر شرارت سے حوریب کو دیکھا۔

"اور جلدی ہمیں ننھا سا سردار بھی دکھاؤ۔"

اتنا سنتے ہی حوریب نے جھٹ سے میر کی شرٹ مٹھی میں بھینچ لی۔

اس کا چہرہ ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔

میر نے بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔

"ان شاء اللہ خالہ۔"

اس نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔

"!میر"

حوریب نے فوراً سر اٹھا کر اسے گھورا تھا۔

جس پر عورتوں کے قہقہے گونج اٹھے۔

"اللہ خوش رکھے دونوں کو۔"

"ہمیشہ آباد رہو۔"

دعائیں دیتی وہ آگے بڑھ گئیں۔

ان کے جاتے ہی حوریب نے فوراً میر کی طرف دیکھا۔

"آپ کو بہت مزہ آ رہا تھا نا؟"

میر نے معصوم بننے کی ناکام کوشش کی۔

"میں نے کیا کیا؟"

"آپ نے جان بوجھ کر ان کی باتوں پر کچھ نہیں کہا۔"

حوریب نے شکایتی انداز میں کہا۔

"اور اوپر سے ان شاء اللہ بھی بول دیا۔"

میر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

پھر آہستہ سے بولا،

"دعاؤں پر کبھی اعتراض نہیں کرتے، جان۔"

حوریب کی پلکیں جھک گئی تھیں۔

اس ایک جملے پر اس کی ساری ناراضی ہوا ہو گئی تھی۔

میر نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ویسے..."

وہ شرارتی انداز میں بولا۔

"خالہ کی دعا مجھے کافی پسند آئی۔"

"میر!"

حوریب نے فوراً اس کے کندھے پر مکا مارا۔

اور میر شاہ کا قہقہہ صبح کی ٹھنڈی ہوا میں بکھر گیا تھا۔

رات کی طویل فلائٹ کے بعد آخرکار پرتگال کی روشن فضاؤں نے ان کا استقبال کیا تھا۔

ائیرپورٹ کی شیشے کی دیواروں سے باہر نظر آتی رنگ برنگی روشنیاں، صاف ستھرے راستے اور ٹھنڈی ہوا ایک الگ ہی احساس دے رہی تھی۔

منت خاموشی سے باسل کے ساتھ چل رہی تھی۔

سفر کی تھکن اس کے چہرے پر نمایاں تھی جبکہ سر میں موجود ہلکا سا درد ابھی تک مکمل طور پر ختم نہیں ہوا تھا۔

لیکن اس نے حسبِ عادت اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجا رکھی تھی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ باسل دوبارہ پریشان ہو۔

باسل نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

پھر بنا کچھ کہے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔

"تھک گئی ہو نا؟"

اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

منت نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں تو۔"

باسل نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"جھوٹ۔"

"واقعی نہیں۔"

"مائی ہارٹ بیٹ، تمہیں جھوٹ بولنا آج تک نہیں آیا۔"

منت بے اختیار مسکرا دی۔

اسی لمحے سامنے سے ایک لمبا چوڑا نوجوان تقریباً دوڑتا ہوا ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔

"!ارے۔۔۔ ارے جناب"

وہ دور سے ہی چلایا۔

باسل کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی۔

اگلے ہی لمحے وہ نوجوان آکر باسل سے گلے مل چکا تھا۔

"زندہ ہو تم؟"

اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا شادی کے بعد لاپتہ ہو گئے ہو۔"

"ابھی تو آغاز ہے۔"

باسل نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

پھر اس نوجوان کی نظریں منت پر گئیں۔

وہ فوراً سیدھا ہو کر کھڑا ہوگیا۔

"اووو۔۔۔ ہماری بھابھی جان!"

اس نے بڑے پیار سے اردو میں کہا۔

"السلام علیکم۔"

منت اس کی اردو سن کر حیران ہوئی۔

پھر مسکرا کر جواب دیا۔

"وعلیکم السلام۔"

"واہ۔۔۔"

ارسل نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"بھابھی تو واقعی بہت پیاری ہیں۔"

ساتھ ہی اس نے شرارت سے آنکھ دبا دی۔

منت کے لبوں پر ہنسی آگئی۔

جبکہ باسل نے فوراً منت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"پھر بیوی کس کی ہے؟"

وہ فخریہ انداز میں بولا۔

ارسل نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"معاف کرو بابا۔"

"یہ تو پورا کا پورا عاشق نکلا۔"

"اب پتہ چلا؟"

باسل نے جواب دیا۔

"نہیں۔"

ارسل نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔

"مجھے تو پہلے ہی شک تھا۔"

تینوں ہنستے ہوئے پارکنگ کی طرف بڑھ گئے۔

کچھ دیر بعد گاڑی پرتگال کی خوبصورت سڑکوں پر رواں تھی۔

دونوں طرف روشن عمارتیں، نفیس کیفے اور خوبصورت لائٹس شہر کو خواب جیسا منظر دے رہی تھیں۔

منت کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے خاموش بیٹھی تھی۔

جبکہ باسل کا ہاتھ مسلسل اس کے ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔

جیسے وہ یقین کرنا چاہتا ہو کہ وہ واقعی اس کے ساتھ موجود ہے۔

ارسل ریئر ویو مرر سے دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"ویسے بھابھی۔"

اس نے اچانک کہا۔

"آپ کو پتہ ہے نا، یہ بندہ کتنا تنگ کرتا ہے؟"

منت نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

"واقعی؟"

"جی بالکل۔"

ارسل فوراً بولا۔

"میڈیکل کالج میں اس نے میری آدھی جوانی خراب کر دی تھی۔"

"جھوٹ بول رہا ہے۔"

باسل نے فوراً جواب دیا۔

"بالکل سچ۔"

ارسل نے کہا۔

"بھابھی، اگر کبھی یہ زیادہ تنگ کرے تو مجھے کال کر دیجیے گا۔"

منت ہنس پڑی۔

"ضرور۔"

"دیکھا؟"

ارسل فاتحانہ انداز میں بولا۔

"اب میری ٹیم بن گئی ہے۔"

باسل نے سر پکڑ لیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد گاڑی ایک خوبصورت گرے رنگ کی بلڈنگ کے سامنے رکی۔

رات کی روشنی میں وہ جگہ نہایت دلکش لگ رہی تھی۔

باسل گاڑی سے اترا۔

پھر منت کا دروازہ کھول کر اسے باہر آنے میں مدد دی۔

"ویلکم ہوم۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

منت نے عمارت کو دیکھ کر حیرت سے اردگرد نظر دوڑائی۔

سب کچھ نہایت خوبصورت اور پُرسکون تھا۔

باسل سامان اٹھائے اندر کی طرف بڑھا۔

منت بھی اس کے ساتھ چل دی۔

لیکن جیسے ہی ارسَل بھی ان کے پیچھے آنے لگا، باسل رک گیا۔

"اب کدھر؟"

اس نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

ارسل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب تم جا سکتے ہو۔"

باسل نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ اب میری بیوی میرے ساتھ ہے۔"

"تو؟"

"تو ہمیں آرام کرنا ہے۔"

باسل نے جواب دیا۔

ارسل نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لیے۔

"واہ۔"

"باسل شاہ، یہی دوستی ہے؟"

"بالکل۔"

"جس فلیٹ میں ہم سالوں رہے ہو، وہاں آنے بھی نہیں دو گے؟"

"نہیں۔"

باسل نے فوراً کہا۔

منت اپنی ہنسی بمشکل روک رہی تھی۔

ارسل نے فوراً اس کی طرف رخ کیا۔

"بھابھی دیکھ رہی ہیں؟"

"یہی حرکتیں ہیں اس کی۔"

"ایک دن مجھے گھر سے بھی نکال دے گا۔"

منت ہنس دی۔

"شاید۔"

"دیکھا؟"

ارسل نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"بھابھی بھی اس کے ساتھ مل گئی ہیں۔"

باسل نے دروازہ کھولا۔

"اللہ حافظ۔"

"چلا جا اب۔"

ارسل نے لمبی آہ بھری۔

"دوست نہیں، ظالم انسان ہو تم۔"

"شکریہ۔"

باسل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

پھر اس نے منت کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"آؤ جان۔"

منت مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔

جبکہ باہر کھڑا ارسَل سر ہلاتا ہوا دونوں کو جاتا دیکھ رہا تھا۔

"اللہ خیر کرے۔"

وہ بڑبڑایا۔

"یہ تو واقعی شادی کے بعد بدل گیا ہے۔"

اور اگلے ہی لمحے اندر سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو ارسَل کا قہقہہ رات کی خاموش فضا میں گونج اٹھا

....

کمرے میں شام کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

کھڑکی کے باہر سورج ڈھلنے کو تھا جبکہ اندر ماہیر مسلسل اپنے موبائل پر نظریں جمائے کسی سے میسجز کا تبادلہ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر معمول کی شرارت اور اطمینان کے بجائے عجیب سی سنجیدگی تھی۔

"جلدی سے حیام اپنی ضرورت کی ساری چیزیں رکھو۔"

اس نے موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

حیام جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی، فوراً اس کی طرف مڑی۔

"لیکن کیوں؟"

اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"ہم کہیں جا رہے ہیں؟ گھومنے؟"

اگلے ہی لمحے وہ خوشی سے تقریباً اچھل پڑی۔

"وااأؤ!"

وہ دوڑتی ہوئی ماہیر کے پاس آئی اور بےاختیار اپنی بانہیں اس کی گردن کے گرد ڈال دیں۔

ماہیر جو پہلے ہی کسی الجھن میں تھا، اچانک اس حرکت پر چونک گیا۔

"حیام !میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

اس کی آواز غیر ارادی طور پر بلند ہوئی تھی۔

حیام فوراً سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔

اس کے چہرے کی خوشی چند لمحوں میں ماند پڑ گئی۔

"...سوری"

اس نے دھیرے سے کہا اور خاموشی سے الماری کی طرف بڑھ گئی۔

وہ بیگ نکال کر کپڑے اور ضروری چیزیں رکھنے لگی تھی، مگر اب اس کی رفتار میں پہلے والی شوخی نہیں تھی۔

پہلی بار ماہیر کا ایسا سخت لہجہ سن کر اس کا دل بجھ سا گیا تھا۔

ادھر ماہیر نے جیسے ہی اس کے جھکے ہوئے کندھے اور خاموش چہرے کو دیکھا، اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

اس نے ایک لمبی سانس لی اور موبائل ایک طرف رکھ دیا۔

چند قدم چل کر وہ حیام کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

اگلے ہی لمحے اس نے اسے پیچھے سے اپنی باہوں کے حصار میں لے لیا۔

"...سوری میری تیکھی مرچ"

اس کی آواز پہلے جیسی نرم اور محبت بھری تھی۔

"تھوڑا پریشان تھا اس لیے بول گیا۔"

اس نے دھیرے سے اس کے رخسار پر لب رکھے۔

حیام نے منہ پھلا لیا۔

"...جو مرضی کریں آپ"

وہ آہستہ سے بولی۔

"ویسے بھی آپ کو کون روک سکتا ہے۔"

ماہیر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

اس نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اپنا رخ موڑنے کی کوشش کی لیکن حیام نے جان بوجھ کر دوسری طرف منہ کر لیا۔

"اچھا جی؟"

ماہیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پھر جو کرتا ہوں وہ بھی برداشت نہیں ہوتا۔"

اس نے محبت سے اس کی آنکھوں کے کنارے پر ابھرتی نمی صاف کی۔

"اب میری طرف دیکھو۔"

حیام نے چند لمحے ضد کی مگر پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف مڑ گئی۔

"اچھا، اب دھیان سے سنو۔"

ماہیر نے اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ہم حویلی جا رہے ہیں۔"

"حویلی؟"

حیام نے فوراً حیرت سے پوچھا۔

"کون سی حویلی؟"

"خان حویلی۔"

ماہیر نے مختصر جواب دیا۔

حیام کی آنکھیں خوشی سے پھیل گئیں۔

"سچ؟"

"ہاں۔"

"ہم خان حویلی جا رہے ہیں؟"

وہ بچے کی طرح خوش ہو گئی تھی۔

"جہاں میں نے اپنا بچپن گزارا؟"

ماہیر اس کی چمکتی آنکھیں دیکھ کر بےاختیار مسکرا دیا۔

"ہاں جان، وہی حویلی۔"

پھر اس کے چہرے پر دوبارہ سنجیدگی لوٹ آئی۔

"مجھے چند دن کے لیے ایک ضروری کام سے باہر جانا پڑے گا۔"

حیام کی مسکراہٹ کچھ مدھم ہوئی۔

"کہاں؟"

اس نے فوراً پوچھا۔

ماہیر چند لمحے خاموش رہا۔

"ترکی جانا ہے۔"

پھر اس نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"لیکن جلدی واپس آ جاؤں گا۔"

حیام نے لب سکیڑے۔

"کتنے دن؟"

"زیادہ نہیں۔"

"روز کال کریں گے؟"

"ہاں۔"

"ویڈیو کال بھی؟"

"ہاں۔"

"اور مجھے بھولیں گے تو نہیں؟"

اس سوال پر ماہیر چند لمحے اسے دیکھتا رہ گیا۔

اس کی زندگی میں پہلی بار کوئی ایسا تھا جو اس کے جانے پر پریشان ہو رہا تھا۔

کوئی ایسا تھا جو اس کی واپسی کا انتظار کرنے والا تھا۔

اس نے بےاختیار اس کا ہاتھ چوم لیا۔

"ناممکن۔"

حیام مطمئن ہو کر مسکرا دی۔

اگلے ہی لمحے وہ پھر جوش میں آگئی۔

"!افففف"

وہ خوشی سے بولی۔

"!میں خان حویلی جا رہی ہوں"

"!واااؤ"

"میں ساسو ماں کے ساتھ خوب باتیں کروں گی۔"

"ان کے ہاتھ کے کھانے کھاؤں گی۔"

"...اور"

وہ رک کر ماہیر کو گھورنے لگی۔

"آپ کے ہاتھ کا کھا کھا کر تو میرا پیٹ دکھنے لگ گیا ہے۔"

چند لمحے خاموشی چھا گئی۔

پھر ماہیر نے خطرناک انداز میں آنکھیں سکیڑیں۔

"اچھا؟"

حیام فوراً ہنس دی۔

"ہاں!"

"ایسی بات ہے؟"

ماہیر نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی گود میں کھینچ لیا۔

"ناشکری عورت!"

"ماہیر!"

حیام کی چیخ نکلی۔

لیکن اگلے ہی لمحے ماہیر نے اسے گدگدی کرنا شروع کر دی۔

"!ہاہاہا ... نہیں"

"!ماہیر پلیز"

"اب بتاؤ، کھانا برا بناتا ہوں؟"

"نہیں!"

"پھر؟"

"ہاہاہا ...بس مذاق تھا!"

حیام کے قہقہے پورے کمرے میں گونج رہے تھے۔

وہ ہنستے ہنستے خود کو چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ ماہیر جان بوجھ کر اسے مزید تنگ کر رہا تھا۔

کئی لمحوں بعد جب حیام ہنستے ہنستے نڈھال ہو گئی تو ماہیر نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

حیام اب بھی مسکرا رہی تھی۔

...اور ماہیر

وہ اس کی ہنسی سنتے ہوئے چند لمحوں کے لیے اپنے تمام خوف، پریشانیاں اور آنے والے خطرات بھول چکا تھا۔

اس وقت اس کی پوری دنیا صرف اس کی بانہوں میں سمٹی یہ شوخ سی لڑکی تھی۔

....

فہد ملک اپنے خفیہ ٹھکانے کے وسیع کمرے میں بیٹھا تھا۔ رات کافی گزر چکی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نیند کا نام و نشان نہیں تھا۔ سامنے میز پر

رکھی تصاویر میں سے ایک تصویر اس کے ہاتھ میں تھی۔ تصویر میں میر شاہ اور روح گاؤں کی پگڈنڈی پر ایک ساتھ چل رہے تھے۔ فہد کی نظریں چند لمحوں تک تصویر پر جمی رہیں، پھر اس کے ہونٹوں پر ایک سرد اور خطرناک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے تصویر کو انگلیوں کے درمیان گھماتے ہوئے کرسی سے ٹیک لگا لی۔ "میر شاہ"...اس کی آواز میں برسوں کی دشمنی صاف محسوس ہو رہی تھی، "تم نے میرے راستے میں آ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ تم نے میرا نقصان کیا، میرے آدمیوں کو مجھ سے دور کیا اور میری طاقت کو چیلنج کیا۔" اس نے تصویر کو میز پر رکھتے ہوئے مٹھی بھینچ لی۔ "لیکن اب باری میری ہے۔" اس کی آنکھوں میں خطرناک چمک ابھر آئی۔ "تمہیں لگتا ہے تم نے جنگ جیت لی ہے؟ نہیں میر شاہ... اصل کھیل تو اب شروع ہوگا۔" وہ آہستہ آہستہ کمرے میں

چہل قدمی کرنے لگا۔ "میں تم سے تمہارا سکون چھین لوں گا۔ تمہاری ہر خوشی کو خوف میں بدل دوں گا۔ تم ہر لمحہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاؤ گے کہ اگلا وار کہاں سے ہوگا۔ "اس کے قہقہے کی آواز پورے کمرے میں گونج گئی۔ "اور جب تم خود کو سب سے زیادہ طاقتور سمجھ رہے ہوگے، تب میں تمہیں وہاں ضرب لگاؤں گا جہاں تمہیں سب سے زیادہ درد محسوس ہوگا۔ "اس نے دوبارہ تصویر اٹھائی اور گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ تیار ہو جاؤ میر شاہ... فہد ملک واپس آ چکا ہے، اور اس بار میں تمہیں چین سے جینے نہیں دوں گا۔ "کمرے میں موجود اس کے آدمی خاموش کھڑے تھے جبکہ فہد کے چہرے پر پھیلی خطرناک مسکراہٹ آنے والے طوفان کی خبر دے رہی تھی۔

.....

"مائی ہارٹ بیٹ ...اٹھ جائیے، ہسپتال بھی جانا ہے میری جان۔"

باسل نے لب اُس کے بالوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

منت آتے ہی سو گئی تھی۔

"نہیں باسل، مجھے سونا ہے۔"

میری جان، رات کو سو جانا... چلو شاباش، فریش ہو جاؤ۔ میں نے خود" تمہارے لیے ہسپتال میں ٹائم لیا ہے۔ میں خود چیک اپ کرواؤں گا جانا۔ "پھر ڈاکٹر کی ڈیوٹی کا ٹائم ہے، اُٹھ جاؤ۔

باسل نے اُسے بازو سے پکڑ کر بٹھایا اور وہ سیدھی اُس کے سینے سے آ لگی تھی۔

"...ب ... باسل، وہ"

باسل نے مسکراتے ہوئے لب اُس کی گردن پر رکھے۔ وہ آنکھیں بند کیے مدہوش ہو رہی تھی۔

اور اب صحیح معنوں میں منت کی نیند اُڑ گئی تھی۔

"...چلیں، لیٹ ہو رہے ہیں باسل"

منت نے اُٹھنا چاہا تھا۔

"ویسے اتنا بھی لیٹ نہیں ہوئے۔"

"کیا کہتی ہو پھر ...ہو جائے مقابلہ؟"

باسل نے آنکھ دبا کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

"باسل !ہر وقت ...بس کریں۔"

اُس نے اُٹھنا چاہا مگر باسل نے اُسے اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا تھا۔ اُس کے ہاتھ اوپر کرتے ہوئے لب اُس کی پیشانی پر رکھے۔

منت نے سانس روک لیا۔

اور باسل کی من مانیاں بڑھ رہی تھیں۔ وہ اُس کی گردن سے نیچے کا سفر شروع کر چکا تھا۔

وہ اُس کے دل کی دھڑکن کو آسانی سے سن سکتا تھا۔

منت کی ساری مزاحمتیں بکھر گئی تھیں۔

اب کمرے میں بس دونوں کے سانسوں کی آوازیں تھیں۔

....

منت کے قدم ہسپتال کے روشن مگر اجنبی راہداریوں میں داخل ہوتے ہوئے لرز رہے تھے۔ اس کا دل بے ترتیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ وہ بار بار اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہی تھی جبکہ باسل اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔

"مائی ہارٹ بیٹ۔۔۔"

باسل نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"مجھ پر یقین رکھو۔ کچھ نہیں ہوگا۔"

منت نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"اگر۔۔۔ اگر کچھ ہوگیا تو؟"

اس کی آواز کانپ گئی تھی۔

باسل فوراً اس کے سامنے رکا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ جب تک میں ہوں، تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

منت نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ دونوں ہسپتال کے اندر موجود تھے۔

باسل روانی سے ڈاکٹرز اور اسٹاف سے انگریزی میں بات کر رہا تھا جبکہ منت خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نجانے کیوں، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر دنیا میں کوئی اسے بچا سکتا ہے تو وہ صرف باسل تھا۔

تمام ضروری کاغذی کارروائی مکمل کرنے کے بعد باسل اسے خصوصی نیورولوجی یونٹ کی طرف لے گیا۔

وہاں پہنچ کر ایک نرس نے مریضوں کے لیے مخصوص سفید گاؤن باسل کے حوالے کیا۔

"میں خود دیکھ لوں گا۔"

باسل نے نرمی سے کہا۔

کچھ دیر بعد منت چیک اپ کے لیے تیار تھی۔

اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔

باسل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"سانس نارمل رکھو، جان۔"

منت نے بے اختیار اس کی انگلیاں تھام لیں۔

"آپ کہیں مت جائیے گا۔"

"میں یہیں ہوں۔"

باسل نے فوراً جواب دیا۔

وہ اسے ساتھ لیے اندر موجود جدید مشینوں والے کمرے میں آیا۔

منت کو اسٹریچر پر لٹایا گیا۔

جیسے ہی وہ لیٹی، اس کے دل میں خوف کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔

چھت کی سفید روشنی اسے مزید بے چین کر رہی تھی۔

باسل فوراً اس کے قریب آیا۔

اس نے منت کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"میری طرف دیکھو۔"

منت نے نظریں اٹھائیں۔

"صرف میری طرف دیکھو۔"

اس نے دھیرے سے کہا۔

منت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

باسل کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

وہ جھکا اور اس کی پیشانی پر محبت بھرا بوسہ دیا۔

"ڈاکٹر باسل شاہ وعدہ کرتا ہے۔۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

منت کی پلکوں سے آنسو بہہ نکلے۔

مشینیں آن ہو چکی تھیں۔

باسل خود ہر رپورٹ اور ہر اسکرین پر پوری توجہ دے رہا تھا۔

اس کا چہرہ سنجیدہ تھا مگر اس کی گرفت اب بھی منت کے ہاتھ پر مضبوط تھی۔

منت بار بار گھبرا کر اس کی طرف دیکھتی اور ہر بار باسل اسے ایک مطمئن مسکراہٹ دیتا۔

پورے عمل کے دوران اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

کمرے میں صرف مشینوں کی ہلکی آوازیں تھیں، ایک ڈاکٹر کا فرض تھا اور ایک شوہر کی بے پناہ محبت۔

اور اس لمحے منت کو پہلی بار محسوس ہوا کہ شاید وہ واقعی اکیلی نہیں تھی۔ شاید اس کی زندگی کے اندھیروں کے مقابلے میں باسل اس کے لیے روشنی بن کر کھڑا تھا۔

اگلے دن رات کے دس بجے منت کی سرجری طے تھی۔

پورا دن باسل نے ایک لمحے کے لیے بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔

وہ کبھی اسے شہر کی روشنیاں دکھاتا، کبھی کافی شاپ میں بٹھا کر ہنسانے کی کوشش کرتا، اور کبھی اس کا ہاتھ تھام کر بار بار ایک ہی بات دہراتا۔

"میں ہوں نا، مائی ہارٹ بیٹ۔"

"میں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

منت ہر بار مسکرانے کی کوشش کرتی، مگر اس کے دل کا خوف آنکھوں میں صاف دکھائی دیتا تھا۔

رات قریب آتے ہی وہ دونوں ہسپتال پہنچ گئے تھے۔

ہسپتال کی روشن راہداریوں میں داخل ہوتے ہی منت کا دل دوبارہ تیزی سے دھڑکنے لگا۔

باسل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے اپنے قریب کیا۔

"صرف مجھ پر یقین رکھو۔"

منت نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

چند منٹ بعد نرسیں اسے پری آپریٹو روم میں لے گئیں۔

اس نے ہسپتال کا سفید گاؤن پہن لیا تھا۔

اپنے کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ پہلے سے زیادہ نازک اور کمزور لگ رہی تھی۔

اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ رہی تھیں۔

وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی، جیسے ہر لمحے باسل کو اپنے قریب محسوس کرنا چاہتی ہو۔

کچھ دیر بعد اسے آئی سی یو سے منسلک پری آپریشن یونٹ میں منتقل کر دیا گیا۔

کمرے میں ہلکی سفید روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

چند جدید مشینیں خاموشی سے چل رہی تھیں۔

دو نرسیں ضروری تیاریوں میں مصروف تھیں جبکہ سینئر ڈاکٹر رپورٹس کا جائزہ لے رہے تھے۔

ارسل بھی وہاں موجود تھا۔

وہ اینستھیزیولوجسٹ تھا اور آج منت کی بے ہوشی کی ذمہ داری اسی کے پاس تھی۔

باسل خاموشی سے منت کے سرہانے کھڑا تھا۔

اگرچہ اس کے چہرے پر مکمل پروفیشنل سنجیدگی تھی، مگر اندر طوفان برپا تھا۔

ارسل آہستہ سے منت کے قریب آیا۔

"بھابھی، میں اب کینولا لگانے لگا ہوں۔ تھوڑا سا چبھے گا۔"

منت نے بے اختیار باسل کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

اگلے ہی لمحے سوئی رگ میں داخل ہوئی۔

"سی۔۔۔"

بس اتنی سی آواز۔

مگر باسل کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے دل میں سوئی چبھو دی ہو۔

اس کے جبڑے بھنچ گئے۔

انگلیاں مٹھی میں بند ہو گئیں۔

وہ فوراً منت کے قریب جھکا۔

"بس ہو گیا جان۔"

اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

منت نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

اس کی پلکیں پہلے ہی بوجھل ہونا شروع ہو چکی تھیں۔

اسی لمحے سینئر ڈاکٹر نے باسل کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر باسل۔"

باسل نے سر اٹھایا۔

اگر آپ نے خود کو جذباتی ہونے دیا تو آپ یہ سرجری نہیں کر پائیں"
گے۔"

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

باسل نے گہرا سانس لیا۔

پھر آہستہ سے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس کی آنکھوں میں موجود خوف پڑھ لے۔

منت کی نظر مسلسل اسی پر جمی ہوئی تھی۔

بے ہوشی کی دوا آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھا رہی تھی۔

اس کی پلکیں بھاری ہونے لگی تھیں۔

نظر دھندلا رہی تھی۔

وہ باسل کو اپنے قریب بلانا چاہتی تھی۔

اس کا نام لینا چاہتی تھی۔

اس کا ہاتھ دوبارہ پکڑنا چاہتی تھی۔

مگر لب ہل نہ سکے۔

اس نے آخری بار باسل کی پشت کو دیکھا۔

سفید کوٹ میں ملبوس وہ شخص جو اس کا ڈاکٹر بھی تھا اور اس کی پوری دنیا بھی۔

پھر اس کی نظروں کے گرد اندھیرا پھیلنے لگا۔

مشینوں کی آوازیں مدھم ہو گئیں۔

اور اگلے ہی لمحے منت گہری بے ہوشی میں جا چکی تھی۔

کمرے میں خاموشی تھی۔

صرف مانیٹر پر چلتی دل کی دھڑکن کی آواز باقی تھی۔

جبکہ باسل شاہ اپنی زندگی کی سب سے مشکل سرجری شروع کرنے کے لیے تیار کھڑا تھا

منت کے لبوں سے ہلکی سی تکلیف بھری آواز نکلی۔
آپریشن تھیڑ کی سفید روشنیاں مسلسل جل رہی تھیں۔

وقت جیسے اپنی رفتار کھو چکا تھا۔

منت بے ہوش تھی اور سرجیکل ٹیبل پر خاموش لیٹی ہوئی تھی۔

اس کے سر کے اس حصے کو، جہاں سرجری ہونی تھی، احتیاط سے تیار کیا جا چکا تھا۔

باسل شاہ نے ایک لمحے کے لیے اپنی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کیں۔

بے ہوشی میں بھی وہ اسے اتنی ہی معصوم لگ رہی تھی۔

اس کا دل عجیب طرح سے بھاری ہو گیا۔

"ڈاکٹر باسل؟"

سینئر ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔

"ہم تیار ہیں۔"

باسل نے گہرا سانس لیا۔

پھر اپنی تمام تر توجہ سرجری پر مرکوز کر دی۔

اب وہ صرف ایک شوہر نہیں تھا۔

وہ ایک نیوروسرجن تھا۔

ایک ایسا ڈاکٹر جس کے ہاتھوں میں اس وقت اپنی زندگی کی سب سے قیمتی امانت تھی۔

گھنٹے گزرتے گئے۔

کمرے میں موجود ہر شخص مکمل خاموشی اور توجہ کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

کبھی کسی مشین کی بیپ سنائی دیتی تو کبھی نرس کی دھیمی آواز۔

مگر باسل کے کانوں میں صرف ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

منت کی۔

اس کی ہنسی۔

اس کی ضد۔

اس کا بار بار "باسل "کہہ کر بلانا۔

ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں کے سامنے وہ رات آگئی جب منت نے روتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔

"مجھے جینا ہے باسل..."

باسل کے ہاتھ چند لمحوں کے لیے رک گئے۔

اس نے آنکھیں بند کر کے خود کو سنبھالا۔

"...تم جیو گی"

اس نے دل میں کہا۔

"تمہیں میرے ساتھ جینا ہے۔"

سرجری کا آخری مرحلہ مکمل ہونے لگا۔

پورے تھیٹر میں خاموشی چھا گئی تھی۔

ہر نظر باسل پر تھی۔

اس نے آخری بار تمام چیزیں احتیاط سے چیک کیں۔

پھر آہستہ سے پیچھے ہٹا۔

چند سیکنڈ کے لیے کسی نے کچھ نہیں کہا۔

اور پھر سینئر ڈاکٹر کے لبوں پر مسکراہٹ آئی۔

"سرجری مکمل ہو گئی ہے۔"

باسل نے آنکھیں بند کر لیں۔

ایسا لگا جیسے کئی گھنٹوں سے روکی ہوئی سانس واپس لوٹ آئی ہو۔

اس کی پلکیں نم ہو گئی تھیں۔

وہ فوراً منت کے قریب آیا۔

اس کے سر پر احتیاط سے ڈریسنگ کی جا چکی تھی۔

سفید پٹی اس کے سر کے گرد بندھی ہوئی تھی۔

چہرہ پہلے سے زیادہ نازک لگ رہا تھا۔

مشینیں مسلسل اس کی دھڑکن اور سانسوں کی نگرانی کر رہی تھیں۔

باسل نے جھک کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

وہ ہاتھ جو ہمیشہ اس کی انگلیاں تھام کر چلتا تھا۔

آج بالکل بے جان سا اس کی ہتھیلی میں پڑا تھا۔

"...مائی ہارٹ بیٹ"

اس کی آواز بھرّا گئی۔

"...دیکھو"

وہ بمشکل مسکرایا۔

"تم جیت گئی ہو۔"

اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر دستانے پر گرا۔

"...میں نے کہا تھا نا"

اس نے منت کی بند پلکوں کو دیکھا۔

"میں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

کمرے میں موجود عملہ خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

وہ ڈاکٹر باسل شاہ کو جانتے تھے۔

مضبوط۔

بے خوف۔

سخت فیصلے لینے والا سرجن۔

مگر آج پہلی بار انہوں نے ایک شوہر کو دیکھا تھا۔

جو اپنی بیوی کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا اور دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ وہ جلد آنکھیں کھول دے۔

چند لمحوں بعد منت کو احتیاط کے ساتھ آئی سی یو منتقل کرنے کی تیاری شروع ہو گئی۔

باسل پھر بھی اس کا ہاتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔

جیسے برسوں کی تھکن ایک ہی دن میں اس پر اتر آئی ہو۔

مگر اس کے دل میں اب ایک امید تھی۔

سرجری مکمل ہو چکی تھی۔

اب اسے صرف اپنی منت کے جاگنے کا انتظار تھا۔

....

"میر پلیز نا...مجھے بھی پرتگال جانا ہے۔ ہم وہاں میرے گھر میں رہیں گے...پ ...پلیز..."

روح نے بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے اپنے لب سکیڑے اور معصوم سی نظروں سے میر کو دیکھا۔

"لیکن چندا..."

میر نے کچھ کہنا چاہا مگر روح نے فوراً بات کاٹ دی۔

"مجھے کچھ نہیں سننا میر..."

اس نے ناراضی جتاتے ہوئے چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔

میر چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر ہلکے سے مسکرایا۔

"ٹھیک ہے میری جان ...جیسا آپ کا حکم۔"

روح کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

"سچ؟"

"جی ہاں، ہم کل جا رہے ہیں ... لیکن پرائیویٹ جیٹ میں۔"

یہ سنتے ہی روح کے چہرے پر ایسی خوشی پھیلی جیسے کسی بچے کی پسندیدہ خواہش پوری ہو گئی ہو۔

میر اس کی خوشی دیکھ کر خود بھی مسکرا اٹھا۔ وہ ذرا سا جھکا اور محبت سے اس کے رخسار پر اپنے لب رکھ دیے۔

"...افف میر ...آپ کی بیئرڈ"

روح فوراً شکایت کرتی ہوئی پیچھے ہٹی۔

میر ہنس پڑا۔

"افف جان ...آپ کا انداز۔"

اس نے نرمی سے روح کی دونوں ہتھیلیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ اس کی انگلیاں اپنی انگلیوں میں پھنسا کر وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

روح کا چہرہ شرم سے گلابی ہونے لگا تھا۔

.....

۔

....

آئی سی یو کی مدھم روشنیاں خاموشی سے جل رہی تھیں۔

مشینوں کی مسلسل بیپ بیپ پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔

منت سفید چادر میں ڈھکی ہوئی بے حس و حرکت لیٹی تھی۔

اس کے سر پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی جبکہ مانیٹر پر چلتی دھڑکن کی لہریں اس بات کا ثبوت تھیں کہ وہ ابھی بھی لڑ رہی تھی۔

باسل اس کے بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔

سرجری مکمل ہوئے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔

مگر اس کے لیے یہ تین گھنٹے تین صدیوں سے کم نہیں تھے۔

وہ ایک لمحے کے لیے بھی منت سے دور نہیں ہوا تھا۔

کبھی وہ اس کی ہتھیلی اپنے ہاتھوں میں لے لیتا۔

کبھی جھک کر اس کی انگلیوں پر لب رکھ دیتا۔

کبھی خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہتا۔

ایسا چہرہ جس پر ہمیشہ زندگی، ضد اور شرارت بسی رہتی تھی۔

مگر آج وہ غیر معمولی حد تک خاموش تھی۔

باسل نے آہستہ سے اس کے ہاتھ کو اپنے گال سے لگایا۔

"...مائی ہارٹ بیٹ"

اس کی آواز سرگوشی سے بھی دھیمی تھی۔

"...اب اٹھ بھی جاؤ"

مگر جواب میں صرف مشینوں کی آواز سنائی دی۔

اسی دوران اس کا فون بج اٹھا۔

سکرین پر "میر شاہ "کا نام چمک رہا تھا۔

باسل چند لمحے فون کو دیکھتا رہا۔

وہ جانتا تھا میر کیوں کال کر رہا ہے۔

شاید اسے بتانے کے لیے کہ وہ لوگ بھی پرتگال پہنچ رہے ہیں۔

مگر اس وقت باسل کے اندر کسی سے بات کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

اس نے فون خاموشی سے بند کر دیا۔

اور دوبارہ پوری توجہ منت پر مرکوز کر دی۔

وقت مزید گزرتا گیا۔

مگر منت نے ابھی تک آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

اب پہلی بار باسل کے دل میں بے چینی سر اٹھانے لگی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ برین سرجری کے بعد ہوش آنے میں وقت لگ سکتا ہے۔

وہ خود ایک ڈاکٹر تھا۔

وہ سب جانتا تھا۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ آج مریض اس کی بیوی تھی۔

اس کی منت۔

اور محبت اکثر علم اور منطق کو شکست دے دیتی ہے۔

آخر کار وہ اٹھ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکلا۔

کوریڈور میں ڈاکٹر رئیس موجود تھا۔

باسل سیدھا اس کے پاس پہنچا۔

"...ڈاکٹر ریئس"

اس کی آواز میں واضح پریشانی تھی۔

"اسے ابھی تک ہوش کیوں نہیں آیا؟"

ریئس نے چند لمحے اسے دیکھا۔

پھر ہلکا سا مسکرایا۔

"...ڈاکٹر باسل شاہ"

اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"آپ نے اپنی زندگی میں کتنے کیسز ہینڈل کیے ہیں؟"

باسل خاموش رہا۔

"کتنی برین سرجریز کی ہیں؟"

ریئش نے دوبارہ پوچھا۔

"بہت سی۔"

باسل نے مختصر جواب دیا۔

"تو پھر آپ مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہیں؟"

ریئس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ بعض مریضوں کو ہوش آنے میں وقت لگتا ہے۔"

"سرجری بہت بڑی تھی۔"

"اس کا جسم ابھی ریکور کر رہا ہے۔"

"وہ جاگ جائے گی۔"

باسل نے بےاختیار آئی سی یو کے شیشے سے اندر جھانکا۔

منت ویسے ہی خاموش لیٹی ہوئی تھی۔

"وہ میری بیوی ہے..."

اس کے لبوں سے آہستہ سے نکلا۔

رئیس کے چہرے پر نرمی آ گئی۔

"اور یہی وجہ ہے کہ آج آپ ڈاکٹر کم اور شوہر زیادہ لگ رہے ہیں۔"

چند لمحوں تک دونوں خاموش رہے۔

پھر رئیس دوبارہ بولا۔

"مجھ پر یقین کریں۔"

"اس وقت اس کی تمام رپورٹس نارمل ہیں۔"

"دل کی دھڑکن نارمل ہے۔"

"بلڈ پریشر نارمل ہے۔"

"اسے وقت دیں۔"

"وہ جاگ جائے گی۔"

باسل نے گہرا سانس لیا۔

مگر دل کا بوجھ کم نہ ہوا۔

وہ دوبارہ آئی سی یو میں واپس آ گیا۔

کرسی کھینچ کر منت کے پاس بیٹھ گیا۔

اس نے آہستہ سے اس کی ہتھیلی اپنے ہاتھ میں لی۔

پھر جھک کر اس کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔

"سنو..."

اس کی آواز لرز گئی۔

"...تم نے وعدہ کیا تھا نا"

"...تم میرے ساتھ رہو گی"

اس کی آنکھیں منت کے خاموش چہرے پر جمی تھیں۔

"...اب مجھے انتظار مت کرواؤ مائی ہارٹ بیٹ"

بس ایک بار آنکھیں کھول دو"...۔"

،اور پہلی بار کئی گھنٹوں میں باسل نے اپنی پیشانی اس کے ہاتھ پر ٹکا دی جیسے دنیا کا سب سے مضبوط آدمی بھی آخرکار تھک گیا ہو۔

.....

آئی سی یو کی خاموش فضا میں صرف مشینوں کی مسلسل بیپ سنائی دے رہی تھی۔

رات نجانے کب گزر چکی تھی۔

باسل کو وقت کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔

پانچ گھنٹے...

پورے پانچ گھنٹے گزر چکے تھے۔

مگر منت نے ابھی تک آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

وہ اسی کرسی پر بیٹھا تھا۔

سفید کوٹ اب شکنوں سے بھرا ہوا تھا۔

قمیض کے بازو کہنیوں تک مڑے ہوئے تھے۔

بال بار بار ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے بکھر چکے تھے۔

آنکھوں کے نیچے تھکن کے گہرے سائے اتر آئے تھے۔

اور چہرے پر وہ خوف تھا جسے وہ پوری زندگی دوسروں سے چھپاتا آیا تھا۔

اس کی انگلیاں اب بھی منت کی ہتھیلی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھیں۔

جیسے ڈر ہو کہ اگر اس نے ہاتھ چھوڑ دیا تو کہیں وہ اس سے دور نہ ہو جائے۔

باسل نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

سر پر بندھی سفید پٹی...

بند پلکیں...

خاموش چہرہ...

سب کچھ اس کے دل کو چیر رہا تھا۔

"...مائی ہارٹ بیٹ"

اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

وہ کرسی سے تھوڑا آگے جھکا۔

اپنا دوسرا ہاتھ بھی منت کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"...پلیز"

اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"...اٹھ جاؤ نا"

آنسو پلکوں سے نکل کر گالوں پر بہنے لگے۔

"...دیکھو"

وہ ہلکا سا ہنسا مگر آواز میں درد تھا۔

"...میں تمہیں ڈانٹوں گا بھی نہیں"

"...تم جتنا چاہو ضد کرنا"

"...جتنا چاہو لڑ لینا مجھ سے"

اس نے منت کی انگلیوں کو اپنے گال سے لگا لیا۔

"...بس ایک بار آنکھیں کھول دو"

اس کا دل اتنی شدت سے دھڑک رہا تھا کہ خود اسے اپنی دھڑکن سنائی دے رہی تھی۔

زندگی میں پہلی بار اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ کتنا بےبس ہے۔

کتنے لوگوں کو اس نے آپریشن تھیٹر سے واپس زندگی دی تھی۔

کتنے خاندانوں کے چہروں پر خوشیاں لوٹائی تھیں۔

مگر آج...

آج وہ صرف ایک شوہر تھا۔

ایک خوفزدہ شوہر۔

"...تم میری دھڑکن ہو منت"

اس کی آواز رندھ گئی۔

"...سنو"

"...مجھے ڈر لگ رہا ہے"

یہ شاید پہلی بار تھا کہ باسل شاہ نے اپنے خوف کا اعتراف کیا تھا۔

وہ جھک کر منت کے ہاتھ پر بار بار بوسے دینے لگا۔

"...پلیز"

"...میری طرف دیکھو"

"...ایک بار آواز دو مجھے"

"...ایک بار کہو باسل"

آنسو اب مسلسل بہہ رہے تھے۔

اس نے پیشانی منت کے ہاتھ پر ٹکا دی۔

کندھے ہلکے ہلکے لرز رہے تھے۔

"...میں تھک گیا ہوں"

اس نے سرگوشی کی۔

"...تمہارے بغیر یہ چند گھنٹے بھی نہیں گزار پا رہا"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

صرف باسل کی ٹوٹی ہوئی سسکیاں اور مشینوں کی بیپ سنائی دے رہی تھیں۔

وہ اسی طرح منت کا ہاتھ تھامے بیٹھا رہا۔

جیسے اس کی پوری دنیا اسی ایک ہاتھ میں سمٹ آئی ہو۔

...اور دل میں بس ایک ہی دعا تھی

کہ اگلی بار جب وہ سر اٹھائے تو منت کی آنکھیں کھلی ہوں۔

...

باسل ابھی بھی اسی کے پاس بیٹھا تھا۔

اس کی انگلیاں مسلسل منت کے ہاتھ پر پھرتی جا رہی تھیں۔

نجانے کتنی بار وہ اس کا نام لے چکا تھا۔

نجانے کتنی دعائیں مانگ چکا تھا۔

تبھی...

منت کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔

باسل کا دل جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا۔

اس نے فوراً سر اٹھایا۔

"منت...؟"

اس کی آواز سرگوشی سے بھی دھیمی تھی۔

منت کی پلکیں ایک بار پھر ہلیں۔

جیسے وہ بہت بھاری ہوں۔

جیسے انہیں کھولنے میں بھی پوری طاقت لگ رہی ہو۔

باسل کرسی سے تقریباً اٹھ کھڑا ہوا۔

"مائی ہارٹ بیٹ..."

اس کی آنکھوں میں امید جاگ اٹھی تھی۔

"میری جان... منت..."

چند لمحوں بعد منت نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔

روشنی شاید اسے چبھ رہی تھی۔

اس نے پلکیں جھپکائیں۔

سب کچھ دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔

لیکن پھر...

اس کی نظر سامنے کھڑے باسل پر جا ٹھہری۔

بکھرے بال۔

سرخ آنکھیں۔

تھکا ہوا چہرہ۔

اور آنکھوں میں چھپی بے پناہ محبت۔

"ب... باسل"

منت کی کمزور سی آواز نکلی۔

بس اتنا سننا تھا کہ باسل کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

وہ فوراً اس کے قریب آیا۔

اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

"...الحمدللہ"

اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"...الحمدللہ"

وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا۔

منت نے بمشکل مسکرانے کی کوشش کی۔

"آپ ...رو رہے ہیں...؟"

باسل ہنس پڑا۔

مگر آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔

"...نہیں"

اس نے جلدی سے آنکھیں صاف کیں۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں۔"

منت اسے دیکھتی رہی۔

باسل جھکا اور نہایت محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

لمبا...

پرسکون...

شکر سے بھرا ہوا۔

"تم نے ڈرا دیا تھا مجھے۔"

اس نے اس کے ماتھے سے اپنا سر ٹکا دیا۔

"بہت زیادہ ڈرا دیا تھا۔"

منت کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

اس نے کمزور سی انگلی ہلا کر باسل کے ہاتھ کو دبایا۔

"میں ...واپس آ گئی ہوں..."

باسل نے فوراً اس کی انگلیوں کو اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"...ہاں"

اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"اور اب کہیں نہیں جانے دوں گا۔"

منت کی پلکوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

وہ پھر تھکن سے آنکھیں بند کرنے لگی۔

باسل نے نرمی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"...سو جاؤ میری جان"

"اب میں یہیں ہوں۔"

منت کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔

اور باسل پہلی بار کئی گھنٹوں بعد سکون کا سانس لے سکا تھا۔

....

گاڑی آہستہ آہستہ خان حویلی کے مرکزی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور پورچ کے سامنے آ کر رک گئی۔

حیام نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔

...وہی وسیع و عریض حویلی ...وہی بلند ستون ...وہی شان و شوکت

لیکن آج سب کچھ مختلف محسوس ہو رہا تھا۔

اس کے دل کی دھڑکن بے اختیار تیز ہو گئی۔

ماہیر نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور مسکرا دیا۔

"گھبرانا نہیں۔"

حیام نے فوراً گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"میں کیوں گھبرانے لگی؟ میرا اپنا گھر ہے۔"

اس نے خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

ماہیر ہلکا سا ہنسا۔

"یہ بات ہے میری بلی۔"

حیام نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا جبکہ ماہیر دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔

چند لمحوں بعد دونوں حویلی کے اندر داخل ہوئے۔

لاؤنج میں شاہین خان، اعزر اور رباب پہلے سے موجود تھے۔

کمرے میں عجیب سی خاموشی تھی۔

"السلام علیکم۔"

ماہیر نے پُراعتماد انداز میں سلام کیا۔

"السلام علیکم۔"

حیام نے بھی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا۔

مگر جواب میں خاموشی ملی۔

جیسے ان کی موجودگی کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔

رباب کی نظریں مسلسل حیام پر جمی ہوئی تھیں۔

سرخ رنگ کی سادہ لانگ شرٹ، ہلکا سا دوپٹہ، کھلے ہوئے نرم بال اور چہرے پر قدرتی معصومیت...

وہ واقعی کسی پری جیسی لگ رہی تھی۔

رباب کے دل میں بے اختیار حسد کی ایک لہر اٹھی۔

یہی وہ لڑکی تھی جس کے لیے ماہیر نے سب کی مخالفت مول لی تھی۔

شاہین بیگم نے افسوس سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

ان کی آنکھوں میں ناراضی بھی تھی اور بے بسی بھی۔

لیکن ماہیر نے کسی کے تاثرات کی پرواہ نہیں کی۔

اچانک وہ حیام کے قریب آیا۔

"چلو، تمہیں اپنا روم دکھاتا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ حیام کچھ سمجھ پاتی، ماہیر اسے باہوں میں اٹھا چکا تھا۔

"!ماہیر"

حیام گھبرا کر بولی۔

"کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"...چپ"

ماہیر نے جان بوجھ کر بلند آواز میں قہقہہ لگایا۔

اس کی ہنسی لاؤنج میں گونجی۔

اعزر کا چہرہ سخت ہو گیا۔

رباب کی مٹھی بھنچ گئی۔

شاہین بیگم نے نظریں جھکا لیں۔

اور یہی تو ماہیر چاہتا تھا۔

خاص طور پر رباب کو یہ احساس دلانا کہ حیام اس کی بیوی ہے اور اس کی زندگی میں کسی اور کی کوئی جگہ نہیں۔

وہ حیام کو اٹھائے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا۔

حیام مسلسل شرمندگی سے اس کے سینے میں منہ چھپائے رہی۔

کمرے میں پہنچ کر ماہیر نے نرمی سے اسے نیچے اتارا۔

جیسے ہی حیام کے پاؤں زمین پر لگے، اس نے فوراً اسے گھورا۔

"یہ سب کیا تھا ماہیر؟"

"کیا؟"

وہ معصوم بنتے ہوئے بولا۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں کیا۔"

ماہیر ہنس پڑا۔

حیام نے سر جھٹکا اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

لیکن دل میں موجود سوال آخر زبان پر آ ہی گیا۔

"کیا آپ کے موم ڈیڈ اس شادی سے خوش نہیں ہیں؟"

اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"اسی لیے شادی پر نہیں آئے تھے؟"

ماہیر کے چہرے کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔

وہ چند لمحے خاموش رہا۔

پھر آہستہ سے اس کے قریب آیا۔

"...ایکچولی میری جان"

اس نے نرمی سے کہا۔

"وہ میری شادی رباب سے کروانا چاہتے تھے۔"

حیام چونک گئی۔

"رباب؟"

"موم کی بھانجی۔"

ماہیر نے سر ہلایا۔

"اور وہ تمہیں پسند نہیں کرتے۔"

یہ سنتے ہی حیام کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

ماہیر نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"لیکن تم پریشان مت ہو۔"

وہ اس کے قریب آ گیا۔

"میں ہوں نا اپنی جان کے لیے۔"

حیام نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا۔

لیکن دل پھر بھی بے چین تھا۔

"پھر میں یہاں کیسے رہوں گی؟"

اس کی آواز اداس ہو گئی۔

"...آپ کے بغیر"

ماہیر کا دل نرم پڑ گیا۔

اس نے اس کے گال کو آہستہ سے چھوا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔"

"پر..."

"میں نے سب انتظام کر دیا ہے۔"

وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میرے گارڈز یہاں موجود ہیں۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔"

"بس تم نے حویلی سے باہر نہیں جانا۔"

حیام خاموشی سے سنتی رہی۔

"کارل تمہیں یونیورسٹی لے کر جائے گا۔"

"واپس بھی وہی لائے گا۔"

"...اور اگر کوئی مسئلہ ہو"

اس نے موبائل نکالتے ہوئے کہا۔

"میرے بعد کارل کو بتانا۔"

بولتے ہوئے اس نے حیام کے موبائل میں کئی نمبر سیو کیے۔

...گارڈز کے

...کارل کے

...اور اپنے اسسٹنٹ کے

حیام کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"م ...مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے ماہیر۔"

وہ دھیرے سے بولی۔

ماہیر نے اسے دیکھا۔

اس کے چہرے پر وہی معصوم ضد تھی۔

وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"...ارے یار"

اس نے اس کی ناک کھینچی۔

"ہنی مون پر نہیں جا رہا۔"

"کام سے جا رہا ہوں۔"

"...پھر بھی"

حیام کی آنکھیں جھک گئیں۔

"آپ کے بغیر اچھا نہیں لگے گا۔"

یہ سنتے ہی ماہیر چند لمحے خاموش رہا۔

پھر اس نے اسے اپنے قریب کھینچ لیا۔

حیام کا سر اس کے سینے سے لگ گیا۔

"مجھے بھی اچھا نہیں لگے گا۔"

ماہیر نے دھیمی آواز میں کہا۔

"لیکن یہ ضروری ہے۔"

"زیادہ دن نہیں لگیں گے۔"

"میں جلد واپس آ جاؤں گا۔"

حیام نے آہستہ سے اس کی شرٹ مٹھی میں پکڑ لی۔

جیسے اسے جانے سے روک لینا چاہتی ہو۔

...اور ماہیر

وہ پہلی بار محسوس کر رہا تھا کہ چند دن کی دوری بھی شاید اتنی آسان نہیں ہونے والی۔

...

منت کو آپریشن کے بعد اسپیشل روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ کمرے کی بڑی کھڑکی سے دھوپ کی نرم کرنیں اندر آرہی تھیں اور ماحول پہلے کی نسبت کافی پرسکون تھا۔ سرجری کو چند دن گزر چکے تھے اور اب وہ پہلے سے بہتر محسوس کر رہی تھی، اگرچہ کمزوری ابھی بھی واضح تھی۔

باسل صبح سے اس کے آگے پیچھے گھوم رہا تھا۔

کبھی دوائی کا وقت یاد دلاتا، کبھی پانی پینے کا۔

اور کبھی بلاوجہ اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چیک کرتا کہ بخار تو نہیں۔

آخرکار ڈسچارج پیپرز بنوانے کے لیے اسے باہر جانا پڑا تھا۔

جیسے ہی دروازہ بند ہوا، منت نے آہستہ سے کمبل ایک طرف کیا۔

"...افف"

وہ بڑبڑائی۔

"میں مریضہ ہوں یا قیدی؟"

اس نے احتیاط سے اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھے۔

ٹھنڈے فرش کا لمس محسوس ہوتے ہی اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

کتنے دن ہو گئے تھے اسے خود چلنے کی اجازت ملے۔

باسل تو اسے ایسے سنبھال رہا تھا جیسے شیشے کی بنی ہو۔

زمین پر پاؤں رکھنے تک نہیں دیتا تھا۔

منت کے دل میں ایک عجیب سی نرمی اتر آئی۔

زندگی واقعی بدل گئی تھی۔

کبھی وہ خود کو سزا دیتی پھرتی تھی۔

...اور آج

آج کوئی تھا جو اس کے ایک درد پر بے چین ہو جاتا تھا۔

اس نے آہستہ سے اٹھنے کی کوشش کی۔

مگر ابھی کمزوری باقی تھی۔

چند قدم بھی نہ چل پائی تھی کہ اس کا توازن بگڑ گیا۔

"اوہ..."

وہ لڑکھڑائی۔

مگر زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی دو مضبوط بازوؤں نے اسے تھام لیا۔

"!کیا یار، منت"

باسل کی ناراض آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

منت نے چونک کر سر اٹھایا۔

وہ سامنے کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

شاید ابھی دروازے سے اندر آیا ہی تھا۔

"کبھی میری کوئی بات مان بھی لیا کرو۔"

اس نے سخت لہجے میں کہا۔

پھر بغیر کچھ سنے اسے دوبارہ سہارا دے کر بیڈ پر بٹھا دیا۔

منت نے ہونٹ سکیڑے۔

"...تھک گئی تھی"

"تو؟"

باسل فوراً بولا۔

"تو کیا یار؟ ابھی ویکنیس ہے۔"

اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ سے زیادہ فکر تھی۔

منت نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا اور اس کے ہاتھ کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"...اچھا نا"

وہ دھیرے سے بولی۔

"اتنا غصہ تو نہ کریں۔"

باسل نے گہرا سانس لیا۔

پھر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"یار غصہ نہیں کر رہا۔"

اس کی آواز نرم ہو گئی۔

"ٹینشن ہوتی ہے بندے کو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اسے اپنے قریب کر لیا۔

منت خاموشی سے اس کے سینے سے لگ گئی۔

اس کی دھڑکنیں پہلے کی طرح مضبوط اور پر سکون تھیں۔

"...ویسے"

باسل نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ڈسچارج پیپرز بنوا لایا ہوں۔"

منت فوراً سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"سچ؟"

اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"آج ہم گھر جا رہے ہیں۔"

"شکر ہے!"

منت نے خوشی سے کہا۔

"میں تو اس کمرے کی دیواروں سے بھی دوستی کر چکی تھی۔"

باسل ہنس پڑا۔

"زیادہ خوش نہ ہو۔"

اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

"وہاں بھی جناب ڈاکٹر موجود ہوں گے۔"

منت کا چہرہ فوراً اتر گیا۔

"اور فل بیڈ ریسٹ۔"

"باسل..."

"اور ڈائٹ فالو کرنی پڑے گی۔"

"باسل..."

"اور وقت پر دوائیاں۔"

"باسل شاہ!"

منت نے احتجاج کیا۔

باسل نے ہنسی روکتے ہوئے اس کے ہونٹوں کے قریب انگلی لہرادی۔

"کوئی بحث نہیں۔"

"!اُفف"

منت نے جھنجھلا کر سر پیچھے ٹکا دیا۔

"کر لوں گی سب کچھ۔"

"بس مجھے اس قید سے نکال دیں فی الحال۔"

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔
تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔
آپ کے تعاون کا شکریہ۔

چند لمحے خاموشی رہی۔

پھر باسل کا قہقہہ پورے کمرے میں گونج اٹھا۔

منت نے اسے گھورا۔

مگر خود بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

کئی دنوں بعد دونوں کے درمیان یہ ہلکی سی خوشی لوٹی تھی۔

اور شاید یہی ان کی نئ زندگی کا آغاز تھا۔

پرتگال کی ٹھنڈی رات اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ شہر پر چھائی ہوئی تھی۔ رات کے تقریباً دس بج رہے تھے جب میر شاہ اور روح کی فلائٹ پرتگال کے بین الاقوامی ایئرپورٹ پر لینڈ ہوئی تھی۔

لمبے سفر کے باوجود روح کی آنکھوں میں تھکن سے زیادہ جوش نظر آ رہا تھا۔

جہاز سے اترتے ہی وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہی تھی، جیسے ابھی کسی کو تلاش کر رہی ہو۔

میر شاہ ایک ہاتھ میں اپنا کوٹ اور دوسرے ہاتھ سے روح کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

امیگریشن اور سامان لینے کے تمام مراحل مکمل کرنے کے بعد وہ ائیرپورٹ سے باہر نکلے تھے۔

باہر ٹھنڈی ہوا نے ان کا استقبال کیا تھا۔

روح نے فوراً اپنا اسٹول گردن کے گرد درست کیا اور میر کی طرف مڑی۔

"...میر"

اس کی آواز میں وہی مخصوص ضد تھی جسے میر اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"ہم ابھی باسل کے پاس چلتے ہیں۔"

میر نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں۔

"...میری جان"

وہ نرمی سے بولا۔

"رات کے دس بجے ہیں۔"

"تو؟"

روح نے فوراً جواب دیا۔

"تو کچھ نہیں۔"

میر ہنسا۔

"لیکن لوگ اس وقت آرام کرتے ہیں۔"

"نہیں ...مجھے ابھی ملنا ہے۔"

روح نے ہونٹ باہر نکال لیے۔

"منت بھی ہو گی نا وہاں؟"

"ہو گی۔"

"تو پھر چلتے ہیں۔"

روح نے جیسے فیصلہ سنا دیا ہو۔

میر نے بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا۔

"یا اللہ ...صبر۔"

جس پر روح نے فوراً اس کے بازو پر ہلکا سا مکا مارا۔

"میں سن رہی ہوں۔"

میر کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

اس نے آہستہ سے اسے اپنے قریب کیا اور بازو اس کے گرد لپیٹ لیا۔

"صبح میری جان۔"

اس نے نرمی سے کہا۔

"ن ... نہیں۔ ابھی۔"

روح نے پھر وہی ضد دہرائی۔

میر نے اس کے ماتھے کو چھوا۔

"ہر بات پر ضد، روح۔"

پھر اس کے رخسار کو ہلکے سے کھینچتے ہوئے بولا۔

"اچھے بچے ضد نہیں کرتے۔"

"میں اچھی بچی نہیں ہوں۔"

روح نے فوراً جواب دیا۔

میر ہنس پڑا۔

"یہ تو مجھے پہلے ہی معلوم ہے۔"

روح نے منہ بنا لیا۔

"صبح ہوتے ہی لے جاؤں گا۔"

"سچ؟"

"بالکل سچ۔"

"جھوٹ نہیں بول رہے؟"

"...روح شاہ"

میر نے مصنوعی ناراضی سے اسے دیکھا۔

"میں سردار میر شاہ ہوں۔"

روح فوراً ہنس پڑی۔

"اچھا بابا، مان لیا۔"

تبھی سامنے کھڑی گاڑی کا دروازہ کھلا۔

یہ وہی ڈرائیور تھا جو برسوں سے روح کے گھر کے ساتھ منسلک تھا اور پرتگال میں ان کے گھر کا انتظام بھی دیکھتا تھا۔

اس نے احترام سے سلام کیا۔

"السلام علیکم سردار صاحب۔"

"وعلیکم السلام۔"

میر نے جواب دیا۔

ڈرائیور نے فوراً سامان گاڑی میں رکھوا دیا۔

گاڑی کے قریب پہنچتے ہی ڈرائیور نے احترام سے سر جھکا کر سلام کیا تھا۔

"السلام علیکم، چھوٹی بی بی۔"

روح نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"وعلیکم السلام، انکل۔"

ڈرائیور کے چہرے پر حقیقی خوشی نمودار ہوئی تھی۔

"شکر ہے آپ واپس آ گئی ہیں، چھوٹی بی بی۔"

اس نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

"گھر تو بالکل سنسان ہو گیا تھا۔"

روح نے حیرانی سے بھنویں اچکائیں۔

"اچھا جی؟"

"جی بالکل۔"

ڈرائیور ہنسا۔

"نہ کسی کے بھاگنے کی آواز آتی تھی، نہ کسی کی فرمائشیں ختم ہوتی تھیں، نہ ہی کچن والوں کو دن میں دس بار نئی ڈش بنانے کا حکم ملتا تھا۔"

روح کا قہقہہ بلند ہوا۔

"اوہو ...تو آپ لوگ مجھے یاد کرتے تھے؟"

"بہت زیادہ، چھوٹی بی بی۔"

ڈرائیور نے خلوص سے کہا۔

"آپ کے بغیر گھر گھر نہیں لگتا تھا۔"

روح کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کوئی نا..."

اس نے بچوں کی طرح ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

"اب میں آ گئی ہوں نا۔"

پھر شوخی سے آنکھ مارتے ہوئے بولی۔

"اب دیکھنا، دوبارہ کتنی رونق ہو گی۔"

روح ابھی بھی ہلکی ہلکی ناراضی کے ساتھ کھڑی تھی۔

میر نے دوسری طرف سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"...اچھا سنو"

اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"کل ہم باسل اور منت کو سرپرائز دیں گے۔"

روح کی آنکھیں فوراً چمک اٹھیں۔

"سچ میں؟"

"ہمم۔"

"بہت مزہ آئے گا۔"

وہ خوشی سے بولی۔

"منت کتنی خوش ہوگی۔"

"اور باسل شاید پہلے مجھے گھورے گا کہ رات کو کیوں نہیں آنے دیا۔"

میر نے ہنستے ہوئے کہا۔

روح کا قہقہہ گاڑی میں گونج گیا۔

گاڑی آہستہ آہستہ ائیرپورٹ سے نکل کر روشن سڑکوں پر رواں ہو گئی تھی۔

شہر کی جگمگاتی روشنیاں کھڑکیوں کے پار دوڑ رہی تھیں جبکہ روح سر میر کے کندھے پر ٹکائے مسلسل باسل اور منت کو سرپرائز دینے کے منصوبے بنا رہی تھی۔

اور میر؟

وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

شاید دنیا کے ہر سفر سے زیادہ خوبصورت منظر اس کے لیے یہی تھا۔ روح کی مسکراہٹ۔

.....

خان حویلی کا وسیع ڈائننگ ہال ہمیشہ کی طرح روشن تھا۔ لمبی میز پر مختلف کھانے سجے ہوئے تھے۔ ملازم خاموشی سے اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے جبکہ گھر کے افراد ایک ایک کر کے اپنی نشستوں پر بیٹھ رہے تھے۔

ماہیر اور حیام بھی نیچے آ چکے تھے۔

حیام خاموشی سے ماہیر کے برابر والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ ہال میں موجود کئی نظریں اس پر تھیں۔

ماہیر نے بنا کسی پرواہ کے پلیٹ اپنی طرف کھینچی اور بڑی توجہ سے اس میں کھانا نکالنے لگا۔

"یہ کھاؤ۔"

اس نے سبزی اس کی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اور یہ بھی۔"

پھر سلاد اس کی طرف بڑھایا۔

حیام نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"میں خود لے لیتی۔"

"پتہ ہے۔"

ماہیر نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن مجھے اچھا لگتا ہے۔"

اس ایک جملے پر حیام کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

مگر دوسری طرف شاہین خان کے چہرے کے تاثرات سخت ہو چکے تھے۔

وہ چند لمحے خاموش رہیں۔

پھر اچانک بول اٹھیں۔

"تم نے رہنا ہے تو رہو، ورنہ اس لڑکی کے لیے ہمارے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔"

پورے ہال میں خاموشی چھا گئی۔

حیام کے ہاتھ میں پکڑا چمچ کانپ گیا۔

اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

ماہیر کا چہرہ سخت ہو گیا تھا۔

"یہ گھر جتنا میرا ہے اتنا ہی اس کا ہے۔"

اس کی آواز بلند ہوئی۔

"اس کے باپ کا ہے۔ اس کا بھی حصہ ہے اس گھر میں۔"

اعزر خان غصے سے کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"واہ لاڈلے واہ!"

ان کی دھاڑ پورے ہال میں گونجی۔

"اس کا باپ اپنا حصہ لے چکا ہے۔"

انہوں نے غصے سے میز پر ہاتھ مارا۔

"اپنی اولاد کو دے چکا ہے۔"

پھر حیام کی طرف نفرت بھری نظر ڈالتے ہوئے بولے۔

"اس نے کبھی اسے اولاد مانا ہی نہیں، تو پھر اس کا کون سا حصہ؟"

حیام کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، ماہیر کھڑا ہو گیا۔

"تو میرا حصہ کہاں ہے، بابا؟"

اس کی آواز میں خطرناک سکون تھا۔

اعزر خان چند لمحے خاموش رہے۔

"تمہارا حصہ؟"

وہ بولے۔

"یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔"

پھر انہوں نے نرم لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔

"بس ایما سے شادی کر لو۔"

انہوں نے ایما کی طرف اشارہ کیا۔

"چھوڑ دو اس لڑکی کو۔"

ماہیر کی آنکھوں میں غصہ چمکا۔

اس نے فوراً حیام کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں۔"

اس کی آواز پورے ہال میں گونجی۔

"...میں یہ دنیا چھوڑ دوں گا"

وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

"لیکن اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

حیام کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

شاہین خان طنزیہ ہنسی تھیں۔

انہوں نے حیام کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

"پوری اپنی ماں پر گئی ہے۔"

انہوں نے زہر بھرے لہجے میں کہا۔

"کلموہی جیسی خود، ویسی ہی بیٹی۔"

بس پھر حیام کا ضبط جواب دے گیا۔

وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"!آپ کو کوئی حق نہیں ہے"

اس کی آواز کانپ رہی تھی مگر لہجہ مضبوط تھا۔

"آپ میری ماں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکتیں۔"

پورا ہال ساکت ہو گیا۔

"!منہ توڑ کر رکھ دوں گی جس نے میری ماں کے بارے میں کچھ کہا"

شاہین خان حیرت اور غصے سے اسے دیکھنے لگیں۔

"!دیکھو"

انہوں نے اعزر خان کی طرف رخ کیا۔

"!دیکھو ماہیر، اس لڑکی کی زبان"

"!تو آپ نے مجبور کیا ہے"

ماہیر فوراً بولا۔

"مت بات کریں اس سے۔"

اس نے حیام کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

پھر سب کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ لوگ اسے بہو مانیں یا نہ مانیں..."

اس کی آواز میں اٹل یقین تھا۔

"لیکن یہ میری بیوی ہے۔"

اس نے حیام کی طرف دیکھا۔

"میری جان ہے۔"

حیام کے آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔

"اور رہے گی بھی یہی۔"

ماہیر کی نگاہیں اعزر خان پر جم گئیں۔

"اس بات پر ماہیر خان اپنا حق نہیں چھوڑے گا۔"

ہال میں خاموشی چھا گئی۔

پھر ماہیر نے گہرا سانس لیا۔

"میں چند دنوں کے لیے ایک کیس کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔"

اس کی آواز اب پہلے سے زیادہ خطرناک تھی۔

"...اور اگر میری غیر موجودگی میں"

اس نے سب کی طرف دیکھا۔

"...میری بیوی کے ساتھ ذرا سی بھی زیادتی ہوئی"

اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"تو قسم ہے، میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔"

ملازم سہمے ہوئے کھڑے تھے۔

کوئی سانس لینے کی ہمت بھی نہیں کر رہا تھا۔

ایک طرف ایما بیٹھی تھی۔

اس کی آنکھیں ماہیر پر جمی تھیں۔

وہ جس محبت اور دیوانگی سے ماہیر کو چاہتی تھی، آج اسی محبت نے اس کے دل کو راکھ بنا دیا تھا۔

ماہیر نے ایک لمحہ بھی مزید وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا۔

اس نے حیام کا ہاتھ تھاما۔

اور اسے اپنے ساتھ لے کر ہال سے باہر نکل گیا۔

پیچھے رہ جانے والے صرف ایک دوسرے کے چہرے دیکھ رہے تھے۔

اور خان حویلی کی دیواریں ایک اور طوفان کی گواہ بن چکی تھیں۔

منت کو ڈسچارج ہوئے ابھی چند ہی گھنٹے گزرے تھے، مگر باسل کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دنیا کی سب سے بڑی نعمت اسے واپس مل گئی ہو۔ پورے راستے وہ ایک لمحے کے لیے بھی منت سے بے فکر نہیں

ہوا تھا۔ کبھی اسکا دوپٹہ ٹھیک کرتا، کبھی پوچھتا سر میں درد تو نہیں، کبھی پانی دیتا اور کبھی صرف اسے دیکھ کر مسکرا دیتا۔

فلیٹ پہنچتے ہی اسنے منت کو آرام سے صوفے پر بٹھایا تھا۔

"منت چلو یہ جوس پیؤ۔"

اسنے گلاس اسکی طرف بڑھایا۔

پھر ساتھ ہی پلیٹ میں پڑے سیب کی طرف دیکھا۔

"اور ایپل کیوں نہیں کھایا میری جان؟"

منت نے بےبسی سے اسے دیکھا۔

"باسل پلیز۔۔۔ اب اور نہیں کھایا جا رہا۔"

اسنے سر پر بندھی پٹی کو ہلکا سا چھوا۔

باسل کے چہرے کی مسکراہٹ فوراً مدھم ہوئی۔

"کیا ہوا مائی ہارٹ بیٹ؟ طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

وہ فوراً اسکے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

منت نے ہلکا سا سر ہلایا۔

"ج۔۔۔جی ٹھیک ہوں۔"

مگر ساتھ ہی تھوڑا پیچھے سرک گئی۔

باسل نے فوراً اس حرکت کو محسوس کر لیا۔

"تو یہ فاصلہ کیوں قائم کر رہی ہو؟"

اسنے شرارتی انداز میں جھکتے ہوئے اپنی ناک اسکی ناک سے چھو دی۔

منت کا دل زور سے دھڑکا۔

"نہیں تو۔۔۔ بس گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔"

وہ نظریں چرا گئی۔

باسل نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا، پھر اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو۔"

"کہاں؟"

منت نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں تمہیں ٹیرس پر لے چلتا ہوں۔"

اسکی آنکھوں میں چمک آگئی۔

"تم ٹیرس دیکھو گی ناتو بولو گی کیا حیران کن جگہ ہے۔ حور کو بھی یہ جگہ بہت پسند تھی۔ اسے لگتا تھا یہاں سے پورا پرتگال نظر آتا ہے۔"

یہ کہہ کر اسنے منت کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔

"باسل!"

منت بے اختیار ہنس دی۔

"میں چل سکتی ہوں۔"

"لیکن میں اٹھا سکتا ہوں۔"

اسنے فوراً جواب دیا۔

منت نے ہونٹ بھینچ کر مسکراہٹ چھپائی۔

"اچھا تو دیکھتے ہیں باسل شاہ کی ٹیرس۔"

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے باسل بار بار اسکا چہرہ دیکھ رہا تھا جبکہ منت شہر کی روشنیوں کے خیال میں پہلے ہی پرجوش ہو چکی تھی۔

ٹیرس پر پہنچتے ہی ٹھنڈی ہوا نے انکا استقبال کیا۔

سامنے دور دور تک پھیلی روشنیاں کسی خواب جیسا منظر پیش کر رہی تھیں۔

بڑے بڑے گنبد، روشن مینار، سڑکوں پر دوڑتی گاڑیاں اور دور تک جگمگاتا شہر۔

منت چند لمحوں کے لیے واقعی خاموش رہ گئی۔

"واو۔۔۔"

اسکے لبوں سے بےاختیار نکلا۔

باسل مسکرایا۔

"کہا تھا نا؟"

منت نے سر ہلایا۔

مگر اسی لمحے اسکی نظر سامنے والی عمارت کی کھڑکی پر گئی۔

ایک لڑکی ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"!ہائے باسل میری جان"

منت فوراً چونکی۔

اسکی نظریں حیرت سے باسل پر جم گئیں۔

"ب۔۔۔باسل، وہ لڑکی آپ کو بلا رہی ہے۔"

باسل نے سامنے دیکھا اور ماتھا مسل لیا۔

"اوہ نو۔۔۔"

"کیا اوہ نو؟"

منت نے فوراً پوچھا۔

"وہ میما ہے۔"

"اور؟"

"اور کچھ نہیں۔"

باسل نے نظریں چرائیں۔

منت نے فوراً اسکا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"و۔۔وہ آپ کو جان کہہ رہی ہے۔"

اب باسل کو واقعی پسینہ آنے لگا تھا۔

سامنے کھڑی میما شارٹ ڈریس میں مسکرا رہی تھی۔

"باسل آئی ایم کمنگ!"

وہ چہک کر اندر چلی گئی۔

منت نے فوراً باسل کا گریبان پکڑ لیا۔

"ک۔۔۔کون ہے یہ؟"

باسل نے آسمان کی طرف دیکھا۔

"جان۔۔۔ میری جان کے ٹوٹے۔۔۔ ریلیٹوز ہیں۔"

"ریلیٹوز؟"

منت نے مشکوک انداز میں آنکھیں سکیڑیں۔

"لگ تو کچھ اور ہی رہا ہے۔"

"نہیں یار۔ خود ہی پیچھے پڑی ہوئی ہے۔"

باسل فوراً صفائیاں دینے لگا۔

"تم قسم لے لو، میں نے آج تک لفٹ نہیں کروائی۔"

"سچ؟"

"بالکل سچ۔"

"مجھے خود وہ اچھی نہیں لگتی۔"

باسل نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

مگر منت کا غصہ ابھی مکمل ختم نہیں ہوا تھا۔

"دیکھو اسنے کیسی ڈریسنگ کی ہے۔"

"تو؟"

"آپ تو فدا ہو گئے ہوں گے نا اس پر۔"

باسل نے فوراً اسے اپنی طرف کھینچا۔

"نہیں منت۔"

اسکی آواز غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھی۔

"میں تو بس اپنی بیگم پر فدا ہوں۔"

منت نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

باسل نے آنکھیں بند کر لیں۔

"یا اللہ۔۔۔"

منت نے فوراً خود کو الگ کرنے کی کوشش کی۔

"لگتا ہے وہ آگئی۔"

"مجھے اپنی بیوی کے ساتھ وقت گزارنا ہے بس۔"

باسل نے اسکے بال گردن سے ہٹاتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"لیکن میں چاہتی ہوں آپ اس لڑکی کو اندر لے کر آئیں۔"

منت نے جان بوجھ کر کہا۔

پھر وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

مگر اگلے ہی لمحے باسل بھی اسکے پیچھے تھا۔

"!منت دھیان سے یار"

دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی اسنے اسے پکڑ کر دیوار کے ساتھ روک لیا۔

"باسل۔۔۔"

"دروازہ کھولنے دو۔"

اسی لمحے باہر سے آواز آئی۔

"باسل جان !کیک لے کر آئی ہوں۔"

منت نے فوراً باسل کو دھکا دینا چاہا۔

"ک۔۔۔کھولتی ہوں۔"

مگر اسکے الفاظ مکمل بھی نہ ہو سکے۔منت ابھی اتنا ہی بولی تھی کہ باسل اسکے لبوں پر جھکتا لفظوں کو پی گیا تھا

منت کے ہاتھ اسکے کمر پر برس رہے تھے ۔۔ لیکن وہ آہستہ آہستہ اسکی سانسوں کو پی رہا تھا۔۔

دروازے پر دستک بند ہو چکی تھی۔منت کی سانسیں گہری ہو رہی تھی۔۔۔ لیکن باسل کی پوزیشن میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

باسل نے منت کے ہاتھوں کی مزاحمتی کم ہونے پر چھوڑا ۔۔۔تو وہ بے جان وجود کے ساتھ اسکے سینے میں چہرہ چھپائے سانس لینے لگی تھی۔۔۔باسل کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی

وہ اسکی پشت کو سہلا رہا تھا۔۔

منت نے غصے سے اسکے سینے پر مکے مارنے شروع کر دیے۔

باسل صرف ہنس رہا تھا۔

پھر اچانک منت نے جھک کر اسکے سینے پر زور سے دانت گاڑ دیے۔

"!آہاں"

باسل اچھل پڑا۔

"!جنگلی بلی"

مگر منت باز نہیں آئی۔

ایک اور بائٹ۔

پھر دوسری۔

باسل درد کا ڈرامہ کرتا رہا جبکہ آنکھوں میں واضح ہنسی تھی۔

"ہائے اللہ!"

"اففف!"

"منت رحم کرو!"

مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنی ضدی شہزادی کو دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

آخرکار منت کا غصہ کچھ کم ہوا تو باسل نے اسکے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"ختم ہو گیا؟"

منت نے ناک چڑھائی۔

"ابھی نہیں۔"

باسل ہنس پڑا۔

"تو پھر میں چائے بناتا ہوں، تم غصہ مکمل کر لو۔"

..اور منت چاہ کر بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

.....

پرتگال کی روشن سڑکوں پر گاڑی تیزی سے رواں تھی۔ رات کی ٹھنڈی ہوا شیشوں سے ٹکرا کر ایک خوشگوار احساس پیدا کر رہی تھی۔ روح مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جبکہ اس کے چہرے پر باسل اور منت سے ملنے کی خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

"میر ...آپ کو واقعی باسل کا ایڈریس یاد ہے؟"

اس نے اچانک اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میر نے مسکراتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈالی۔

"ہاں میری جان، میں اکثر آتا رہتا ہوں یہاں۔ کبھی میٹنگز کے لیے، کبھی اس نالائق دوست کا حال پوچھنے کے لیے۔"

روح ہنس دی۔

"اچھا جی، تو کافی گہری دوستی ہے۔"

"کافی نہیں، بہت گہری ہے۔"

میر نے شرارتی انداز میں کہا۔

پھر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

سچ تو یہ تھا کہ آج اس کی ساری توجہ سڑک پر نہیں بلکہ اپنے ساتھ بیٹھی روح پر تھی۔

...ہلکے رنگ کا لباس، کھلے بال اور چہرے پر معصوم سی خوشی

وہ آج اسے حد سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد گاڑی ایک خوبصورت فلیٹ کے سامنے آ کر رک گئی۔

"!افف !فائنلی پہنچ گئے"

روح خوشی سے تقریباً اچھلتے ہوئے باہر نکلی۔

میر بے اختیار مسکرا دیا۔

وہ گاڑی سے اتر کر اس کا بیگ اٹھانے لگا اور پھر دروازہ لاک کر کے اس کے ساتھ چل پڑا۔

دونوں خوبصورت لان کی راہداری سے ہوتے ہوئے عمارت کے اندر داخل ہوئے۔

مگر اندر داخل ہوتے ہی مکمل خاموشی نے ان کا استقبال کیا۔

نہ کسی کی آواز، نہ کوئی ہلچل۔

روح نے حیرت سے اردگرد دیکھا۔

"اُف! یہ کہاں گئے سب؟"

اس کا چہرہ اتر گیا۔

میر نے موبائل نکالتے ہوئے کہا۔

"یہیں ہوں گے۔ میں کال کرتا ہوں۔"

اس نے فوراً باسل کا نمبر ملایا۔

دوسری طرف چند رنگز کے بعد کال ریسیو ہوئی۔

"!ہیلو سالے صاحب"

میر کی آواز گونجی۔

"کدھر ہیں؟ ذرا نیچے آ کر اپنا چہرہ تو دکھائیں۔"

دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

"ک ...کیا مطلب؟"

باسل چونکا۔

"تم نیچے ہو؟"

"ہاں بھائی، دروازے کے اندر کھڑے ہیں۔"

یہ سنتے ہی باسل کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

وہ تیزی سے بستر سے اٹھا۔

اس کے ذہن میں فوراً منت کا خیال آیا۔

اگر میر کو اس کی سرجری کا پتا چل گیا تو؟

اس کی پریشانی الگ اور باسل کی خبر الگ لیتا۔

"...یا اللہ خیر"

وہ بڑبڑایا۔

بغیر جوتے پہنے ہی کمرے سے باہر نکل آیا۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ نیچے پہنچتا، روح تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر آ گئی تھی۔

جیسے ہی اس نے باسل کو دیکھا، فوراً اس کے قریب آئی۔

"!افف !میں نے تمہیں بہت مس کیا باسل"

وہ بے اختیار اس کے گلے لگ گئی۔

باسل کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ آ گئی۔

"میں نے بھی۔"

اس نے محبت سے اس کی پیشانی چومی۔

عین اسی لمحے پیچھے کھڑے میر شاہ نے دونوں کو گھورا۔

باسل نے فوراً کھانستے ہوئے فاصلہ بنایا۔

"نیچے چلتے ہیں۔"

اس نے جلدی سے کہا۔

"منت کہاں ہے؟"

روح نے فوراً سوال کیا۔

"وہ ...سو رہی ہے۔"

باسل نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"!اوکے"

روح فوراً بولی۔

"میں جگا دیتی ہوں۔ ہم روم میں ہی بیٹھیں گے۔"

باسل کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کو رک گئی۔

"...روح، سنو تو"

مگر وہ سننے والی کہاں تھی۔

وہ سیدھا کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

میر بھی باسل کے ساتھ چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

اب باسل صرف یہی سوچ رہا تھا کہ چند لمحوں بعد وہ کیا جواب دے گا۔

اسی دوران واش روم کا دروازہ کھلا۔

منت آہستہ آہستہ باہر نکلی۔

سرجری کے بعد ابھی تک اس کے قدموں میں کمزوری تھی۔

لیکن جیسے ہی اس نے باہر روح اور میر کی آوازیں سنیں، اس کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

"روح..."

اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

وہ تیزی سے باہر آنے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم لوگ...!"

مگر ابھی چند قدم ہی چلی تھی کہ کمزوری صاف ظاہر ہونے لگی۔

روح نے اسے دیکھتے ہی دوڑ کر گلے لگا لیا۔

"منت!"

اس کی خوشی دیدنی تھی۔

منت بھی مسکراتے ہوئے اسے گلے لگا چکی تھی۔

مگر اگلے ہی لمحے روح کی نظر اس کے سر پر بندھی پٹی پر پڑی۔

اس کا چہرہ یکدم زرد پڑ گیا۔

"ی ...یہ کیا ہوا ہے منت؟"

اس کی آواز کانپ گئی۔

منت ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

اسی وقت میر بھی آگے بڑھا۔

اس کی نظریں جیسے ہی پٹی پر پڑیں، اس کے چہرے کی ساری رنگت بدل گئی۔

"...گڑیا"

اس نے فوراً منت کے کندھے تھامے۔

"یہ سب کیا ہے؟"

منت نے نظریں جھکا لیں۔

میر کی آواز میں اب واضح گھبراہٹ تھی۔

"کیا ہوا ہے میری جان؟"

وہ اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولا۔

منت کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

وہ جانتی تھی کہ اب یہ بات چھپنے والی نہیں۔

اس نے آہستہ سے باسل کی طرف دیکھا۔

باسل خاموش کھڑا تھا۔

پھر منت نے دھیرے سے کہا۔

"ک...کچھ نہیں بھائی"

"!منت"

میر کی آواز سخت ہوئی۔

"مجھے دیکھو۔"

منت نے نظریں اٹھائیں۔

میر کی آنکھوں میں واضح پریشانی تھی۔

"سچ بتاؤ، کیا ہوا ہے؟"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

کمرے میں موجود خاموشی اچانک ٹوٹ گئی تھی۔

"!تم نے کیا کیا ہے میری بہن کے ساتھ؟"

میر شاہ نے غصے سے باسل کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں واضح خوف اور بے چینی تھی۔

"...کچھ نہیں یار"

باسل نے مشکل سے کہا۔

"بس ... چھوٹا سا مسئلہ ہو گیا تھا۔"

اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔

"چھوٹا مسئلہ؟"

میر کی آواز بلند ہوئی۔

کتنی مشکل سے بول رہی ہے وہ، سر پر اتنی بڑی پٹی بندھی ہوئی ہے اور تم"

"اسے چھوٹا مسئلہ کہہ رہے ہو؟

اس کی گرفت مزید سخت ہو گئی تھی۔

"...میر، آرام سے"

روح نے دھیرے سے کہا۔

"شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہو۔"

"اگر ایکسیڈنٹ ہوتا تو دونوں کو چوٹیں آتیں۔"

میر نے غصے سے باسل کو دیکھا۔

"یہ تو ہٹا کٹا میرے سامنے کھڑا ہے۔"

اس کی نظریں باسل کے وجود پر دوڑ گئی تھیں۔

"ب...بھائی پلیز..."

منت نے کمزور آواز میں کہا۔

"وہ..."

"منت، تم روح کے ساتھ بیٹھو۔"

باسل نے آہستہ سے کہا۔

"میں میر کے ساتھ باہر ہو کر آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے میر کو اشارہ کیا۔

میر نے ایک آخری نظر منت پر ڈالی اور پھر باسل کے ساتھ باہر نکل گیا۔

پیچھے روح منت کا ہاتھ تھامے بیٹھی رہی۔

وہ ماحول ہلکا کرنے کے لیے اپنی پرانی شرارتوں اور کہانیوں کا ذکر کرنے لگی، مگر اس کی نظریں بار بار منت کی پٹی پر جا کر رک جاتی تھیں۔

دوسری طرف بالکونی میں آتے ہی میر نے خود کو مزید روکنا مناسب نہ سمجھا۔

"اب چپ کیوں بیٹھا ہے؟"

وہ غصے سے بولا۔

"بتا، کیا کیا ہے تم نے میری بہن کے ساتھ؟"

مگر باسل خاموش کھڑا رہا۔

اس کی آنکھوں میں نمی صاف نظر آ رہی تھی۔

میر پہلی بار اسے اس حالت میں دیکھ رہا تھا۔

چند لمحوں بعد باسل نے بمشکل لب کھولے۔

"وہ... و..."

اس کی آواز بھرا گئی۔

"اسے برین ہیمرتج تھا، میر۔"

میر جیسے ساکت رہ گیا۔

"ک ...کیا؟"

اس کے لبوں سے بےاختیار نکلا۔

"برین ہیمرتج؟"

اسے لگا شاید اس نے غلط سنا ہے۔

"اچانک کیسے، باسل؟"

اس کی آواز کانپ گئی۔

"مجھے پوری بات بتا۔ میری جان نکل رہی ہے۔"

باسل نے گہری سانس لی۔

"منت نے ہم سب سے چھپایا تھا۔"

وہ دھیرے سے بولا۔

"کافی عرصے سے مسئلہ تھا، لیکن اس نے کسی کو نہیں بتایا۔"

میر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اسے پتا تھا؟"

"ہاں۔"

باسل نے سر جھکا لیا۔

"اسی لیے میں اسے یہاں لے آیا تھا...تاکہ بہترین سہولیات میں اس کا علاج ہو سکے۔"

چند لمحوں تک صرف خاموشی رہی۔

پھر باسل نے آہستہ سے کہا۔

"سرجری ہو چکی ہے۔"

"ا ...اب ٹھیک ہے نا؟"

میر کی آواز پہلے جیسی مضبوط نہیں رہی تھی۔

اس میں صرف خوف تھا۔

"اب ٹھیک ہے۔"

باسل نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اللہ کا شکر ہے، اب خطرہ ٹل گیا ہے۔"

مگر میر نے اپنا ہاتھ آہستہ سے واپس کھینچ لیا۔

اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔

"...اتنی بڑی بات ہو گئی"

وہ بمشکل بولا۔

"اور تم دونوں نے بتایا تک نہیں۔"

اس نے نظریں جھکا لیں۔

"کم از کم مجھے تو یقین میں لیتے۔"

اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"اگر کچھ اوپر نیچے ہو جاتا، باسل ...پھر؟"

وہ جملہ مکمل نہ کر سکا۔

آنکھوں میں جمع نمی آخر بہہ نکلی تھی۔

"...کتنا کچھ سہا ہو گا میری بہن نے"

اس نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

باسل بھی اب مزید خود کو سنبھال نہیں پایا۔

وہ فوراً اٹھا اور میر کے گلے لگ گیا۔

"ب ...بہت مشکل تھا وہ وقت، میر"

اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"لیکن وہ مجھے بہت دعاؤں کے بعد واپس ملی ہے۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"ایک وقت آیا تھا جب مجھے لگا ...میں اسے کھو چکا ہوں۔"

وہ اب باقاعدہ رو رہا تھا۔

"میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار خود کو اتنا بے بس محسوس کیا تھا۔"

میر کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

اس نے مضبوطی سے باسل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کچھ نہیں ہوگا اسے۔"

اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"میری بہن بہت مضبوط ہے۔"

باسل نے سر ہلا دیا۔

چند لمحوں بعد دونوں نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

فضا میں موجود بوجھ کچھ ہلکا ہو چکا تھا۔

وہ دونوں واپس کمرے کی طرف بڑھے۔

اندر آتے ہی روح خاموش ہو گئی۔

منت نے فوراً دونوں کے چہرے دیکھے۔

وہ سمجھ گئی تھی کہ سچ سامنے آ چکا ہے۔

میر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔

پھر اس کے برابر بیٹھ گیا۔

کچھ لمحے وہ صرف اسے دیکھتا رہا۔

...اس کی کمزور رنگت، سر پر بندھی پٹی اور آنکھوں میں چھپی تھکن

یہ سب دیکھ کر اس کے دل میں عجیب سا درد اٹھا۔

اس نے آگے بڑھ کر منت کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"...پاگل لڑکی"

اس کی آواز میں بے حد اپنائیت تھی۔

"اتنا بڑا درد اکیلے برداشت کرتی رہی؟"

منت کی آنکھیں بھر آئیں۔

اور اگلے ہی لمحے اس نے جھک کر اپنا سر میر کے کندھے پر رکھ دیا۔

......

کمرے میں ہلکی سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ الماری کا ایک پٹ کھلا تھا اور بیڈ پر ماہیر کے کپڑے، فائلیں اور ضروری سامان رکھا ہوا تھا۔ ماہیر پوری توجہ سے اپنا بیگ پیک کر رہا تھا جبکہ حیام خاموشی سے بیڈ کے کنارے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کے دل میں ایک عجیب سی اداسی اترتی جا رہی تھی۔

شادی کے بعد شاید یہ پہلا موقع تھا جب ماہیر اسے چھوڑ کر اتنے دنوں کے لیے جا رہا تھا۔

ان چند مہینوں میں وہ دونوں ایک دوسرے کی عادت بن چکے تھے۔

...ماہیر کی آواز، اس کی ڈانٹ، اس کی فکر، اس کی موجودگی

ہر چیز حیام کی روزمرہ زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔

اسی لیے آج اس کا دل نہ چاہتے ہوئے بھی اداس ہو رہا تھا۔

"ا ...آپ مجھے مس کریں گے؟"

اس نے آخرکار خاموشی توڑ دی۔

ماہیر نے کپڑے فولڈ کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اوہ پگلی!"

وہ بولا۔

"میں کیوں مس کرنے لگا؟"

حیام نے فوراً نظریں اٹھائیں۔

"کیونکہ..."

"میں تو شکر کروں گا۔"

ماہیر نے شرارتی انداز میں بات کاٹی۔

"آخر کچھ دن تمہاری پٹڑ پٹڑ نہیں سننی پڑے گی۔"

وہ ہنس دیا۔

حیام کا چہرہ فوراً اتر گیا۔

"سچ بول رہے ہیں؟"

وہ آہستہ سے بولی۔

اب وہ اٹھ کر اس کے قریب آ چکی تھی۔

"ہاں نا، اور کیا؟"

ماہیر نے بیگ بند کرتے ہوئے کہا۔

"سکون ہی سکون ہو گا۔"

حیام چند لمحے خاموش رہی۔

پھر اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

"...قدر ہی نہیں ہے آپ کو میری"

اس کی آواز بھرا گئی۔

"بلکہ کسی کو بھی نہیں تھی۔"

ماہیر کی مسکراہٹ فوراً غائب ہوئی۔

"حیام..."

مگر وہ رکی نہیں۔

"ساری زندگی میرے باپ کو میری ماں کی قدر نہیں ہوئی۔"

اس نے نم آنکھوں سے کہا۔

"...پھر ماں چھوڑ کر چلی گئی"

اس کی آواز لرزنے لگی۔

"...اور اب آپ بھی جا رہے ہیں"

ماہیر اب مکمل سنجیدہ ہو چکا تھا۔

"...اس سے اچھا تو میں ہی مر جاؤں"

یہ جملہ اس کے لبوں سے نکلا ہی تھا کہ اگلے لمحے ماہیر نے اس کا بازو پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔

"کیا بولا تم نے؟"

اس کی آواز غیر معمولی حد تک سخت تھی۔

حیام چونک گئی۔

"دوبارہ کہنا۔"

اس نے مزید قریب کرتے ہوئے کہا۔

"م...مر جاؤں"

حیام نے دھیرے سے دہرایا۔

ماہیر کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے عجیب سا درد ابھرا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام لیا۔

"سن لو۔"

اس کی آواز مضبوط تھی۔

"اگر اپنی جان دے کر بھی تمہاری جان واپس لانی پڑی تو میں لے آؤں گا۔"

حیام کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"اور اگر کسی کی جان لینی پڑی تو اس بارے میں بھی نہیں سوچوں گا۔"

ماہیر نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"اس لیے آئندہ ایسی بات زبان پر بھی مت لانا۔"

اگلے ہی لمحے اس نے حیام کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

حیام کی ہچکیاں بلند ہو گئیں۔

وہ پہلی بار خود آگے بڑھ کر ماہیر سے لپٹی تھی۔

جیسے اسے چھوڑنے کا خیال بھی اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو۔

ماہیر نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"کیا ہوا ہے میری جان؟"

اس نے نرمی سے پوچھا۔

مگر حیام نے جواب دینے کے بجائے اپنا چہرہ مزید اس کے سینے میں چھپا لیا۔

اس کے آنسو ماہیر کی شرٹ بھگو رہے تھے۔

ماہیر نے آہستہ سے اس کا چہرہ اوپر اٹھانے کی کوشش کی۔

لیکن وہ دوبارہ اس کے سینے میں منہ چھپا گئی۔

"آپ کے بغیر کیسے رہوں گی میں؟"

آخرکار وہ مشکل سے بول پائی۔

"...ماہیر"

اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

ماہیر کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"اووو..."

اس نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ماں صدقے میری جان ہر وقت رونے کو تیار رہتی ہے۔"

حیام نے فوراً اس کے سینے پر ہلکا سا مکا مارا۔

جس پر وہ ہنس پڑا۔

"بس کچھ دن لگیں گے۔"

اس نے نرمی سے کہا۔

"ایک ضروری کام ہے، ختم ہوتے ہی واپس آ جاؤں گا۔"

"و ...ویسے آپ جا کہاں رہے ہیں؟"

حیام نے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"ترکی۔"

ماہیر نے اس کے بال سہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ترکی؟"

اگلے ہی لمحے حیام کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اووووو واووو!"

وہ تقریباً اچھل پڑی۔

"مجھے بھی جانا ہے!"

ماہیر نے ماتھا پکڑ لیا۔

"حیام..."

"پلیززز!"

وہ فوراً بولی۔

"مجھے استنبول جانا ہے۔"

"پلیز پلیز پلیز۔"

ابھی چند لمحے پہلے رونے والی لڑکی یکدم خوش ہو چکی تھی۔

ماہیر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم واقعی عجیب ہو۔"

وہ ہنس پڑا۔

"ابھی رو رہی تھیں، اب استنبول پہنچ گئی ہو۔"

حیام نے زبان نکال دی۔

"تو لے جائیں نا۔"

"اچھا۔"

ماہیر نے اس کی ناک دبائی۔

"اگلی بار لے جاؤں گا۔"

"پکا؟"

"پکا۔"

"پرومس؟"

"پرومس۔"

حیام کے چہرے پر فوراً مسکراہٹ آ گئی۔

ماہیر نے اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔

"اب میری باتیں دھیان سے سنو۔"

وہ سنجیدگی سے بولا۔

حیام نے فوراً گردن ہلا دی۔

"مجھے یاد ہے سب۔"

"اچھا؟"

"جی۔"

"پھر بھی سن لو۔"

ماہیر نے اس کی پیشانی پر انگلی ٹکائی۔

"یونیورسٹی روز جانا۔"

"جی۔"

"وہاں الٹی سیدھی حرکتیں نہیں کرنا۔"

"جی۔"

"اگر کوئی کچھ کہے تو فوراً مجھے بتانا۔"

"جی۔"

"گارڈز تمہاری نگرانی کریں گے۔"

"جی۔"

"اپنا خیال رکھنا۔"

"جی۔"

"الٹا سیدھا کچھ نہیں کھانا۔"

"جی۔"

"اور..."

ماہیر رکا۔

حیام نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"مجھے یاد کرتی رہنا۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

حیام کے گال سرخ ہو گئے۔

ماہیر جھکا اور محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ رکھا۔

"بہت زیادہ۔"

اس نے سرگوشی کی۔

حیام کے لبوں پر نمی بھری مسکراہٹ آ گئی۔

اور اس لمحے وہ صرف یہی چاہتی تھی کہ وقت تھم جائے اور ماہیر کہیں نہ جائے۔

......

بالکونی میں رات کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

دور شہر کی روشنیاں ستاروں کی طرح جگمگا رہی تھیں جبکہ روح خاموشی سے کرسی پر بیٹھی اپنے بچپن کا البم دیکھ رہی تھی۔

اس کی انگلیاں ایک ایک تصویر پر رکتی جا رہی تھیں۔

کبھی مسکراہٹ آتی تو کبھی آنکھیں نم ہو جاتیں۔

"کیا ہوا ہے میرے بچے کو؟"

میر نے پیچھے سے آتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"اتنی اداس کیوں ہو؟"

روح نے آہستہ سے البم بند کیا۔

"بابا کی یاد آ رہی ہے۔"

اس کی آواز میں نمی تھی۔

"میر ...اس گھر میں نا بہت یادیں ہیں میری۔"

اس نے سامنے پھیلے آسمان کو دیکھا۔

"...میرا پورا بچپن"

یہ کہتے ہوئے اس نے البم ایک طرف رکھ دیا۔

میر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

پھر اس کے قریب آ کر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"آؤ میرا بچہ۔"

اس نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"دیکھو، تم کتنی خوش قسمت ہو۔"

روح نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اللہ نے تم سے ایک انسان لیا، لیکن بدلے میں کتنے رشتے عطا کر دیے۔"

میر دھیرے سے بولا۔

"بابا کی محبت، پھر مرزا انکل کا سہارا، پھر باسل، منت، حیام ...اور پھر میں۔"

روح کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ہاں جی، یہ تو ہے۔"

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"جتنا اللہ کا شکر ادا کروں کم ہے۔"

میر نے اس کے ماتھے کو چھوا۔

اور جتنا میں اللہ کا شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے میری روح مجھے دے دی۔"

روح نے فوراً شرماتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

"آپ نا..."

وہ آہستہ سے بولی۔

"بہت باتیں بناتے ہیں۔"

"سچ بولتا ہوں۔"

میر نے سنجیدگی سے کہا۔

"...تمہارے آنے سے پہلے میری زندگی میں سب کچھ تھا"

وہ چند لمحے رکا۔

"لیکن سکون نہیں تھا۔"

روح کی نظریں بےاختیار اس کے چہرے پر جم گئیں۔

میر مسکرا رہا تھا۔

وہی نرم سی مسکراہٹ جو صرف روح کے لیے مخصوص تھی۔

"اور اب؟"

روح نے دھیرے سے پوچھا۔

"اب؟"

میر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"اب گھر واپس آنے کی جلدی ہوتی ہے۔"

روح کے گال ہلکے سے سرخ ہو گئے۔

"کیونکہ میری روح میرا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔"

روح ہنس دی۔

"آپ واقعی بہت فلمی ہیں۔"

"اور تم واقعی بہت خوبصورت ہو۔"

میر نے فوراً جواب دیا۔

روح نے شرما کر اس کے بازو پر ہلکا سا مکا مارا۔

میر ہنس پڑا۔

اگلے ہی لمحے اس نے روح کا ہاتھ پکڑا اور اسے کرسی سے اٹھا لیا۔

"چلیں۔"

"کہاں؟"

روح نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈانس۔"

"کیا؟"

روح کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"میر، یہاں؟"

"ہاں، یہاں۔"

میر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میوزک نہیں ہے۔"

"ضرورت نہیں۔"

اس نے آہستہ سے روح کی کمر کے گرد بازو رکھا۔

"تمہاری دھڑکن کافی ہے۔"

روح کی ہنسی نکل گئی۔

اگلے چند لمحوں میں وہ دونوں بالکونی میں آہستہ آہستہ قدموں کے ساتھ چلنے لگے۔

ہوا ان کے گرد رقص کر رہی تھی۔

شہر کی روشنیاں گواہ تھیں۔

اور روح نے پہلی بار محسوس کیا کہ اداسی واقعی باٹنے سے کم ہو جاتی ہے۔

کیونکہ اس کے پاس اب صرف یادیں نہیں تھیں...

❤️ اس کے پاس میر شاہ بھی تھا۔

ماہیر خان کو گئے ابھی صرف ایک دن ہوا تھا، لیکن حیام کو یوں لگ رہا تھا جیسے پورا زمانہ گزر گیا ہو۔

صبح وہ بے دلی سے بستر سے اٹھی تھی۔

کمرے میں پھیلی خاموشی اسے مزید اداس کر رہی تھی۔

ہر طرف ماہیر کی موجودگی کے نشان تھے، مگر وہ خود موجود نہیں تھا۔

اس نے گہرا سانس لیا، خود کو سنبھالا اور تیار ہو کر نیچے ناشتے کے لیے آ گئی۔

ڈائننگ ہال میں شاہین بیگم، ایما اور اعزر خان پہلے سے موجود تھے۔

حیام خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھی اور پلیٹ میں ناشتہ ڈالنے لگی۔

"اے لڑکی!"

شاہین بیگم کی آواز گونجی۔

"میرے لیے چائے لے کر آ۔"

حیام نے ایک لمحے کے لیے سر اٹھایا، پھر دوبارہ اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔

شاہین بیگم کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

"سنائی نہیں دیتا تمہیں؟"

پھر بھی حیام خاموشی سے ناشتہ کرتی رہی۔

ایما نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کرسی پیچھے کی۔

"تمہیں سمجھ نہیں آ رہی خالہ کیا کہہ رہی ہیں؟"

وہ غصے سے آگے بڑھی اور حیام کے بالوں کو پکڑ لیا۔

لیکن اگلے ہی لمحے کچھ ایسا ہوا جس کی کسی نے توقع نہیں کی تھی۔

حیام نے بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ بڑھایا اور سامنے رکھی کریم والی پیسٹری سیدھی ایما کے منہ پر دے ماری۔

"آآآہ!"

ایما چیخ اٹھی۔

کریم اس کے چہرے اور کپڑوں پر پھیل گئی تھی۔

حیام نے زور سے اپنا بازو چھڑوایا اور اسے پیچھے دھکا دیا۔

"!ہاتھ مت لگانا مجھے"

وہ پہلی بار پوری آواز میں بولی تھی۔

اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"!نوکر نہیں ہوں کسی کی"

وہ کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

"!مالکن ہوں اس حویلی کی"

ہال میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

"کون سی مالکن؟"

شاہین بیگم چلائیں۔

حیام نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"وہی مالکن جس کا شوہر اس حویلی کا وارث ہے۔"

پھر اس نے ایما کی طرف انگلی اٹھائی۔

"اور تم!"

اس کی آواز مزید بلند ہو گئی۔

"آئندہ میرے بالوں کو ہاتھ لگانے کی کوشش بھی مت کرنا۔"

اس نے اپنے بال پیچھے کیے۔

"یہ بال میرے شوہر کو بہت پسند ہیں۔"

"اس لیے آج کے بعد مجھ سے دس فٹ دور رہنا۔"

اسی لمحے دروازہ کھلا اور کارل تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"میم!"

اس نے فوراً پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

حیام نے کمر پر ہاتھ رکھا اور کارل کے ہولسٹر میں موجود پستول کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔"

پھر سنجیدگی سے بولی۔

"لیکن اگر میں کہوں تو گولی مار دو گے ان سب کو؟"

کارل کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے کو منجمد ہو گئے۔

شاہین اور ایما کے چہرے فق پڑ گئے۔

"میم..."

کارل نے کھانستے ہوئے کہا۔

"ماہیر سر کی اجازت ضروری ہے۔"

"وہ میں دیکھ لوں گی۔"

حیام نے بازو باندھ لیے۔

"تم بس تیار رہنا۔"

کارل نے بمشکل ہنسی روکی۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ میم آج موڈ میں ہیں۔

"جی میم۔"

اس نے سنجیدہ بن کر سر ہلایا۔

"لیکن یاد رکھیں، جب تک ماہیر سر کا حکم نہ ہو، کوئی گولی نہیں چلے گی۔"

حیام نے افسوس سے سر ہلایا۔

"کتنے فضول رولز بنائے ہیں اس آدمی نے۔"

کارل نے فوراً نظریں جھکا لیں تاکہ ہنسی نہ نکل جائے۔

دوسری طرف شاہین اور ایما واقعی خوفزدہ ہو چکی تھیں۔

کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ماہیر کے لوگ پاگلوں کی حد تک وفادار تھے۔

اور اگر ماہیر کو کچھ معلوم ہو گیا تو مسئلہ بن سکتا تھا۔

"دور رہیں میم سے۔"

کارل نے اب سنجیدگی سے دونوں کو دیکھا۔

"ورنہ پھر مجھے واقعی کچھ کرنا پڑ جائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ حیام کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

جیسے کوئی باڈی گارڈ اپنے وی آئی پی کی حفاظت کر رہا ہو۔

حیام فاتحانہ انداز میں مسکرائی اور دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

جبکہ ایما غصے سے کانپ رہی تھی۔

ناشتہ ختم ہونے کے بعد اعزز خان نے بے دلی سے ٹرے ایک طرف کی۔

پھر شاہین بیگم کی طرف دیکھا۔

"دیکھ لیا؟"

ان کی آواز میں طنز تھا۔

"ایک چھٹانک بھر کی لڑکی نہیں سنبھالی جا رہی تم سے۔"

شاہین بیگم کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

"ابھی کھیل ختم نہیں ہوا۔"

انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔

"بہت جلد اس لڑکی کو اس کی اوقات یاد دلاؤں گی۔"

اعزر خان خاموش رہے۔

لیکن ایما کی آنکھوں میں خطرناک چمک ابھر آئی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی حیام نے بے دلی سے اپنا موبائل اٹھایا تھا۔ ابھی وہ بیڈ پر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ اسکرین پر جگمگاتا نام دیکھ کر اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"...چنگیز خان کالنگ"

اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"جی جناب، بہت خوش ہوں گے آپ بیگم سے دور رہ کر۔"

حیام نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی۔

پھر ماہیر کی دھیمی مگر گہری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"نا جانم۔۔۔"

وہ آہستہ سے بولا۔

"یہ تو سزا ہے میرے لیے۔"

حیام کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"اچھا جی؟"

"ہمم۔"

ماہیر نے کرسی پر سر ٹکایا۔

"دل کر رہا ہے ابھی اسی وقت واپس آ جاؤں۔"

پھر ہلکا سا ہنسا۔

"باہوں میں لے کر سکون کی نیند سو جاؤں۔"

اس نے آنکھیں موند لیں۔

"قسم سے پوری رات نہیں سو سکا۔"

"افف..."

حیام نے آنکھیں گھمائیں۔

"ڈائیلاگ بازی کروا لوں نواب سے جتنی مرضی۔"

"یار قسم سے مس کر رہا ہوں۔"

اس بار ماہیر کی آواز سنجیدہ تھی۔

"بہت زیادہ۔"

حیام چند لمحے خاموش رہی۔

اسے اچانک وہ خالی کمرہ یاد آیا جس میں آج پہلی بار اسے تنہائی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ بتائیں، کام کیسا چل رہا ہے؟"

"کام تو چل رہا ہے۔"

ماہیر نے جواب دیا۔

"لیکن دماغ کا آدھا حصہ تمہارے پاس چھوڑ آیا ہوں۔"

حیام ہنس دی۔

"اچھا چھوڑیں یہ سب۔"

"تم بتاؤ، طبیعت کیسی ہے؟"

ماہیر نے فوراً پوچھا۔

حیام نے تکیے سے ٹیک لگائی۔

"جی ٹھیک ہے۔"

پھر ہونٹ سکیڑتے ہوئے بولی۔

"بس ہلکے ہلکے سے چکر آ رہے ہیں۔"

"اور دل بھی خراب ہو رہا ہے۔"

ماہیر نے فوراً بھنویں سکیڑ لیں۔

"حیام..."

"جی؟"

"میڈم بہانے نہ کریں۔"

وہ سیدھا بولا۔

"بالکل بھی نہ کریں۔"

"!میں بہانے نہیں کر رہی"

حیام فوراً بولی۔

"واقعی طبیعت خراب ہے۔"

"ہمم۔"

ماہیر نے جان بوجھ کر مشکوک انداز اپنایا۔

"یونیورسٹی جانے کا دل نہیں کر رہا نا؟"

"نہیں!"

"تو پھر یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

اس نے فیصلہ سنایا۔

"کارل چھوڑ آئے گا۔"

حیام کا منہ کھل گیا۔

"!حد ہے"

وہ غصے سے بولی۔

"آپ کو بھی لگتا ہے میں بہانے کر رہی ہوں؟"

"بالکل لگتا ہے۔"

ماہیر نے بے شرمی سے جواب دیا۔

"اور کیا۔"

حیام نے غصے میں کال کاٹنے کے لیے موبائل مضبوطی سے پکڑا۔

"اچھا؟"

"جی ہاں۔"

"بہت برے ہیں آپ۔"

"پتا ہے۔"

"بے حد برے۔"

"یہ بھی پتا ہے۔"

حیام نے ناک چڑھائی۔

"میں بات نہیں کر رہی آپ سے۔"

ماہیر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بس میری جان۔۔۔"

اس کی آواز نرم ہو گئی۔

"صرف دو دن اور۔"

حیام خاموش ہو گئی۔

"ادھر رائف کا معاملہ صاف ہو جائے۔"

ماہیر نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور ادھر میں اپنی جان کے پاس۔"

حیام کے دل میں عجیب سی نرمی اتر گئی۔

"جلدی آئیں۔"

وہ دھیرے سے بولی۔

"بہت جلد۔"

ماہیر نے مسکراتے ہوئے موبائل اپنے لبوں سے لگا لیا۔

"اور تب تک اپنا خیال رکھنا۔"

"جی۔"

"...اور ہاں"

"کیا؟"

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔
اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔
تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔
آپ کے تعاون کا شکریہ۔

"مس مجھے بھی کرنا۔"

حیام کے گال سرخ ہو گئے۔

"!اللہ حافظ"

وہ جلدی سے بولی اور کال کاٹ دی۔

ادھر ماہیر کی ہنسی کمرے میں گونج اٹھی تھی جبکہ ادھر حیام موبائل کو سینے سے لگا کر مسکراتی بیڈ پر گر گئی تھی۔۔۔

ترکی کی ٹھنڈی شام تھی۔ شہر کی روشنیاں دور تک پھیلی ہوئی تھیں، مگر ایک پرانی صنعتی عمارت کے اندر ماحول بالکل مختلف تھا—خاموش، بھاری اور خطرناک۔

ماہیر خان اندر داخل ہوا تو اس کے ساتھ اس کے چند خفیہ بندے تھے۔ ہر کسی کے چہرے پر سنجیدگی تھی، مگر ماہیر کے قدموں میں ایک عجیب سا اعتماد تھا، جیسے اسے پہلے سے معلوم ہو کہ کھیل کا انجام کیا ہوگا۔

اس نے آہستہ سے کوٹ کے بٹن بند کیے اور سامنے کھڑے آدمی کی طرف دیکھا۔

"بتاؤ ...وہ کہاں ہے؟"

اس کی آواز میں نرمی نہیں تھی، نہ ہی چیخ—بس ایک ایسا یقین تھا جو سامنے والے کو اندر سے ہلا دے۔

ایک بندے نے جھجکتے ہوئے نقشہ آگے کیا۔

"سر... ہمیں آخری لوکیشن یہ ملی تھی۔ وہ اس پرانی فیکٹری کے نیچے چھپے حصے میں ہے۔ لیکن وہاں بہت سخت سیکیورٹی ہے۔"

ماہیر نے نقشہ دیکھا بھی نہیں، صرف ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔

"سخت سیکیورٹی؟"

اس نے سر ہلایا۔

"جتنا زیادہ بندوبست ہوگا ...اتنا ہی آسان ہوگا ختم کرنا۔"

اس کے الفاظ سن کر کمرے میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

وہ آگے بڑھا اور ایک دیوار کے قریب لگا لوہے کا دروازہ دیکھنے لگا، جیسے اس کی نظر اسے پار دیکھ رہی ہو۔

"مجھے وہ دروازہ چاہیے··· جہاں وہ چھپ کر بیٹھا ہے۔"

اس نے دھیمی مگر سخت آواز میں کہا۔

پیچھے کھڑے ایک آدمی نے فوراً جواب دیا۔

"سر، وہ نیچے لیول پر ہے...دو داخلی راستے ہیں، ایک مین اور ایک سائیڈ سے خفیہ راستہ۔"

ماہیر نے آہستہ سے سر ہلایا۔

"مین سے نہیں جائیں گے۔"

اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"ہم اندر سے جائیں گے...تاکہ اسے احساس بھی نہ ہو کہ اس کے سانس لینے کے دن ختم ہو چکے ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں سردی بڑھ گئی۔

"رائف سکندر اب بچ نہیں سکتا۔"

پھر اس نے اپنے بندوں کی طرف دیکھا۔

"کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ وہ میرا ہے۔"

ایک لمحہ توقف کے بعد وہ آہستہ سے مسکرایا، مگر یہ مسکراہٹ خوشی کی نہیں تھی—یہ فیصلہ کن خاموشی تھی۔

"آج اس کی کہانی یہیں ختم ہو گی۔"

۔۔رات کافی گزر چکی تھی۔ کمرہ ہلکی مدھم روشنی میں ڈوبا ہوا تھا اور باہر کی خاموشی اندر تک اتر رہی تھی۔ حیام بستر پر لیٹنے لگی مگر دل جیسے بھاری ہو گیا تھا۔ جسم تھکا ہوا تھا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اس نے ایک بار موبائل کی سکرین دیکھی، پھر خاموشی سے اسے سائیڈ پر رکھ دیا۔

"افف ...چنگیز خان ...اپنی عادت ڈال کر خود چلے گئے ہو"

اس کے لبوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ آئی مگر فوراً ہی وہ خاموش ہو گئی۔ وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ اداسی کیوں ہے، بس دل بوجھل سا تھا۔

وہ آہستہ سے لیٹی ہی تھی کہ اچانک اس کے پیٹ میں ہلکا سا درد اٹھا۔ پہلے تو اس نے نظر انداز کیا مگر اگلے ہی لمحے دل متلانے لگا۔

"افف ...یہ کیا ہے..."

وہ فوراً اٹھ کر واشروم کی طرف بھاگی۔ دروازہ بند کر کے واش بیسن کے سامنے جھک گئی۔ چہرہ پہلے ہی کمزور لگ رہا تھا، اب مزید سرخی اور تھکن نے اسے اور بھی بکھیر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لڑکھڑاتے قدموں سے واپس بیڈ پر آئی اور بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو رگڑا۔

"افف ...یہ کیا ہو رہا ہے مجھے..."

دل میں ہلکی سی گھبراہٹ بھی تھی مگر وہ خود کو سمجھا رہی تھی کہ شاید تھکن ہے یا کچھ ہلکا سا مسئلہ۔

اچانک موبائل کی اسکرین روشن ہوئی۔

"...چنگیز خان کالنگ"

اس نے ایک لمبا سانس لیا، سر کو ہلکا سا تھاما اور خود سے بڑبڑائی۔

"...اس عدالت میں اب کوئی وضاحتیں نہیں چلیں گی"

پھر اس نے خود کو سنبھالا، بال ٹھیک کیے، چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجائی اور ویڈیو کال اٹھا لی۔

"...افف میری محبت خاناں ...میرا انار دانا"

دوسری طرف ماہیر کی آواز آتے ہی اس نے خود کو مکمل نارمل دکھانے کی کوشش کی، مگر اس کے چہرے کی کمزوری چھپ نہیں سکی۔

ماہیر نے فوراً اس کا چہرہ دیکھا۔

"تمہارا چہرہ اتنا سرخ کیوں ہو رہا ہے؟ کیا ہوا ہے میری جان؟"

حیام نے فوراً سر ہلایا، مسکرانے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں ہوا ماہیر... میں ٹھیک ہوں۔"

ماہیر کی آواز سخت ہو گئی۔

"سچ بتاؤ ...کسی نے کچھ کہا ہے؟ یا کچھ ہوا ہے؟"

حیام نے بات کاٹنے کی کوشش کی۔

"...کچھ بھی نہیں··· واقعی ٹھیک ہوں"

لیکن اس سے پہلے کہ وہ مکمل بات کر پاتی، اچانک اسے دوبارہ متلی محسوس ہوئی۔ وہ فوراً موبائل بیڈ پر پھینک کر واشروم کی طرف بھاگی، دروازہ بند ہو گیا۔

اس طرف اسکرین پر ماہیر کا چہرہ بدل گیا—پریشانی، سختی اور بے چینی ایک ساتھ ابھر آئی۔..

....

ماہیر نے ویڈیو کال فوراً کاٹ دی اور دوبارہ ملا دی۔ اس بار اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ تھا، آنکھوں میں بے چینی واضح تھی۔

جیسے ہی کال لگی، اس نے سیدھا سوال کیا۔

"کیا ہوا ہے حیام۔۔۔ سچ سچ بتاؤ۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

دوسری طرف حیام ابھی بھی کمزوری سے سانس لے رہی تھی۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا اور دھیمی آواز میں بولی۔

"ماہیر۔۔۔ مجھے وومٹنگ ہو رہی ہے ...دل بھی خراب ہو رہا ہے..."

ماہیر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"افف ...پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

حیام نے فوراً جواب دیا، آواز میں ہلکی سی شکایت اور کمزوری تھی۔

"...بتایا تھا نا ... صبح آپ نے کہا تھا بہانے نہ کرو"

یہ سنتے ہی ماہیر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر خود پر غصہ صاف نظر آیا۔

آوو خدایا۔۔۔ "اس نے آہستہ سے کہا، جیسے خود کو ہی الزام دے رہا ہو۔"

پھر فوراً نرم لہجے میں بولا۔

اچھا سنو ...الماری سے چادر لو، خود کو اچھی طرح کور کرو۔ میں کارل کو" کال کرتا ہوں، وہ تمہیں ہسپتال لے جائے گا۔"اور وہاں جا کر میری ڈاکٹر سے بات کروانا ۔۔

"میں بچی نہیں ہوں ماہیر خان ... خود بتا سکتی ہوں ڈاکٹر کو"...وہ اسکے لیکچر پر جھنجھلائی تھی --

ماہیر نے فوراً نرمی سے جواب دیا۔

اوکے ...اوکے ...ریلیکس۔ بس آرام سے جاؤ۔ میں کارل کو بول دیتا"

"ہوں۔

کال ختم ہوتے ہی حیام نے آہستہ سے سانس لیا۔ اس نے الماری سے چادر لی اور خود کو اچھی طرح کور کیا۔ چہرہ اب بھی کمزور تھا مگر وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ سیڑھیوں سے اترتی ہوئی لان میں آئی تو رات کی ہلکی ہوا نے اس کے چہرے کو چھوا۔ لان میں کارل پہلے سے گاڑی کے پاس کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

جیسے ہی وہ قریب پہنچی، کارل نے فوراً دروازہ کھولا۔

"میم... گاڑی میں بیٹھ جائیں۔"

حیام نے ہلکا سا سر ہلایا اور آہستہ سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس نے سر پیچھے سیٹ سے ٹکا دیا، آنکھیں بند کر لیں۔ جسم میں کمزوری تھی مگر ذہن میں ایک عجیب سا سکون بھی تھا—کیونکہ کہیں نہ کہیں اسے یقین تھا کہ ماہیر اس کے ساتھ ہے، چاہے وہ پاس ہو یا دور۔

....

کارل اسے لے کر سیدھا ہسپتال آیا تھا۔ گاڑی سے اترتے وقت حیام کے قدم ذرا لڑکھڑا رہے تھے اور دل بے ترتیب دھڑک رہا تھا۔ وہ کسی طرح خود کو سنبھالتی ہوئی اپوائنٹمنٹ لے کر ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اندر کا ماحول پر سکون تھا۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی۔

جی مسز خان، میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟"ڈاکٹر نے نرم لہجے میں" پوچھا۔

حیام نے گھبراہٹ میں ہاتھ مروڑتے ہوئے جواب دیا، "ج...جی مجھے چکر آ رہے ہیں، متلی ہو رہی ہے اور پیٹ میں درد بھی ہے۔"

ڈاکٹر نے سر ہلاتے ہوئے آرام سے کہا، "اوکے، آئیں ہم الٹراساؤنڈ کر لیتے ہیں۔"

حیام کو بیڈ پر لیٹا دیا گیا۔ مشین کی ہلکی آواز کمرے میں گونج رہی تھی مگر اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے سب کچھ دھندلا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحوں بعد ڈاکٹر نے اس سے اٹھ کر بیٹھنے کو کہا تو وہ گھبراہٹ کے عالم میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

اسی دوران کارل ہاتھ میں موبائل لیے کمرے میں داخل ہوا۔ "میم، آپ کے ہسبینڈ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے ایک نظر حیام کی طرف دیکھا اور پھر موبائل اسے دے دیا گیا۔

"کیا ہوا ہے میری بیوی کو ڈاکٹر؟ وہ ٹھیک ہے نا؟ وومٹنگ کیوں ہو رہی ہے اسے؟ "ماہیر کی آواز پریشانی سے بھری ہوئی تھی۔

ڈاکٹر نے پروفیشنل انداز میں جواب دیا،"جی مسٹر خان، وہ ٹھیک ہیں۔ اس اسٹیج پر ایسا ہو جانا عام بات ہے۔"

"ماہیر فوراً بولا، "کس اسٹیج پر؟

ڈاکٹر نے ایک لمحہ خاموشی کے بعد مسکراتے ہوئے کہا،"مسٹر خان، آپ کی وائف ون منتھ پریگنٹ ہیں۔"

ک ...کیا؟ "ماہیر کے الفاظ جیسے کہیں اٹک گئے۔"

کمرے میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

پھر اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے تیزی سے کہا، "اوکے ... تو اب آپ انہیں ٹھیک کریں۔ دوبارہ ایسی ووٹنگ نہیں ہونی چاہیے۔"

ڈاکٹر نے نرمی سے جواب دیا، "مسٹر خان، اس میں میڈیکل طور پر زیادہ کچھ کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔ ہر عورت میں مختلف علامات ہوتی ہیں، کسی کو تین مہینے تک اور کسی کو زیادہ بھی ہو سکتی ہیں۔"

ماہیر کا لہجہ سخت ہو گیا، "آپ کیسی ڈاکٹر ہیں؟ اسے دوائیں دیں، وہ ٹھیک ہو جائے گی!"

ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "یہ آپ کے بے بی پر ڈپینڈ کرتا ہے، مسٹر خان۔"

کال ختم ہو گئی۔

حیام نے سر جھکا کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ دل کی دھڑکن اب بھی تیز تھی مگر اس کے اندر ایک عجیب سی کیفیت تھی—خوف، حیرت اور ایک نئی زندگی کا احساس۔

ڈاکٹر نے فائل بند کرتے ہوئے نرمی سے کہا، "آپ کے لیے فولک ایسڈ لکھ دیا ہے، روزانہ دودھ کے ساتھ لیں اور آرام کریں۔"

کارل خاموش کھڑا تھا جبکہ حیام ابھی بھی اس خبر کے اثر میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اسکے چہرے پر خوشی بھی تھی ۔۔ لیکن اب اسے یقین تھا کہ ماہیر اسے بیڈ سے اٹھنے بھی نہیں دینے والا ۔۔اسکی پوزیسونیس سے اسے کبھی کبھی تنگ کر دیستی تھی

لیکن کبھی اچھی بھی لگتی تھی ۔۔۔

۔۔۔۔۔

رباب کے چہرے پر اس وقت ایک الگ ہی بے چینی اور ضد جمع ہو رہی تھی۔ کمرے کے اندر ہلکی سی روشنی تھی اور دونوں خالہ بھانجی آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں، جیسے کسی بڑے منصوبے کو چھپا کر آگے بڑھایا جا رہا ہو۔

،رباب نے بے صبری سے کہا

خالہ ...ماہیر کے آنے میں اب زیادہ دن نہیں بچے۔ آج نہیں تو کل وہ"

"واپس آ جائے گا۔ ہمیں کچھ کرنا ہو گا ...کچھ بھی۔

خالہ نے اس کی طرف دیکھا، آنکھوں میں وہی پرانی لالچ اور حسابی سوچ تھی۔

کیا کرو گی؟ وہ لڑکی الگ، اس کا باڈی گارڈ الگ ...اور اوپر سے اس کی"

"زبان ...ہر بات کا جواب ہے اس کے پاس۔

،رباب نے ہونٹ بھینچے، پھر آہستہ سے بولی

ایسا کرتے ہیں۔۔۔ اس کے کھانے میں کچھ ملا دیتے ہیں۔ کسی کو کچھ پتا"

"بھی نہیں چلے گا۔

ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ پھر ایما کے چہرے پر ایک سرد مسکراہٹ آئی۔

"اگر مر مرا گئی تو بھی... کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔"

خالہ نے اس کی بات پر ہلکا سا سر ہلایا، جیسے خطرناک خیال کو قبول کر رہی ہوں۔

.،رباب نے آہستہ سے مزید کہا

رباب دل ہی دل

جن مسکرائی تھی ---

اور صبح کا واقع اسکے زہین میں گھوما---

ایمانے اپنے ہاتھ میں پکڑی رپورٹ کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے بعد آہستہ آہستہ ایک خطرناک مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"...تو تم ماں بننے والی ہو، حیام"

وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

کل صبح جب وہ چپکے سے حیام کے کمرے میں گئی تھی تو اس کا مقصد صرف تجسس تھا، مگر دراز میں رکھی میڈیکل فائل نے اس کی توجہ کھینچ لی تھی۔ رپورٹ کھولتے ہی اس کے قدم جیسے وہیں جم گئے تھے۔

حیام حاملہ تھی۔

پہلے تو رباب کو شدید جھٹکا لگا، پھر فوراً اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔

"نہیں ...یہ بات ابھی کسی کو نہیں پتا چلنی چاہیے۔"

اس نے رپورٹ دوبارہ فائل میں رکھتے ہوئے خود سے کہا۔

خاص طور پر شاہین خان کو نہیں۔

وہ شاہین خان کو اچھی طرح جانتی تھی۔ جتنی بھی ناراضی، نفرت یا مخالفت ہو، جیسے ہی انہیں پتا چلتا کہ ماہیر کے بچے کی آمد ہونے والی ہے ان کا رویہ بدل سکتا تھا۔ آخر وہ ان کے بیٹے کا وارث تھا۔

اور یہی چیز رباب ہرگز نہیں چاہتی تھی۔

اسی لیے جب شام کو وہ شاہین خان کے کمرے میں بیٹھی تھی تو اس نے جان بوجھ کر رپورٹ کا ذکر تک نہیں کیا۔

"کیا ہوا؟ آج بڑی خاموش بیٹھی ہو۔"

شاہین خان نے پوچھا۔

رباب فوراً سنبھل گئی۔

"کچھ نہیں خالہ... بس سوچ رہی ہوں کہ ماہیر واپس آنے سے پہلے کچھ کرنا ہو گا۔"

شاہین خان کی توجہ فوراً اسی بات پر چلی گئی اور رباب کے لبوں پر اطمینان بھری مسکراہٹ آ گئی۔

وہ جانتی تھی کہ یہ راز فی الحال صرف اس کے پاس ہے۔

اور جب تک یہ راز چھپا رہے گا، وہ حالات کو اپنے حساب سے موڑ سکتی ہے۔

کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے ایک بار پھر دل میں سوچا۔

"اگر خالہ کو پتا چل گیا کہ حیام ماہیر کے بچے کی ماں بننے والی ہے تو شاید وہ کبھی اس کے خلاف نہ جائیں۔ نہیں... ابھی یہ راز میرے پاس ہی رہے گا۔"

اور اسی سوچ کے ساتھ اس نے فیصلہ کر لیا کہ فی الحال حمل کی رپورٹ کسی کی نظروں میں نہیں آنے دے گی۔۔۔

۔۔۔۔

دوسری طرف رات کے وقت، حیام اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ موبائل ہاتھ میں تھا اور اسکرین پر ماہیر کا نام جگمگا رہا تھا۔

"حیام میری جان... اپنا بہت خیال رکھنا۔ آج مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ شاید لیٹ بھی ہو جائے... شاید کل بھی کال نہ کر سکوں۔"

حیام نے فوراً بھنویں سکیڑیں۔

آپ تو پروفیسر ہیں نا...اب ترکی میں کون سے جرنل لکھنے بیٹھ گئے ہیں؟"

"...آپ مجھے بتائیں کیا کام ہے

،دوسری طرف ماہیر کی آواز نرم مگر مصروف تھی

آکر سب بتاؤں گا میری جان...سب کچھ۔بس تم اپنا اور ہمارے بے بی کا"

"خیال رکھنا۔

،یہ لفظ سنتے ہی حیام کا دل ایک لمحے کو دھڑکا۔اس نے نرمی سے کہا

"اوکے ماہیر... آپ مجھ سے باتیں چھپاتے ہیں۔"

،ماہیر نے فوراً نرمی سے جواب دیا

"نہیں میری جان ...سب بتاؤں گا۔ بس دعا کرنا۔"

میری دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں۔۔۔ "حیام کی آواز بھاری ہو گئی۔" اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

کال ختم ہوتے ہی وہ چند لمحے خاموش بیٹھی رہی۔ دل میں عجیب سا سکون بھی تھا اور اداسی بھی—ایک ایسا احساس جس میں محبت بھی تھی اور خوف بھی، مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ باہر کہیں اس کی زندگی کے خلاف ایک اور کہانی خاموشی سے لکھی جا رہی ہے۔

پرتگال آئے انہیں پورے دو ہفتے ہو چکے تھے اور اب صبح ان کی واپسی تھی۔ کمرے میں سوٹ کیس کھلے پڑے تھے جبکہ باسل ایک ایک چیز

احتیاط سے پیک کر رہا تھا۔ کبھی دوائیاں الگ رکھتا، کبھی فائلیں چیک کرتا اور کبھی منت کے کپڑے تہہ کر کے رکھ دیتا۔

اسی دوران واش روم کا دروازہ کھلا۔

منت نہا کر باہر آئی تھی۔

اس کے لمبے سیاہ بال کمر پر بکھرے ہوئے تھے اور چند گیلے قطرے اب بھی بالوں سے پھسل کر کندھوں تک آ رہے تھے۔

اس نے باسل کی طرف دیکھنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

کیونکہ آج اس نے باسل کے بہت زیادہ اصرار پر پہلی بار سرخ رنگ کا لباس پہنا تھا۔

شرمندگی اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

باسل نے جیسے ہی سر اٹھا کر اسے دیکھا، چند لمحوں کے لیے وہ وہیں رک گیا۔

پھر آہستہ سے مسکرایا۔

"افف جانم ...تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔"

اس کی نظریں محبت سے منت کے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں۔

"تمہیں دیکھ کر میری ہارٹ بیٹ رکنے لگی ہے۔"

منت نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

"ب ...باسل پلیز"

باسل اس کے قریب آیا اور محبت سے اس کی پیشانی کو چھوا۔

"پلیز نہیں جاناں۔"

اس کی آواز میں بے حد نرمی تھی۔

"اتنے دنوں سے تمہاری طبیعت کی وجہ سے بس تمہیں آرام کرواتا رہا
ہوں، اب ذرا مسکرانے تو دو مجھے۔"

منت کے گال سرخ ہو گئے تھے۔

"آپ نا..."

وہ آہستہ سے بولی۔

باسل نے اس کے چہرے کے گرد بکھری ایک لٹ کان کے پیچھے کی۔

"میں کیا؟"

"بہت تنگ کرتے ہیں۔"

اس بار باسل ہنس پڑا۔

"اور تم بہت جلدی شرما جاتی ہو۔"

منت نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بس کریں۔"

"نہیں۔"

باسل نے شرارتی انداز میں جواب دیا۔

"آج تو بالکل نہیں۔"

منت نے بے بسی سے اسے دیکھا جبکہ باسل کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

اگلے ہی لمحے اس نے نرمی سے منت کو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بٹھایا اور خود اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"ایک بات بتاؤں؟"

"کیا؟"

"یہ دو ہفتے میری زندگی کے سب سے مشکل اور سب سے خوبصورت دن تھے۔"

منت نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"مشکل اس لیے کہ تم تکلیف میں تھیں... اور خوبصورت اس لیے کہ ہر صبح میری آنکھ تمہیں دیکھ کر کھلتی تھی۔"

منت کے دل میں ایک عجیب سی نرمی اتر گئی۔

اس نے آہستہ سے باسل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"میں بھی آپ کو بہت مس کروں گی اگر آپ دوبارہ کہیں گئے تو۔"

باسل نے فوراً اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔

"تو پھر کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"جھوٹ۔"

"سچ۔"

"بالکل جھوٹ۔"

"اچھا، آدھا سچ۔"

دونوں ہنس پڑے۔

کمرے میں پھیلی پیکنگ، کھلے سوٹ کیس اور واپسی کی تیاریاں اپنی جگہ تھیں، مگر اس لمحے دونوں صرف ایک دوسرے کی موجودگی میں کھوئے ہوئے تھے، خوش کہ مشکل وقت گزر چکا تھا اور اب وہ اپنے لوگوں کے پاس واپس جانے والے تھے۔

رات کی تاریکی پورے علاقے پر چھائی ہوئی تھی۔ دور دور تک خاموشی پھیلی تھی، مگر اس خاموشی کے پیچھے ایک خطرناک راز دفن تھا۔

ماہیر خان پوری تیاری کے ساتھ رائف سکندر کے ٹھکانے پر پہنچا تھا۔

اس کے ساتھ اس کے خاص آدمی بھی موجود تھے۔

سب کے چہروں پر سنجیدگی تھی جبکہ ماہیر کی آنکھوں میں عجیب سا اعتماد جھلک رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ آج کی رات بہت اہم ہے۔

اگر رائف یہاں موجود تھا تو اب اس کے بچنے کے امکانات کم تھے۔

ماہیر نے پورے علاقے کا جائزہ لیا۔

باہر سے یہ ایک عام سی ویران جگہ لگ رہی تھی۔

لیکن اس کے تجربے نے اسے بتا دیا تھا کہ معاملہ اتنا سادہ نہیں۔

"ہر انچ چیک کرو۔"

اس نے پُرسکون لہجے میں حکم دیا۔

اس کے آدمی مختلف سمتوں میں پھیل گئے۔

چند منٹ گزرے مگر کوئی خاص چیز سامنے نہ آئی۔

ماہیر نے خود آگے بڑھ کر زمین کا معائنہ شروع کیا۔

اچانک اس کا قدم ایک مخصوص جگہ پر رکا۔

اس نے دوبارہ پاؤں سے زمین کو ٹھوکر دی۔

اس بار ایک مختلف سی آواز ابھری۔

جیسے نیچے کوئی کھوکھلی جگہ موجود ہو۔

ماہیر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"یہی ہے۔"

وہ دھیرے سے بولا۔

اس کے آدمی فوراً قریب آ گئے۔

"اوپر کی تہہ ہٹاؤ۔"

حکم ملتے ہی کام شروع ہو گیا۔

چند لمحوں بعد مٹی اور لکڑی کی اوپری تہہ ہٹائی گئی تو سب کی نظریں ایک ساتھ نیچے جم گئیں۔

وہاں واقعی ایک مضبوط فولادی دروازہ موجود تھا۔

ماہیر نے گہرا سانس لیا۔

"آخر مل ہی گیا۔"

اس کی آواز میں اطمینان تھا۔

اس نے اپنے دو آدمیوں کو باہر رکنے کا حکم دیا جبکہ باقی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

دروازہ آہستگی سے کھولا گیا۔

اندر سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا باہر آیا۔

ماہیر سب سے آگے چلتا ہوا اندر داخل ہوا۔

سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔

ہر قدم کے ساتھ ماحول مزید پراسرار ہوتا جا رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر جو منظر سامنے آیا وہ توقع سے بالکل مختلف تھا۔

یہ کوئی عام تہہ خانہ نہیں تھا۔

اندر کسی خفیہ محل جیسا ماحول تھا۔

قیمتی فرنیچر، خوبصورت دیواریں اور جدید سیکیورٹی سسٹم۔

ہر چیز اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ یہاں کوئی بہت طاقتور شخص رہتا ہے۔

دیواروں کے ساتھ بنائی گئی کھڑکیوں کا ڈیزائن بھی حیران کن تھا۔

دیکھنے والے کو یوں محسوس ہوتا جیسے وہ زمین کے اوپر موجود ہوں، حالانکہ پوری عمارت زیرِ زمین تھی۔

ماہیر خاموشی سے ہر چیز کا جائزہ لیتا آگے بڑھ رہا تھا۔

اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہو رہی تھیں۔

اچانک اسے آگے ایک راہداری دکھائی دی۔

راہداری کے اختتام پر ایک بڑا دروازہ تھا۔

اور اس دروازے کے باہر مسلح گارڈز پہرہ دے رہے تھے۔

ماہیر رک گیا۔

اس کی آنکھوں میں خطرناک چمک ابھری۔

"...آخرکار"

وہ دھیرے سے بولا۔

"لگتا ہے رائف سکندر اپنے بل میں یہی چھپا بیٹھا ہے۔"

اس کے آدمی فوراً الرٹ ہو گئے جبکہ ماہیر کی نظریں مسلسل اس بند دروازے پر جمی تھیں۔

اب اسے صرف اس دروازے کے پیچھے موجود شخص تک پہنچنا تھا۔

ماہیر کے اشارہ کرتے ہی اس کے چند تربیت یافتہ آدمی بائیں جانب موجود راہداری کی طرف بڑھ گئے۔ ان کی حرکت اتنی خاموش اور تیز تھی کہ پہرہ دینے والے گارڈز کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ چند ہی لمحوں میں انہوں نے انہیں قابو کر لیا اور وہ مزاحمت کرنے کے قابل نہ رہے۔

راستہ صاف ہوتے ہی ماہیر دروازے کے قریب آیا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔

کمرے کے اندر روشنی مدھم تھی۔

رائف سکندر دیوار کی طرف رخ کیے بیٹھا تھا اور اسے دروازہ کھلنے کا احساس بھی نہ ہوا۔

ماہیر کی نظریں ایک لمحے میں پورے کمرے کا جائزہ لے چکی تھیں۔

اگلے ہی لمحے اس کی خاموش سنسر گن سے فائر ہوا۔

گولی رائف کی ٹانگ میں لگی۔

رائف درد سے تڑپتا ہوا فوراً حرکت میں آیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور ایک ہی لمحے میں صورتحال سمجھ گیا۔

"...ماہیر خان"

اس کے لبوں سے نفرت بھرے انداز میں نکلا۔

وہ فوراً میز کی طرف جھپٹا جہاں اس کی پستول رکھی تھی۔

کمرے کا سکون چند سیکنڈ میں ختم ہو گیا۔

رائف نے پستول اٹھاتے ہی فائر کیا۔

اسی لمحے ماہیر کی نظر میز کے قریب پڑی ایک تصویر پر جا ٹھہری۔

وہ حیام کی تصویر تھی۔

شاید رائف نے کسی بیمار جنون کے تحت اسے وہاں رکھا ہوا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ماہیر کی توجہ ادھر گئی۔

اور یہی لمحہ کافی تھا۔

رائف کی چلائی ہوئی گولی آ کر ماہیر کے سینے میں لگی۔

شدید جھٹکے سے اس کا جسم پیچھے ہوا۔

اس کے کپڑوں پر خون پھیلنے لگا۔

مگر اس کی آنکھوں میں درد سے زیادہ غصہ تھا۔

اس نے دوبارہ سنسر گن سیدھی کی۔

چند فائر ہوئے۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

رائف سکندر زمین پر گر چکا تھا۔

اس کے آدمی فوراً اندر داخل ہوئے۔

"سر!"

وہ ماہیر کی طرف دوڑے۔

ماہیر دیوار کا سہارا لیے کھڑا تھا۔ سانسیں بوجھل ہو رہی تھیں مگر اس کی نظریں اب بھی اس تصویر پر جمی تھیں۔

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا۔

تصویر اٹھائی۔

چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا۔

حیام کی مسکراتی ہوئی تصویر۔

اس نے تصویر کو انتہائی احتیاط سے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

جیسے کسی قیمتی امانت کو محفوظ کر رہا ہو۔

"سر، ایمبولینس راستے میں ہے!"

کسی نے بلند آواز میں کہا۔

اس وقت تک خفیہ ایجنسی کے اہلکار اور امدادی ٹیمیں بھی پہنچ چکی تھیں۔

رائف سکندر کا باب بند ہو چکا تھا۔

اس کے خلاف برسوں سے جمع ہونے والی فائلیں اور ثبوت اب حکام کے حوالے کیے جا رہے تھے۔

ماہیر کی حالت تیزی سے بگڑ رہی تھی۔

اس کے آدمیوں نے فوراً اسے سنبھالا۔

"ہسپتال لے چلو!"

ایک نے حکم دیا۔

چند لمحوں بعد اسے اسٹریچر پر منتقل کر دیا گیا۔

ایمبولینس کے دروازے بند ہوئے اور گاڑی تیزی سے ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئی۔

ماہیر کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو رہی تھیں۔

مگر اس کا ایک ہاتھ اب بھی جیکٹ کی اسی جیب پر رکھا تھا جس میں حیام کی تصویر محفوظ تھی۔

جیسے بے ہوشی کے عالم میں بھی وہ اس امانت کو اپنے دل کے قریب رکھنا چاہتا ہو۔

....

ملازمہ جوس کا گلاس ٹرے میں رکھ کر ابھی حیام کے کمرے میں جانے ہی لگی تھی کہ اچانک رباب نے اسے روک لیا۔

"روکو۔۔۔"

اس کی آواز میں جلدی اور ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔

"حیام کی ٹیبلٹس میرے پاس ہیں، وہ جوس کے ساتھ مکس کر کے دینی تھیں، یہ تم لے جا کر دے آؤ۔"

نئی ملازمہ نے فوراً سر ہلایا۔

"جی میم۔"

:شاہین صوفے پر بیٹھی اخبار پلٹ رہی تھی، بغیر دیکھے بولی

"اور اسے یہ مت بتانا کہ اس میں کچھ ملایا گیا ہے، ورنہ پھر سے ڈرامہ کرے گی میری بچی۔"

رباب نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

"بالکل خالہ۔"

شاہین نے مطمئن انداز میں کہا:

"بس خاموشی سے سب دیکھتے رہو۔"

کمرے میں وقتی سکون چھا گیا۔

ملازمہ جوس لے کر باہر چلی گئی۔

،شاہین اخبار میں مصروف ہو گئی جبکہ رباب اپنے موبائل پر کچھ دیکھنے لگی مگر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

دوسری طرف حیام اپنے کمرے میں بال کنگھی کر رہی تھی۔

اس نے ایک نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھے جوس کے گلاس کو دیکھا جو کافی دیر سے وہیں پڑا تھا۔

وہ آہستہ سے بڑبڑائی:

"اگر اس ہٹلر کو پتا چل گیا تو مجھے چھوڑے گا نہیں..."

پھر ہچکچاتے ہوئے اس نے ایک گھونٹ لیا۔

فوراً ہی اس کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

"افف ... کیا ذائقہ ہے۔"

اس نے باقی جوس اٹھا کر واش بیسن میں بہا دیا اور ہلکی سی استغفار پڑھی۔

مگر کچھ دیر بعد ہی اس کے پیٹ میں ہلکی سی کھچاؤ شروع ہو گئی۔

وہ رکی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے..."

درد آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔

اس نے فوراً موبائل اٹھایا اور ماہیر کو کال ملائی۔

لیکن اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔

اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"...ماہیر کہاں ہیں آپ"

پھر اس نے جلدی سے کارل کو کال کی۔

دوسری طرف کارل پہلے ہی پریشان بیٹھا تھا۔ ماہیر پر حملے کی خبر اسے مل چکی تھی اور وہ پاکستان واپس لے جانے کی تیاری میں تھا۔

جیسے ہی حیام کی کال آئی، اس نے فوراً اٹھا لی۔

"جی میم؟ سب ٹھیک ہے؟"

حیام کی آواز کانپ رہی تھی۔

"کارل ...مجھے جلدی ہسپتال لے چلو ...میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے..."

وہ سانس درست نہیں کر پا رہی تھی۔

"...اور ...اور کوئی فی میل ملازمہ بھی ساتھ لے آنا"

کارل نے فوراً کال بند کی اور سامنے کھڑی سیکیورٹی افسر اعمارہ کی طرف دیکھا۔

وہ ایک پروفیشنل میڈیکل یونٹ سے تھی، جو خفیہ ایجنسی کے تحت ایمرجنسی کیسز ہینڈل کرتی تھی۔

"جلدی چلو، ہمیں حیام میم کو فوراً لے جانا ہے۔"

اس نے پرسکون مگر سخت لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا ہے انہیں؟"

سیکیورٹی افسر نے پوچھا۔

"حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

کارل نے گاڑی کی چابی اٹھائی۔

"ہم انہیں عام ہسپتال نہیں لے جائیں گے، اپنے ویئر ہاؤس میڈیکل یونٹ لے کر جائیں گے۔ وہاں مکمل سیٹ اپ ہے۔"

افسر نے فوراً سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے، جلدی کرو۔ کیس سیریس لگ رہا ہے۔"

چند لمحوں بعد گاڑی تیزی سے روانہ ہو چکی تھی۔

حیام پچھلی سیٹ پر نیم بے ہوشی کی حالت میں بیٹھتی جا رہی تھی، اور اس کے چہرے پر بڑھتا ہوا درد واضح تھا۔

اور کارل کا دل پہلی بار واقعی بری طرح گھبرا رہا تھا۔

....

ویئر ہاؤس کے میڈیکل یونٹ میں مکمل خاموشی اور ایمرجنسی کا ماحول تھا۔ ہر طرف دوڑتی ہوئی ٹیمیں، مشینوں کی بیپس اور تیز قدموں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

حیام کو فوراً اندر لایا گیا اور ایمرجنسی بیڈ پر منتقل کر دیا گیا۔

ڈاکٹر اعمارا پہلے ہی تیار کھڑی تھی۔ اس نے فوراً تمام ابتدائی ٹیسٹ شروع کیے۔

کچھ ہی لمحوں بعد اس نے رپورٹس دیکھی اور کارل کی طرف دیکھا۔

اسے فوری طور پر مکمل چیک اپ کی ضرورت تھی۔ کسی نے اسے "
"نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

کارل کے چہرے پر سختی آ گئی۔

"اس کی حالت اب کیسی ہے؟"

:امارا نے گہرا سانس لیا، پھر سکون سے کہا

"الحمدللہ، وہ ٹھیک ہے۔ اور بچے کو بھی ابھی کوئی نقصان نہیں ہوا۔"

کارل کے چہرے سے ایک لمحے کے لیے تناؤ کم ہوا۔

لیکن اعمارا کی آواز پھر سنجیدہ ہو گئی۔

"ڈوز بہت کم تھا، اسی لیے شاید بچ گئی ہیں۔۔لیکن جس نے بھی یہ کیا ہے ...وہ جانتا تھا وہ کیا کر رہا ہے۔ یہ صرف اتفاق نہیں ہے۔"

اس نے حیام کے تپتے ہوئے ماتھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

"پھر بھی، یہ درد ایک ماں کے لیے معمولی نہیں ہوتا... یہ جسم کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔"

حیام ہلکی سی تکلیف میں آنکھیں بند کیے ہوئے تھی، اس کے چہرے پر کمزوری واضح تھی۔

امارا نے نرس کو اشارہ کیا۔

"ان کا مکمل خیال رکھنا، مسلسل مانیٹرنگ رکھو۔ کوئی بھی تبدیلی فوراً رپورٹ کرو۔"

کارل نے فوراً سر ہلایا۔

"ماہیر سر راستے میں ہیں۔ ان کی گولی نکال دی گئی ہے لیکن ابھی وہ اوبزرویشن میں ہیں، ہوش نہیں آیا۔"

کمرے میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

کارل نے دھیمی آواز میں کہا:

"بس دعا کرو ...سب ٹھیک ہو جائے۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

اعمارا نے ایک لمحے کے لیے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ حیام کی طرف متوجہ ہوئی۔

اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔

باہر ویئر ہاؤس میں اچانک ہلچل بڑھ گئی تھی۔

ایمبولینس کے سائرن کی آواز گونجتے ہی پورا سسٹم حرکت میں آ گیا۔

اعمارا نے کھڑکی کے پردے کو ہلکا سا ہٹایا۔

سامنے سفید کپڑوں میں ایک لمبا، بے حس سا وجود اسٹریچر پر پڑا ہوا تھا۔

آکسیجن ماسک چہرے پر، ہاتھ میں ڈرِپ لگی ہوئی، اور جسم مکمل طور پر خاموش۔

...ماہیر خان

اس کے چہرے پر وہی سختی تھی، مگر اب اس میں زندگی کی کمی واضح تھی۔

امارا کی آنکھیں چند لمحوں کے لیے نم ہو گئیں۔

اس نے آہستہ سے خود سے کہا:

"...اگر ان کے باس کو کچھ ہو گیا... تو یہ پورا نظام ہل جائے گا"

اس نے دوبارہ حیام کی طرف دیکھا۔

اور پھر ایک لمحہ رک کر سوچا۔

"...اور وہ بچہ ...جو اس کے اندر پل رہا ہے"

کمرہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

لیکن اس خاموشی میں آنے والے طوفان کی گونج صاف سنائی دے رہی تھی۔

حویلی میں ایک بار پھر رونقیں لوٹ آئی تھیں۔

چند ہفتے پہلے تک جہاں خاموشی بسیرا کیے ہوئے تھی، آج وہاں ہنسی کی آوازیں، چائے کی خوشبو اور اپنوں کی موجودگی نے ہر کونے کو زندہ کر دیا تھا۔

شام کا وقت تھا۔

بڑے لان میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

درمیان میں رکھا بڑا سا سفید صوفہ خاندان کے افراد سے بھرا ہوا تھا۔

بی جان اپنی مخصوص شاہانہ شان کے ساتھ بیٹھی تھیں جبکہ آغا جان ان کے برابر میں چائے کا کپ لیے موجود تھے۔

سامنے میر شاہ اور روح بیٹھے تھے۔

روح حسبِ عادت میر کے بازو سے لگی ہوئی تھی۔

دوسری طرف باسل اور منت موجود تھے۔

منت خاموشی سے بیٹھی تھی جبکہ باسل وقفے وقفے سے اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

آغا جان نے ایک نظر سب پر ڈالی اور مسکرا کر بولے،

"کمال ہے ...شادی شدہ لوگ الگ ہی دنیا میں رہتے ہیں۔"

بی جان فوراً بولیں،

"آپ کو اب پتا چلا؟"

جس پر سب ہنس پڑے۔

،روح نے شرارتی انداز میں کہا

"بی جان آپ بھی تو آغا جان کو پورا دن ڈانٹتی رہتی ہیں۔"

"میں ڈانٹتی ہوں؟"

بی جان نے فوراً حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"دیکھا آغا جان؟ اب یہ بچی بھی میرے خلاف ہو گئی ہے۔"

آغا جان نے کھانس کر ہنسی چھپائی۔

"بیگم، سچ تو یہی ہے۔"

"!آغا جان"

بی جان نے گھورا تو پورا لان قہقہوں سے گونج اٹھا۔

میر شاہ نے موقع غنیمت جانتے ہوئے روح کا ہاتھ اپنی انگلیوں میں پھنسا لیا۔

روح نے فوراً اسے کہنی ماری۔

"سب بیٹھے ہیں۔"

،میر بالکل سنجیدہ چہرے کے ساتھ بولا

"میں نے کیا کیا؟"

"آپ کو خود نہیں پتا؟"

روح نے دھیرے سے کہا۔

"بالکل نہیں۔"

میر نے معصومیت سے جواب دیا۔

باسل نے وہ منظر دیکھا تو فوراً بولا،

"میر شاہ، اتنے سالوں میں پہلی بار کسی کو آپ پر حکم چلاتے دیکھا ہے۔"

منت کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

میر نے باسل کو گھورا۔

"تم اپنی فکر کرو۔"

"میں تو اپنی ہی فکر کر رہا ہوں۔"

باسل نے منت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ ناراض ہو جائیں تو میری نیندیں خراب ہو جاتی ہیں۔"

منت نے فوراً اسے گھورا۔

"میں کب ناراض ہوئی؟"

"ہر دوسرے دن۔"

باسل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"جھوٹ۔"

"بالکل سچ۔"

"جھوٹ۔"

"سچ۔"

"جھوٹ۔"

"سچ۔"

دونوں کی بحث سن کر روح ہنس پڑی۔

"آپ دونوں بچے ہیں۔"

"اور تم؟"

باسل نے فوراً پوچھا۔

روح نے فخر سے میر کی طرف دیکھا۔

"میں تو بہت سمجھدار ہوں۔"

میر نے ہونٹ بھینچے تاکہ ہنسی نہ نکل جائے۔

"جی ہاں، بہت زیادہ۔"

اس کے لہجے میں چھپی شرارت پر روح نے فوراً اس کا بازو نوچ لیا۔

"اوئی!"

میر کے منہ سے نکلا۔

آغا جان نے حیرت سے پوچھا،

"کیا ہوا سردار صاحب؟"

میر نے فوراً خود کو سنبھالا۔

"کچھ نہیں آغا جان۔"

روح نے سر جھکا لیا مگر اس کے ہونٹوں پر ہنسی کھیل رہی تھی۔

بی جان نے مشکوک نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

"ہم بوڑھے ضرور ہوئے ہیں، اندھے نہیں۔"

اب کی بار پورا لان واقعی قہقہوں سے گونج اٹھا۔

منت بھی ہنسی روک نہ سکی۔

باسل اس کی ہنسی دیکھتا رہ گیا۔

"کیا ہے؟"

منت نے محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

باسل مسکرایا۔

"بس سوچ رہا ہوں جب تم ہنستی ہو تو باقی سب کیوں دھندلا جاتا ہے۔"

"باسل!"

منت فوراً شرما گئی۔

روح نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

"یا اللہ !یہ دونوں شروع ہو گئے۔"

"اور تم لوگ؟"

باسل نے فوراً جوابی وار کیا۔

"تم دونوں تو جیسے بہت معصوم ہو۔"

روح نے فوراً میر کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

"میں تو ہوں۔"

میر نے اس کے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے کہا،

"اس بات کا فیصلہ باقی لوگ کریں گے۔"

"میر!"

روح نے احتجاج کیا۔

بی جان نے ہنستے ہوئے چائے کا کپ رکھا۔

"اللہ خوش رکھے تم سب کو۔"

ایک لمحے کے لیے سب خاموش ہوئے۔

لان میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

اپنوں کی موجودگی، ہنسی مذاق، چائے کی خوشبو اور دلوں کا سکون...

ایسا لگ رہا تھا جیسے وقت چند لمحوں کے لیے تھم گیا ہو، اور ہر شخص اپنی زندگی کے خوبصورت ترین لمحے میں بیٹھا ہو۔

......

حیام نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اس کی پلکیں بوجھل تھیں اور سر میں ہلکا سا درد محسوس ہو رہا تھا۔ چند لمحے اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کہاں ہے۔ سفید چھت، مشینوں کی مدھم آوازیں اور کمرے میں پھیلی دواؤں کی ہلکی سی مہک اسے کسی ہسپتال کا گمان دے رہی تھی، مگر یہ عام ہسپتال نہیں تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ کو ہلکا سا حرکت دی۔

فوراً ہی درد کی ایک لہر اس کے بازو سے ہوتی ہوئی پورے جسم میں پھیل گئی۔

اس کی نظر ہاتھ پر لگی ڈرپ پر گئی۔

"ی۔۔۔یہ۔۔۔ م۔۔۔میں کہاں ہوں۔۔۔؟"

اس کی آواز کمزور اور بوجھل تھی۔

اس نے گردن گھما کر ارد گرد دیکھا۔

"ک۔۔۔کارل بھائی۔۔۔؟"

پاس کھڑا کارل فوراً اس کے قریب آیا۔

"جی میم، میں یہیں ہوں۔"

"م۔۔۔ماہیر کو کال کریں۔۔۔"

وہ نیم غنودگی میں بولتی جا رہی تھی۔

"م۔۔۔ماہیر۔۔۔"

کارل نے نرمی سے کہا۔

"میم پلیز ریلیکس ...آپ آرام کریں۔"

حیام نے دوبارہ کمرے پر نظر دوڑائی۔

"ی۔۔۔یہ میں کہاں ہوں؟"

کارل نے کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

میم، میں اور ڈاکٹر امارا آپ کو یہاں لے کر آئے تھے۔ آپ محفوظ ہیں" "اور بالکل ٹھیک ہیں۔

حیام کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"یہاں کیوں؟ مجھے گھر جانا ہے۔۔۔ ماہیر آ جائیں گے۔۔۔"

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کمزوری کے باعث دوبارہ بستر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

اسی وقت ڈاکٹر امارا کمرے میں داخل ہوئی۔

"کارل، میں سنبھال لیتی ہوں، تم باہر جاؤ۔"

کارل نے سر ہلایا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

امارا حیام کے قریب آ کر بیٹھی۔

اس کے چہرے پر سنجیدگی نمایاں تھی۔

"میم، آپ کو کسی نے ایسی دوا دی تھی جس سے آپ کے بچے کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔"

حیام چند لمحے اسے خالی نظروں سے دیکھتی رہی۔

پھر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ک۔۔۔کیا؟"

اس کے ہاتھ بے اختیار اپنے پیٹ پر چلے گئے۔

"م۔۔۔میرا بچہ۔۔۔؟"

اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"وہ ٹھیک ہے نا؟"

امارا نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔

جی، ڈونٹ وری۔ بچہ بالکل ٹھیک ہے۔"شاید ڈوز کم تھی اس لیے اللہ"
کے کرم سے آپ ٹھیک ہیں

حیام نے گہرا سانس لیا مگر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"نہیں۔۔۔ ڈوز کم نہیں تھی۔۔۔"

وہ اچانک بولی۔

"میں نے پورا جوس پیا ہی نہیں تھا۔"

پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔

اس کی آنکھوں میں غصہ اتر آیا۔

"یہ ضرور میری ساس اور رباب کا کام ہو گا۔"

اس نے دانت بھینچے۔

"دیکھ لوں گی میں ان دونوں کو۔۔۔"

وہ غصے میں دوبارہ اٹھنے لگی۔

"میم، پلیز آرام کریں۔"

امارا نے اسے روکا۔

مگر حیام کے ذہن میں اب صرف ایک نام تھا۔

"مجھے ماہیر کو کال کرنی ہے۔۔۔"

امارا چند لمحے خاموش رہی۔

پھر دھیرے سے بولی۔

"ماہیر سر یہیں ہیں۔"

حیام کا دل ایک لمحے کے لیے جیسے رک گیا۔

"ک۔۔۔کیا؟"

"کدھر۔۔۔؟"

"میم، ساتھ والے ایمرجنسی روم میں۔"

حیام کی سانس رکنے لگی۔

"کیوں۔۔۔؟"

امارا نے آہستہ سے جواب دیا۔

انہیں گولی لگی ہے۔"مشن کے دوران"

ایک لمحے کے لیے جیسے پوری دنیا خاموش ہو گئی۔

"گ۔۔۔گولی۔۔۔؟"

حیام کے ہونٹ کانپنے لگے۔

"کون سا مشن۔۔۔؟ کیسے۔۔۔؟"

اس نے بے اختیار اپنی ڈرپ کھینچنے کی کوشش کی۔

اعمارا نے فوراً اس کا ہاتھ روک لیا۔

"میم، پلیز۔۔۔"

لیکن حیام کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

اس کا دل بے ترتیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔

"وہ کیسے ہیں؟"

اس نے روتے ہوئے پوچھا۔

"بس دعا کریں۔۔۔"

امارا نے دھیمی آواز میں کہا۔

"گولی سینے میں لگی تھی۔ آپریشن ہو چکا ہے، مگر ابھی تک ہوش نہیں آیا۔"

حیام کو لگا جیسے کسی نے اس کے قدموں تلے زمین کھینچ لی ہو۔

اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

"م۔۔۔مجھے ان کے پاس جانا ہے۔۔۔"

وہ سسکی۔

"ابھی۔۔۔"

امارا نے اس کے چہرے کی بے بسی دیکھی۔

پھر آہستہ سے سر ہلایا۔

"آئیں، میں آپ کو ان کے پاس لے چلتی ہوں۔"

حیام نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے آنسو صاف کیے۔

دل میں خوف، آنکھوں میں نمی اور لبوں پر صرف ایک دعا تھی۔

"اللہ۔۔۔ میرے ماہیر کو کچھ نہ ہو۔۔۔"

اور اگلے ہی لمحے وہ امارا کے سہارے آہستہ آہستہ اس کمرے کی طرف بڑھنے لگی جہاں اس کی پوری دنیا بے ہوش پڑی تھی۔

....

اعمارہ خاموشی سے حیام کو کمرے کے دروازے تک چھوڑ کر واپس مڑ گئی تھی۔

"زیادہ دیر مت کھڑی رہیے گا میم، آپ خود بھی کمزور ہیں۔"

حیام نے بس ہلکا سا سر ہلایا تھا۔

اس کی تمام توجہ اس دروازے پر تھی جس کے دوسری طرف ماہیر موجود تھا۔

اس نے کانپتے ہاتھ سے دروازے کا ہینڈل پکڑا اور آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی اس کے قدم وہیں رک گئے۔

ایک لمحے کے لیے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

کمرے میں مدھم روشنی تھی۔

مختلف مشینیں مسلسل کام کر رہی تھیں اور ان کی ہلکی ہلکی آوازیں خاموشی کو توڑ رہی تھیں۔

بیڈ پر لیٹا ہوا وہ شخص، جو ہمیشہ طاقت، اعتماد اور رعب کی علامت لگتا تھا، آج بے حس و حرکت پڑا تھا۔

چہرہ پہلے سے زیادہ زرد دکھائی دے رہا تھا۔

ہاتھوں پر ڈرپس لگی ہوئی تھیں۔

سینے کی سانسوں کا حساب مشینیں رکھ رہی تھیں۔

حیام کا دل بری طرح کانپ گیا۔

"م۔۔۔ماہیر۔۔۔"

اس کے لبوں سے بمشکل نکلا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی بیڈ کے قریب آئی۔

اس کی آنکھیں مسلسل نم ہو رہی تھیں۔

اس نے جھک کر ماہیر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

وہ ہاتھ جو ہمیشہ مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیتا تھا، آج بے جان سا اس کی ہتھیلی میں پڑا تھا۔

"یہ کیا کر لیا آپ نے ماہیر خان۔۔۔"

اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"مجھے بتایا تک نہیں۔۔۔"

اس نے ماہیر کے ہاتھ کی پشت پر اپنے لب رکھ دیے۔

آنکھوں سے گرنے والے آنسو اس کی جلد پر بکھرنے لگے۔

"آپ ہمیشہ کہتے تھے نا کہ میں اپنا خیال نہیں رکھتی۔۔۔"

وہ ہلکا سا رو دی۔

"اور خود۔۔۔ خود یہ سب کر لیا۔۔۔"

حیام کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے ماہیر کا ہاتھ تھام لیا۔

"پلیز ماہیر۔۔۔"

اس کی سسکی نکل گئی۔

"میں نہیں رہ سکتی آپ کے بغیر۔۔۔"

کمرے میں خاموشی تھی۔

صرف مشینوں کی آوازیں تھیں اور حیام کی ٹوٹی ہوئی سانسیں۔

وہ آہستہ سے جھکی اور اپنا ماتھا ماہیر کے ماتھے سے لگا دیا۔

اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

"آپ کو پتا ہے نا۔۔۔"

وہ دھیرے سے بولی۔

میں آپ سے لڑتی ہوں۔۔۔ ضد کرتی ہوں۔۔۔ غصہ بھی دلاتی"

"ہوں۔۔۔

اس کے لبوں پر کمزور سی مسکراہٹ آئی جو فوراً آنسوؤں میں بدل گئی۔

"لیکن آپ کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔۔۔"

اس نے آہستہ سے ماہیر کی بند آنکھوں پر بوسہ دیا۔

"اٹھ جائیں نا۔۔۔"

اس کی آواز بچوں جیسی التجا لیے ہوئے تھی۔

"آپ کا بے بی بھی آپ کا انتظار کر رہا ہے۔۔۔"

اس کا ایک ہاتھ بے اختیار اپنے پیٹ پر چلا گیا۔

"آپ نے تو وعدہ کیا تھا نا کہ ہر وقت ہمارے ساتھ رہیں گے۔۔۔"

حیام اب کھل کر رو رہی تھی۔

اس نے دوبارہ ماہیر کا ہاتھ اپنے گال سے لگا لیا۔

"دیکھیں۔۔۔ میں رو رہی ہوں۔۔۔"

وہ سسکی۔

"اور آپ کو تو میری آنکھوں میں آنسو بالکل پسند نہیں تھے۔۔۔"

اسی لمحے اسے اپنے ہاتھ میں ایک ہلکی سی حرکت محسوس ہوئی۔

اتنی معمولی کہ شاید کوئی اور محسوس بھی نہ کر پاتا۔

حیام یکدم سیدھی ہو گئی۔

اس کی سانس رک گئی۔

اس نے فوراً ماہیر کی طرف دیکھا۔

ماہیر کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی۔

بہت ہلکی۔

مگر واضح۔

حیام کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ماہیر۔۔۔؟"

وہ فوراً اس کے قریب جھکی۔

"ماہیر۔۔۔ سن سکتے ہیں آپ مجھے؟"

اس کے دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ جیسے سینے سے باہر آ جائے گی۔

ماہیر کی پلکیں ایک بار پھر ہلکی سی لرزیں۔

حیام کے چہرے پر آنسوؤں کے درمیان امید کی پہلی کرن نمودار ہوئی۔

اس نے جلدی سے ماہیر کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں قید کر لیا۔

"بس۔۔۔"

وہ روتے ہوئے مسکرائی۔

"بس ایک بار آنکھیں کھول دیں۔۔۔"

اسے یقین ہونے لگا تھا کہ ماہیر کے ہاتھ میں واقعی ہلکی سی جنبش ہوئی ہے۔

حیام کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

م۔۔۔ماہیر۔۔۔ پلیز آنکھیں کھولیں نا۔۔۔ میری جان نکل رہی ہے۔۔۔"

اس کی آواز رونے سے بری طرح بھرا گئی تھی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے ماہیر کے چہرے کو چھوا۔

وہی چہرہ جو ہمیشہ اعتماد، طاقت اور رعب کی علامت لگتا تھا، آج غیر معمولی حد تک پرسکون اور کمزور دکھائی دے رہا تھا۔

حیام جھکی اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔

"پلیز واپس آ جائیں۔۔۔"

وہ ہچکیوں میں رونے لگی تھی۔

مسلسل رونے اور کمزوری کی وجہ سے اس کی اپنی طبیعت بھی بوجھل ہونے لگی تھی۔

تبھی ماہیر کی پلکیں ہلکی سی لرزیں۔

پھر آہستہ آہستہ کھلنے لگیں۔

تیز روشنی آنکھوں میں پڑی تو اس نے پلکیں سکیڑ لیں۔

ابھی بھی آکسیجن ماسک اس کے چہرے پر موجود تھا اور وہ مشینوں کی مدد سے سانس لے رہا تھا۔

حیام نے جیسے ہی اس کی پلکوں کی حرکت محسوس کی، فوراً اپنا چہرہ اٹھایا۔

اس کی آنکھوں میں بےاختیار خوشی کے آنسو بھر آئے۔

"م۔۔۔ماہیر۔۔۔"

اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

"ش۔۔۔شکر ہے۔۔۔"

"آپ ٹھیک ہیں نا۔۔۔؟"

وہ بے اختیار اس کے قریب جھکی تھی۔

ماہیر ابھی پوری طرح ہوش میں نہیں آیا تھا۔

نظر دھندلی تھی۔

سوچ منتشر تھی۔

لیکن اس کی نیم وا آنکھیں جیسے ہی حیام پر ٹھہریں، ایک لمحے کے لیے وہیں رک گئیں۔

حیام ہسپتال کے گاؤن میں تھی۔

چہرہ زرد، آنکھیں سوجی ہوئی اور وجود کمزوری سے لرز رہا تھا۔

بے ہوشی اور غنودگی کے عالم میں بھی ماہیر کی نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

جیسے اس کے لیے پورے کمرے میں صرف ایک ہی وجود موجود ہو۔

حیام نے فوراً سنبھلتے ہوئے ڈاکٹر کو آواز دی۔

"!اعمارہ۔۔۔"

اس کی آواز سنتے ہی اعمارہ تقریباً دوڑتی ہوئی اندر آئی۔

اس کے پیچھے کارل بھی موجود تھا۔

اعمارہ فوراً ماہیر کے قریب پہنچی۔

اس نے مانیٹر کی ریڈنگز دیکھیں، ہارٹ بیٹ چیک کی، بلڈ پریشر نوٹ کیا اور مختلف آلات پر نظریں دوڑانے لگی۔

حیام پیچھے ہٹ کر کمرے کے ایک کونے میں رکھی کرسی پر جا بیٹھی تھی۔

اس کی ٹانگوں میں اب کھڑے رہنے کی طاقت نہیں رہی تھی۔

مگر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ماہیر کی نیم وا آنکھیں اب بھی بار بار اسی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

جیسے وہ یقین کر لینا چاہتا ہو کہ وہ واقعی اس کے سامنے موجود ہے۔

تبھی کارل آگے بڑھا۔

اس کی آنکھوں میں واضح سکون تھا۔

"تھینک گاڈ سر۔۔۔"

اس نے احترام سے ماہیر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"آپ کو ہوش آ گیا۔"

ماہیر نے بمشکل پلکیں جھپکائیں۔

اعمارہ نے تمام ریڈنگز دوبارہ چیک کیں۔

پھر احتیاط سے آکسیجن ماسک ہٹا دیا۔

ماسک ہٹتے ہی ماہیر نے گہرا سانس لینے کی کوشش کی۔

چند لمحوں کے لیے اس کی سانسیں معمول سے تیز ہو گئیں۔

حیام فوراً گھبرا گئی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ک۔۔۔کیا ہوا ہے ماہیر کو۔۔۔؟"

اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا تھا۔

اعمارہ نے فوراً اسے تسلی دی۔

"ریلیکس میم۔"

اس نے نرمی سے کہا۔

"ایسا ہونا نارمل ہے۔"

"بس کچھ وقت بعد سانسیں مکمل طور پر نارمل ہو جائیں گی۔"

پھر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ویسے سچ کہوں تو۔۔۔"

اس نے معنی خیز انداز میں حیام کی طرف دیکھا۔

"آپ کی وجہ سے انہیں اتنی جلدی ہوش آیا ہے۔"

حیام چونکی۔

اعمارہ مسکرا دی۔

"پوری ٹیم اس کیس کو بہت پیچیدہ سمجھ رہی تھی۔"

"لیکن شاید بعض مریض دواؤں سے زیادہ اپنے پیاروں کی آواز سے واپس آ جاتے ہیں۔"

کارل نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

حیام کی آنکھیں پھر نم ہو گئیں۔

اس نے بے اختیار ماہیر کی طرف دیکھا۔

ماہیر کی نظریں ابھی بھی اسی پر تھیں۔

کمزور، دھندلی مگر مکمل طور پر اسی پر مرکوز۔

،اعمارہ نے ڈرپ اسٹینڈ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا

"آپ یہاں بیٹھ جائیں۔"

"اگر ان کی طبیعت میں کوئی بھی تبدیلی محسوس ہو تو فوراً مجھے بلائیے گا۔"

"میں نئی ڈرپ تیار کر کے لاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

کارل بھی چند ضروری ہدایات لینے باہر نکل گیا۔

اب کمرے میں صرف دو لوگ رہ گئے تھے۔

حیام اور ماہیر۔

مشینوں کی مدھم آوازوں کے درمیان حیام آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دوبارہ اس کے قریب آئی۔

اس نے خاموشی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

ماہیر کی پلکیں بھاری تھیں۔

جسم کمزور تھا۔

لیکن اس کی انگلیاں آہستہ سے حیام کی انگلیوں میں سمٹ گئیں۔

اتنا سا لمس ہی حیام کے ضبط کو توڑنے کے لیے کافی تھا۔

اس کی آنکھوں سے ایک اور آنسو ٹپکا اور ماہیر کے ہاتھ پر جا گرا۔

ماہیر نے بمشکل ہونٹ ہلائے۔

آواز تقریباً سرگوشی جتنی تھی۔

"...حیام..."

اور حیام کا دل ایک بار پھر شدت سے دھڑک اٹھا۔

"ر۔۔۔رونا مت میری۔۔۔ ج۔۔۔جان۔۔۔"

ماہیر نے بمشکل الفاظ ادا کیے تھے۔

گولی لگنے، آپریشن اور بے ہوشی کے طویل دورانیے نے اس کی آواز کو کمزور کر دیا تھا۔ ہر لفظ جیسے سینے سے کھینچ کر نکالنا پڑ رہا تھا۔

"یہ بتاؤ۔۔۔ ت۔۔۔تم ٹھیک ہو۔۔۔؟"

اس کی نظریں مسلسل حیام کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

حیام کی آنکھیں پھر نم ہو گئیں۔

"جی میری جان، میں ٹھیک ہوں۔۔۔"

وہ آہستہ سے اس کے قریب آئی اور اپنی انگلیاں اس کی انگلیوں میں پھنسا دیں۔

جیسے یقین کرنا چاہتی ہو کہ وہ واقعی جاگ چکا ہے۔

ماہیر نے اس کی ہتھیلی کو کمزور سی گرفت میں لیا۔

پھر اس کی نظریں حیام کے سفید ہسپتال گاؤن پر جا ٹھہریں۔

یہی گاؤن تھا جو ہوش میں آتے ہی اس کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔

"پ۔۔۔پھر یہ گ۔۔۔گاؤن کیوں پہنا ہے۔۔۔؟"

اس نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

حیام ہلکا سا مسکرائی۔

"کچھ نہیں ہوا ماہیر۔۔۔"

اس نے نرمی سے کہا۔

"میں آپ کے سامنے ہوں۔۔۔ اور آپ کا بےبی بھی بالکل ٹھیک ہے۔۔۔"

یہ سنتے ہی ماہیر کی آنکھوں میں ایک لمحے کو سکون سا اترا۔

"آپ بس جلدی سے ٹھیک ہو جائیں نا۔۔۔"

حیام نے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھا۔

ماہیر نے آنکھیں چند لمحوں کے لیے بند کیں۔

پھر آہستہ سے بولا،

"ہمم۔۔۔"

اس کے جبڑے تن گئے تھے۔

"چھوڑوں گا نہیں۔۔۔ ک۔۔۔کسی کو بھی۔۔۔"

بے بسی اس کی آواز میں صاف محسوس ہو رہی تھی۔

وہ اس وقت بستر سے اٹھ بھی نہیں سکتا تھا اور یہی بات اسے سب سے زیادہ پریشان کر رہی تھی۔

"ریلیکس۔۔۔"

حیام نے فوراً اسے ٹوکا۔

وہ سرہانے کے قریب بیٹھ گئی۔

اس کے چہرے پر پہلی بار ہلکی سی شرارت نمودار ہوئی۔

"ہر وقت لڑنے کے بارے میں ہی سوچتے رہتے ہیں آپ۔"

ماہیر نے کمزور سی مسکراہٹ دی۔

"ک۔۔۔کیونکہ تم میری ہو۔۔۔"

اس کے لہجے میں وہی پرانا حق جتانا موجود تھا۔

حیام کا دل عجیب سی نرمی سے بھر گیا۔

"عادتیں خراب کر دی ہیں آپ نے میری۔۔۔"

وہ دھیرے سے بولی۔

ماہیر نے آنکھیں بند کر لیں۔

جیسے صرف اس کی آواز سننا چاہتا ہو۔

"تمہاری آواز۔۔۔"

وہ رکتے رکتے بولا۔

"پرسکون کر دیتی ہے۔۔۔"

حیام کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

وہ ذرا اور قریب جھکی۔

"اچھا۔۔۔؟"

ماہیر نے بمشکل آنکھ کھولی۔

"تو ق۔۔۔قریب آ جاؤ نا۔۔۔"

اس کے لہجے میں کمزوری کے باوجود شرارت شامل تھی۔

حیام فوراً شرما گئی۔

"شرم کریں۔۔۔ ہسپتال میں ہیں ہم۔"

"سانس لی نہیں جا رہی۔۔۔"

وہ جان بوجھ کر بولی۔

ماہیر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی ہتھیلی پر انگلی پھیری۔

"پھر تم ہی ہمت دو۔۔۔"

اس کی نظریں مسلسل حیام پر مرکوز تھیں۔

حیام نے نظریں جھکا لیں۔

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی پھیل گئی۔

صرف مانیٹر کی بیپ سنائی دے رہی تھی۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

حیام فوراً سیدھی ہو کر اس سے کچھ فاصلے پر ہو گئی۔

ماہیر نے بے بسی سے آنکھیں بند کیں۔

"دھیان سے۔۔۔"

وہ بمشکل بولا۔

دروازہ کھلا اور اعمارہ اندر داخل ہوئی۔

اس کے ہاتھ میں نئی ڈرپ تھی۔

ایک نظر اس نے حیام کے سرخ ہوتے چہرے پر ڈالی اور بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ روکی۔

،پھر مکمل پروفیشنل انداز اپناتے ہوئے بولی

"سر، نئی ڈرپ لگانی ہے۔"

ماہیر نے مختصر سا سر ہلایا۔

اعمارہ نے ڈرپ سیٹ کرتے ہوئے تمام ریڈنگز دوبارہ چیک کیں۔

سب کچھ پہلے سے بہتر تھا۔

"اگلے چند گھنٹے بہت ضروری ہیں۔"

وہ فائل بند کرتے ہوئے بولی۔

"آپ دونوں کو آرام کرنا چاہیے۔"

پھر حیام کی طرف دیکھ کر بولی،

"میم کو بھی مکمل ریسٹ کی ضرورت ہے۔"

ماہیر نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں۔۔۔؟"

اعمارہ نے گلا صاف کیا۔

"سر، ان کی بھی طبیعت کمزور ہے۔"

"اگر آپ کہیں تو میں انہیں ان کے روم میں شفٹ کروا دوں۔"

حیام نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

ماہیر نے چند لمحے اعمارہ کو دیکھا۔

،پھر بالکل سنجیدگی سے بولا

"نہیں۔"

اعمارہ خاموش ہو گئی۔

میری بیوی۔۔۔"

ماہیر نے آہستہ مگر واضح لہجے میں کہا۔

"یہیں رہے گی۔"

"تو سر، دوسرا بیڈ اسی روم میں لگوا دیتی ہوں۔"

اعمارہ نے فوراً حل پیش کیا۔

"نہیں ہم دونوں ایک ہی بیڈ پر ایڈجیسٹ کر لیں گے"۔۔۔"

،ماہیر نے حیام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

م

حیام نے شرماتے ہوئے اسے گھورا۔

جبکہ امارہ نے فائل بند کی، نظریں نیچی کیں اور دل ہی دل میں مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

اسے معلوم تھا کہ اب اس مریض کی صحت یابی میں دوائیوں سے زیادہ اس کی بیوی کا ساتھ کام آنے والا تھا۔

....

حویلی کا ماحول غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔ باسل صبح ہی کسی ضروری کام کے سلسلے میں ہسپتال گیا ہوا تھا۔ کئی اہم کیسز پینڈنگ تھے، اس لیے اس کا دن بھر واپس آنا ممکن نہ ہو سکا۔ شام گہری ہو رہی تھی مگر ابھی تک اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ دوسری طرف میر بھی صبح سے مختلف پنچائتوں اور میٹنگز میں الجھا ہوا تھا، اس لیے حویلی کا بڑا حصہ وقتی طور پر خالی سا محسوس ہو رہا تھا۔

منت لان میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ طبیعت پہلے سے کافی بہتر ہو چکی تھی مگر ذہن میں ہلکی سی بے چینی اور بوریت حاوی تھی۔ وہ بار بار ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جیسے کسی دلچسپ لمحے کی تلاش ہو۔

روح اس کے پاس آ کر بیٹھی تو اس نے ہلکے سے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہو رہا ہے بھابھی جان۔۔۔؟"

منت نے سادہ سا جواب دیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ بس بور ہو رہی ہوں۔"

روح نے فوراً شرارتی انداز اپنایا۔

”ہاں جی، کیونکہ آپ کے ہسبینڈ جی جو نہیں ہیں۔“

منت نے ہلکی سی سانس خارج کی۔

”اُف روح بس کرو یار۔۔۔ وہ ہو تو پھر بس مکھن ہی لگاتے ہیں۔“

روح نے آنکھ دبا کر کہا۔

مکھن نہیں، پیار کرتے ہیں۔ آپ کے والے تو پیار نہیں، عشق کرتے ہیں۔"

منت کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ہاں یہ تو ہے۔۔۔"

روح فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو نا شاپنگ پر چلتے ہیں، میں بھی بور ہو رہی ہوں۔ ویسے بھی مجھے کچھ ضروری سامان لینا ہے۔"

منت نے باہر کے بدلتے ہوئے وقت کو دیکھا۔

”روح ابھی دیکھو شام ہو رہی ہے، بھائی کو پتا لگ گیا نا۔۔۔“

روح نے فوراً یقین دلاتے ہوئے کہا۔

”نہیں لگتا پتا، میری بات ہو گئی ہے ان سے۔ ایک گھنٹہ لگ جائے گا بس۔“

روح کی ضد کے آگے آخرکار منت مان گئی۔

"اوکے چلو۔۔۔ مجھے بھی پھنساو گی تم۔"

دونوں فوراً تیار ہونے کے لیے اندر چلی گئیں۔

اگلے دس منٹ میں دونوں مکمل تیار ہو کر حویلی سے باہر نکل آئیں۔ روح نے خود گاڑی اسٹارٹ کی اور منت اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

روح نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

دھیان سے اور ذرا جلدی چیزیں لینا، بھائی کو پتا لگا تو تمہیں تو شاید نا کچھ کہے، میری جان لے لینی ہے۔"

منت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"افف کیوں ڈرتی ہو اتنا۔۔ تمہارے بھائی اب میرے مٹھی میں ہیں۔"

منت کا قہقہہ فضا میں بکھر گیا۔

اسی دوران کہیں اور ایک شخص نے گاڑی کو دیکھتے ہی کال ملائی۔

فون پر گرجدار آواز آئی۔

"بوس، گاڑی نکلی ہے آپ کی بھیجی ہوئی معلومات کے مطابق، ایک لڑکی اور ایک سردار میر شاہ کی بیوی ہے۔۔۔ اٹھا لو دونوں کو۔

فون بند ہوا تو اشارہ ملتے ہی کئی گاڑیاں حرکت میں آگئیں۔ اندر بندوقوں کے سائے پھیل گئے۔

چند لمحوں بعد مال کے سامنے تین گاڑیوں نے ان کی گاڑی کو گھیر لیا۔ روح نے فوراً بریک لگائی۔

منت۔۔۔ یہ کون لوگ ہیں؟ اور ہمارے ارد گرد کیوں چکر لگا رہے ہیں؟ ” روح کے ہاتھ ہلکے سے کانپنے لگے۔

منت کا دل بھی لرز گیا۔

”دروازہ نا کھولنا روح۔۔۔ یہ فہد ملک کے لوگ ہیں شاید۔۔۔“

منت نے جلدی سے فون نکال کر میر کو لوکیشن بھیجنے کی کوشش کی اور بار بار کال ملائی، مگر نمبر مسلسل بزی آ رہا تھا۔

اس کے ساتھ ہی ایک آدمی گاڑی کے قریب آیا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔

”کھولو دروازہ لڑکی!“

روح فوراً غصے سے چلائی۔

”کیوں؟ ہماری گاڑی ہے، کیوں کھولیں؟ شکل گم کرو موٹے بھینس!“

منت نے گھبرا کر کہا۔

"!روح چپ کر یہ ہمیں کڈنیپ کرنے آتے ہیں"

روح نے بازو چڑھاتے ہوئے کہا۔

"!یہ مجھے نہیں جانتے کہ میں کون ہوں"

وہ فوراً گاڑی سے باہر نکل گئی اور منت بھی اس کے پیچھے آ گئی۔

ایک آدمی نے روح کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی، مگر روح نے اس کا ہاتھ موڑ کر ٹانگ مار دی۔ وہ زمین پر گر گیا۔ منت حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

دوسرا آدمی بھاگا تو روح نے سائیڈ ہو کر اسے گاڑی سے ٹکرا دیا۔ پھر اس کے ہاتھ سے ہاکی چھین کر اس پر وار کیا۔

تیسرا آدمی آیا تو روح نے ہاکی گھما کر اس کے سر پر ضرب لگائی۔

منت کی چیخیں بار بار بلند ہو رہی تھیں۔

اسی لمحے پیچھے گاڑیوں کی قطار آ کر رکی۔ میر اپنے گارڈز کے ساتھ تیزی سے نیچے اترا۔

منت۔۔۔ روح کہاں ہے؟ ''اس کی آواز میں واضح پریشانی تھی۔''

وہ لوکیشن کے مطابق اسی جگہ پہنچا تھا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر وہ لمحے بھر کے لیے ساکت رہ گیا۔روح ایک ہاکی ہاتھ میں لیے لڑ رہی تھی جیسے کوئی تربیت یافتہ فائٹر ہو۔

اسی دوران ایک اور آدمی اس پر جھپٹا، مگر روح نے فوراً نیچے بیٹھ کر اس کی ٹانگ گھما دی اور وہ منہ کے بل گر گیا۔

اچانک فہد ملک اپنی پوری ٹیم کے ساتھ اسلحے سمیت وہاں پہنچ گیا۔

اووو تو تو نے اسے بھی ٹریننگ دے رکھی ہے۔۔"فہد ملک نے" طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ پستول گھمایا۔

روح نے فوراً آواز دی۔

”!میر !میں ان کے ساتھ خود نمٹ لوں گی“

میر نے سخت لہجے میں کہا۔

”!روح گاڑی میں بیٹھو“

فہد ملک ہنسا۔

”تو میر شاہ کی جان اس کے طوطے میں ہے۔۔۔ اگر طوطے کی گردن

ہی اڑا دی جائے تو۔۔۔ میر شاہ تو گیا۔

اور اس نے ٹریگر دبا دیا۔

گولی فضا چیرتی ہوئی سیدھی روح کے پیٹ میں لگی۔

روح کا جسم جھٹکے سے پیچھے گیا، آنکھوں میں حیرت اور درد کی شدید لہر اتر آئی۔

"ر۔۔۔روح!" میر کی آواز پوری فضا میں گونج اٹھی۔

منت ساکت کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی، جیسے وقت رک گیا ہو۔

روح نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا، خون تیزی سے بہنے لگا۔ اس کی ٹانگیں کمزور پڑ گئیں اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے سیدھا میر کے بازوؤں میں آ گری۔

میر نے اسے فوراً تھام لیا، اس کی آواز ٹوٹنے لگی۔

"روح۔۔۔ روح!"

میر نے اسے بازوؤں میں اٹھایا تو اس کے قدم کسی مشین کی طرح تیزی سے ہسپتال کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خون سے بھیگے ہوئے کپڑے اور لرزتے ہاتھ اس کی حالت کو ظاہر کر رہے تھے، مگر اس وقت اس کے اندر

صرف ایک ہی چیز چل رہی تھی۔۔۔ ''روح بچ جائے۔'' وہ اندر داخل ہوتے ہی گرجدار آواز میں چلایا، ''ڈاکٹر''!...اس کی آواز پورے ایمرجنسی یونٹ میں گونج گئی۔

منت بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہوئی اندر آئی تھی، آنکھوں سے آنسو مسلسل گر رہے تھے۔ پورا اسٹاف فوراً متحرک ہو گیا۔ اسٹریچر آگے بڑھایا گیا، ڈرپس تیار کی گئیں اور روح کو فوراً ایمرجنسی روم کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ میر وہیں دروازے کے پاس جیسے ٹوٹ کر بیٹھ گیا ہو، دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بے جان سا ہو گیا تھا۔ اس کی سانسیں تیز تھیں، مگر آنکھوں میں ایک ہی منظر تھا ...خون سے بھیگی ہوئی روح۔

منت روتے ہوئے اس کے قریب آئی اور سیدھا اس کے سینے سے لگ گئی۔ ''یہ ہم نے کیا کر دیا ''۔۔۔ وہ ہچکیوں میں بول رہی تھی۔ میر نے اچانک غصے اور درد کے ملاپ سے اس کی طرف دیکھا، ''غلطی۔۔۔ بہت بڑی غلطی کر دی انہوں نے۔ اگر میری روح کو کچھ ہوا تو میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا ''...اس کی آواز ٹوٹتی ہوئی مگر خطرناک حد تک سخت تھی۔

اسی وقت باسل تیزی سے آپریشن تھیٹر کی طرف سے نکلا، اس کے چہرے پر پریشانی واضح تھی۔ شور سن کر اس نے فوراً پوچھا، ''ڈاکٹر... کیا ہوا ہے؟ ''ایک ڈاکٹر نے جواب دیا، ''میر شاہ کی وائف کو گولی لگی ہے،

ایمرجنسی میں لے گئے ہیں۔" یہ سنتے ہی باسل کا سانس ایک لمحے کو رک گیا۔ وہ بغیر کچھ سوچے دوڑتا ہوا میر کے پاس آیا، "میر۔۔۔ کیا ہوا ہے روح کو؟ کیسے لگی گولی؟"

میر نے جیسے اپنے اندر کا آخری ضبط بھی کھو دیا ہو، باسل کا گریبان پکڑ لیا، "بچاؤ میری روح کو...بچالو اسے...ورنہ میں سب کچھ ختم کر دوں گا!" اس کی آنکھوں میں جنون اور بے بسی ایک ساتھ تیر رہی تھی۔

باسل نے مشکل سے اس کے ہاتھوں کو ہٹایا اور خود کو سنبھالتے ہوئے بولا، ''میں دیکھتا ہوں''... پھر وہ تیزی سے ایمرجنسی روم کی طرف بڑھ گیا۔

آپریشن تھیٹر کے اندر کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ مشینوں کی مسلسل آوازیں، بیپ بیپ کرتے مانیٹرز، اور درمیان میں لیٹی ہوئی روح... جس کے جسم سے جڑی ڈرپس اور آکسیجن ماسک اس کی حالت کو واضح کر رہے تھے۔ ڈاکٹرز کی ٹیم مسلسل اس کی جان بچانے کی کوشش میں مصروف تھی۔

باسل اندر داخل ہوا تو لمحے بھر کے لیے رک گیا۔ اس کی نظریں سیدھا اپنی بہن پر پڑیں، مگر وہاں جذبات دکھانے کا وقت نہیں تھا۔ ایک سینئر سرجن کے طور پر اس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا، گلوز پہنے اور آپریشن ٹیبل کے قریب آ گیا۔

"بلٹ کی پوزیشن بتاؤ... فوراً نکالنا ہے، بلڈ پریشر ڈراپ ہو رہا ہے!"

اس کی آواز اب مکمل پروفیشنل تھی، مگر ہاتھ ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ کوئی عام مریض نہیں... یہ اس کی اپنی روح تھی، اسکی جان سے پیاری بہن جسے بچانا اب اس کی زندگی کا سب سے بڑا امتحان بن چکا تھا۔

وہ پوری مہارت اور ضبط کے ساتھ آپریشن میں جُت گیا، جبکہ باہر ہر ایک لمحہ میر اور منت کے لیے قیامت سے کم نہیں تھا۔

یہ خبر چند ہی لمحوں میں پوری حویلی تک پہنچ چکی تھی۔ ہسپتال کے باہر میڈیا کا شور، فلیش لائٹس کی چمک، اور بے قابو ہجوم... مگر اندر کا ماحول اس سب سے کہیں زیادہ بھاری تھا۔ وارث خاندان کے افراد——زیمرہ شاہ، عیان شاہ، شاہ زیب شاہ اور آغا جان——سب کے سب ہسپتال کے ویٹنگ ایریا میں موجود تھے۔ ہر چہرہ پریشانی سے سفید پڑا ہوا تھا۔

…زیمرہ شاہ دونوں ہاتھ اٹھائے مسلسل دعا میں مصروف تھی، ''یا اللہ میری بیٹی کو بچا لے …اتنے سالوں بعد تو نے ہمیں خوشی دی ہے، اب واپس نہ لینا ''… اس کی آواز کانپ رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

میر ایک طرف خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے جسم سے جان نکل چکی ہو۔ آنکھیں ایک نقطے پر جمی ہوئی تھیں اور چہرہ مکمل طور پر بے حس تھا۔ وہ نہ کسی کو دیکھ رہا تھا، نہ سن رہا تھا…بس ایک ہی خوف اس کے اندر گونج رہا تھا——''اگر روح کو کچھ ہو گیا تو…''

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر باہر آیا۔ ماحول میں یکدم خاموشی چھا گئی۔ میر فوراً کھڑا ہوا، اس کے قدم خود بخود ڈاکٹر کی طرف بڑھے۔

ڈاکٹر... روح کیسی ہے؟" اس کی آواز سخت بھی تھی اور ٹوٹی ہوئی" بھی۔

ڈاکٹر نے سنبھل کر کہا، "آپ کی مسز اس وقت اسٹیبل ہیں... لیکن ان کا بہت زیادہ خون بہہ چکا ہے۔ گولی اووری کے قریب لگی ہے، اس لیے کمپلیکیشنز کا خطرہ موجود ہے..."

یہ سننا تھا کہ میر کے چہرے پر غصہ اور بے بسی ایک ساتھ ابھری۔ ''مجھے بس میری روح چاہیے، اور کچھ نہیں''! اس کی آواز ہال میں گونج گئی۔

ڈاکٹر نے جلدی سے مزید کہا، ''سر، باسل صاحب اندر ہی ہیں۔ وہ خود چیک اپ کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں مریض ہوش میں آجائیں گی، پھر آپ ملاقات کر سکتے ہیں...''

میر ڈاکٹر کی بات مکمل سنے بغیر ہی ایمرجنسی روم کی طرف بڑھ گیا۔

اندر کا منظر انتہائی نازک تھا۔ باسل خاموشی سے روح کے قریب کھڑا اس کے مانیٹرز کو دیکھ رہا تھا۔ ہر بیپ اس کی حالت کی کہانی سنا رہی تھی۔

میر اندر داخل ہوا تو فوراً اس کی نظر روح پر پڑی۔ آکسیجن ماسک میں ڈوبی ہوئی، کمزور سانسیں لیتے ہوئے وہ بے حد بے بس لگ رہی تھی۔

"کیسی ہے میری روح؟" میر کی آواز پہلی بار نرم اور ٹوٹی ہوئی نکلی۔

باسل نے مختصر سا سر ہلایا، "اس کی حالت نازک تھی، مگر اللہ کا کرم ہے ...اب خطرہ کم ہے۔ لیکن مکمل ریکوری وقت لے گی۔"

میر آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا۔ اس نے روح کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ ہاتھ اتنا ٹھنڈا اور کمزور تھا کہ میر کا دل جیسے اندر سے ٹوٹ گیا۔

روح "۔۔۔ اس نے دھیرے سے پکارا، جیسے لفظ بھی اس کے گلے" میں پھنس گئے ہوں۔ "پلیز۔۔۔ میری طرف دیکھو۔۔۔ تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا..."

۔۔۔اس نے روح کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔ ایک لمبا لمحہ... خاموشی صرف مشینوں کی آواز اور ایک ٹوٹتے ہوئے انسان کی سانسیں۔

روح بے حس سی پڑی رہی، مگر میر کا ہاتھ اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھامے رہا، جیسے وہ اسے زندگی سے کھینچ کر واپس لانا چاہتا ہو۔

....

کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف مانیٹر کی مسلسل بیپ بیپ سنائی دے رہی تھی۔ میر روح کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اس کے قریب بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں مسلسل روح کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، جیسے ایک پل کے لیے بھی نظریں ہٹائیں تو وہ اسے کھو دے گا۔

تبھی دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر چیک اپ کے لیے اندر داخل ہوا۔

"دیکھیں سر، آپ اس طرح پیشنٹ کو ڈسٹرب نہ کریں۔ پلیز آپ باہر جائیں تاکہ ہم چیک اپ کر سکیں۔۔۔"

ڈاکٹر نے نرمی سے کہا تھا۔

میر کی پلکیں آہستہ سے اٹھیں۔

اس نے ایک نظر ڈاکٹر کو دیکھا۔

پھر دوبارہ روح کی طرف دیکھنے لگا۔

اس کی آنکھوں سے خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے جو روح کے ہاتھ پر گر رہے تھے۔

”سر۔۔۔ پلیز۔۔۔“

ڈاکٹر نے دوبارہ کہنا چاہا تھا۔

لیکن اگلے ہی لمحے میر آہستہ سے کھڑا ہوا۔

اس کی آنکھوں میں ایسی وحشت تھی کہ ڈاکٹر کے قدم خود بخود پیچھے ہٹ گئے۔

"اب ت۔۔۔تم۔۔۔ تم مجھے سکھاؤ گے کہ مجھے اپنی روح کے پاس رہنا ہے کہ نہیں۔۔۔؟"

میر کی آواز خطرناک حد تک دھیمی تھی۔

"باسل کو بلاو۔۔۔"

پھر اچانک اس نے اپنی کمر سے پستول نکالی اور سیدھی ڈاکٹر کی کنپٹی پر رکھ دی۔

خبردار۔۔۔ اگر میری بیوی کو چھوا بھی تو۔۔۔"

"جان لے لوں گا۔۔۔

ڈاکٹر کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

”س۔۔۔سر۔۔۔ م۔۔۔میں تو بس۔۔۔“

”!نکل جاؤ یہاں سے۔۔۔“

میر دھاڑا تھا۔

ڈاکٹر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔

وہ تقریباً بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکلا تھا۔

باہر راہداری میں باسل کچھ رپورٹس دیکھ رہا تھا جب ڈاکٹر ہانپتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔

”کیا ہوا ہے؟“

باسل نے چونک کر پوچھا۔

”و۔۔وہ آپ کے کزن۔۔۔“

”کیا ہوا میر کو؟“

”!جو بھی ہیں۔۔۔ پاگل ہیں۔۔۔“

ڈاکٹر نے اپنی کنپٹی کی طرف اشارہ کیا۔

”!یہاں پستول رکھ دی اس نے۔۔۔“

باسل نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں۔

پھر گہرا سانس لیا۔

"کیا بک رہے ہیں۔۔۔"

"بک نہیں رہا میں۔۔۔ قسم سے اگر میں ایک منٹ اور اندر رہتا تو شاید واقعی گولی مار دیتے۔۔۔!"

ڈاکٹر نے ابھی تک اپنے کانپتے ہاتھ سنبھالنے کی کوشش کی۔

باسل نے بے بسی سے ماتھا مسلا۔

”اچھا۔۔ میں دیکھتا ہوں۔۔“

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

میر وہیں کھڑا تھا۔

جیسے پتھر کا بنا مجسمہ ہو۔

اس کی نظریں صرف روح پر تھیں۔

کمرے میں داخل ہونے کی آواز پر بھی اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

"میر۔۔۔"

باسل نے آہستہ سے پکارا۔

تب میر نے گردن موڑی۔

اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر باسل کے دل میں بھی درد سا اٹھا تھا۔

"تو کیسا ڈاکٹر ہے تو۔۔۔؟"

میر کی آواز بھاری تھی۔

”بتا میری روح کو کب ہوش آئے گا۔۔۔؟“

باسل چند لمحے خاموش رہا۔

پھر آہستہ سے اس کے قریب آیا۔

”دیکھ میر۔۔۔ کبھی کبھی وقت لگ جاتا ہے۔۔۔ جسم کو ریکور ہونے کے لیے آرام چاہیے ہوتا ہے۔۔۔

”ریلیکس ہو جا۔۔۔“

میر کے ہونٹوں پر تلخ ہنسی آئی۔

”کیسے ہو جاؤں ریلیکس۔۔۔؟“

اس نے ایک جھٹکے سے باسل کی طرف دیکھا۔

“میری جان میرے سامنے زندگی اور موت کی لڑائی لڑ رہی ہے۔۔۔

اور تو کہہ رہا ہے ریلیکس ہو جا۔۔؟”

اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔

“میری بھی بہن ہے وہ میر۔۔۔”

باسل نے بمشکل کہا۔

"اور مجھے بھی تکلیف ہو رہی ہے۔۔۔"

میر نے ایک لمحہ اسے دیکھا۔

پھر دونوں ہاتھ بالوں میں پھیر لیے۔

"نہیں۔۔۔"

اس نے سر نفی میں ہلایا۔

”تم نہیں سمجھ سکتے۔۔۔“

اس کی نظریں دوبارہ روح پر جم گئیں۔

”وہ میری سانس ہے باسل۔۔۔“

"اگر اسے کچھ ہو گیا نا۔۔۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

"تو شاید میں بھی زندہ نہ رہ سکوں۔۔۔"

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

صرف مانیٹر کی بیپ سنائی دے رہی تھی۔

پھر اچانک میر سیدھا باسل کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

”سن۔۔۔“

”آدھے گھنٹے۔۔۔“

”صرف آدھے گھنٹے۔۔۔“

”اگر میری روح ہوش میں نہ آئی نا۔۔۔“

اس نے انگلی سیدھی باسل کی طرف کی۔

”تو تیری گردن اڑا دوں گا۔۔۔“

”بھول جاؤں گا کہ تو رشتے میں میرا بہنوئی لگتا ہے۔۔۔“

یہ کہہ کر وہ پلٹا۔

اور لمبے لمبے قدم لیتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازہ زور سے بند ہوا تھا۔

”اف۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔“

باسل نے بے بسی سے ماتھا مسلا۔

پھر آہستہ آہستہ روح کے بیڈ کے قریب آیا۔

اس نے مانیٹر پر نظر ڈالی۔

ہارٹ بیٹ ابھی نارمل رینج میں تھی۔

بلڈ پریشر بھی پہلے سے بہتر تھا۔

اس نے روح کی پلکوں کا جائزہ لیا۔

پھر ڈرپ چیک کی۔

”چلو گڑیا۔۔۔“

اس نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اب جلدی سے آنکھیں کھول دو۔۔۔"

"ورنہ آج میرا علاج تم سے زیادہ ضروری ہو جائے گا۔۔۔"

اس نے دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے ابھی ابھی میر باہر گیا تھا۔

اور پہلی بار اسے واقعی اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا تھا۔

....

آپریشن تھیٹر کی تیز روشنیوں اور مشینوں کی مسلسل بیپ بیپ کے درمیان روح بے حس سی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی جبکہ آکسیجن ماسک کے اندر اس کی سانسیں دھیمی چل رہی تھیں۔ کمرے میں موجود ہر شخص کی نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وقت جیسے رک گیا تھا۔

باسل اس کے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھا تھا۔ کئی گھنٹوں سے اس نے آنکھ تک نہیں جھپکی تھی۔ وہ بار بار روح کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر مسل رہا تھا، جیسے اپنے لمس سے اسے واپس زندگی کی طرف کھینچ لینا چاہتا ہو۔

اچانک روح کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔

باسل چونک کر سیدھا ہوا۔

"ر...روح؟"

اس نے بےاختیار جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

روح کی پلکیں دوبارہ تھرتھرائیں۔ اس کی انگلیوں میں معمولی سی حرکت پیدا ہوئی تھی۔

"اٹھ جا میری گڑیا... میری بہن اٹھ جا... نہیں تو تیرا پتی دیو میرا قتل کر دے گا..."

باسل نے نم آنکھوں کے ساتھ ہلکی سی مسکراہٹ بنانے کی کوشش کی۔

روح نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں۔

روشنی اس کی آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔

اسے سب کچھ دھندلا دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔

پیٹ میں اٹھتی شدید تکلیف نے اس کی سانس روک دی۔

"آہ۔۔۔"

درد کی ایک لہر پورے جسم میں دوڑ گئی۔

اس کی آنکھوں کے کناروں سے آنسو بہہ نکلے۔

"روح ...میری جان ...ٹھیک ہو تم؟"

باسل نے فوراًاس کے سرد ہوتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر مسلا۔

روح نے بمشکل سر ہلایا۔

"ہ۔۔۔ہمم۔۔۔"

اس کی آواز ماسک کے پیچھے دب گئی تھی۔

باسل نے فوراً ڈرپ میں پین کلر انجیکٹ کیا۔

"...شاباش میری بہن ...بس تھوڑا سا اور"

اس نے فوراً باہر کی طرف دیکھا۔

"!ماما !روح کو ہوش آ گیا ہے"

اس کی آواز سنتے ہی راہداری میں بیٹھے سب لوگ ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیا؟"

زیمرہ تقریباً دوڑتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں۔

ان کی آنکھوں میں جمع آنسو بہنے لگے۔

"...شکر ہے یا اللہ ...شکر ہے"

وہ روح کے قریب آئیں اور اس کے ماتھے پر بوسہ دے دیا۔

"...میری بچی ...میری جان"

روح نے دھندلی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔

اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"م۔۔۔ماما۔۔۔"

بس اتنا ہی کہہ پائی۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہوگی۔

تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔

آپ کے تعاون کا شکریہ۔

زیمرہ کی ہچکیاں نکل گئیں۔

"...میں یہیں ہوں میری جان ... کہیں نہیں گئی"

اسی لمحے راہداری میں تیز قدموں کی آواز گونجی۔

میر جو نوافل پڑھ کر ا رہا تھا باسل کی آواز سنتے بھاگتا ہوا راہدری سے اندر داخل ہوا تھا

اس کے چہرے پر کئی گھنٹوں کی اذیت صاف لکھی ہوئی تھی۔

آنکھیں سرخ تھیں۔

بال بکھرے ہوئے تھے۔

روح کی آنکھیں اس پر ٹھہریں تو اس کا دل جیسے سکون میں آ گیا۔

میر چند لمحے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

جیسے یقین نہ آرہا ہو کہ اس کی روح واقعی اس کے سامنے آنکھیں کھولے موجود ہے۔

پھر وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے روح کا ہاتھ پکڑا۔

"ر۔۔۔روح..."

اس کی آواز بری طرح بھرا گئی تھی۔

"ٹھیک ہو نا تم؟"

روح نے اسے دیکھا۔

میر کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

وہی میر شاہ جس سے لوگ خوف کھاتے تھے، آج ایک بے بس انسان بن کر اپنی دنیا کے سامنے کھڑا تھا۔

"م۔۔۔میر۔۔۔"

روح نے بمشکل اس کا نام لیا۔اسے بولنے میں دقت ہو رہی تھی

میر کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرے۔

وہ فوراً جھک گیا اور اس کے ہاتھ پر اپنے لب رکھ دیے۔

"...دوبارہ ایسا مت کرنا"

اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

"...قسم سے میری جان نکل گئی تھی"

روح نے کمزور سی مسکراہٹ دی۔

"میں۔۔۔کہاں۔۔۔جا رہی تھی۔۔۔؟"

میر ہنس بھی پڑا اور رو بھی دیا۔

"خاموش..."

اس نے آہستگی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"...اب صرف آرام کرو"

روح کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے۔

اس نے بڑی مشکل سے اپنی انگلیاں میر کی انگلیوں میں پھنسا دیں۔

میر نے فوراً اس کی گرفت مضبوط کر لی۔

جیسے پوری دنیا چھوڑ سکتا تھا، مگر اس ہاتھ کو نہیں۔

کمرے میں موجود سب لوگ خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

اور برسوں بعد پہلی بار آغا جان نے آسمان کی طرف دیکھ کر دل سے شکر ادا کیا تھا کہ ان کے گھر کی رونق، ان کی روح، موت کے دروازے سے واپس لوٹ آئی تھی۔

......

روح کو مکمل طور پر ہوش نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی آکسیجن ماسک کے ساتھ ہلکی ہلکی سانس لے رہی تھی، آنکھیں کبھی بند ہوتیں کبھی آدھی کھل

جاتیں۔ جسم پر کمزوری ایسی تھی کہ معمولی سا ہلنا بھی تکلیف کو بڑھا دیتا تھا۔ ڈرپس مسلسل لگ رہی تھیں اور مشینوں کی بیپ خاموش کمرے میں ایک بھاری سا احساس پیدا کر رہی تھی۔

میر اس وقت اس کے بیڈ کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں روح کی انگلیاں تھیں، مگر گرفت نہیں تھی، صرف لمس تھا جیسے وہ خود کو یقین دلا رہا ہو کہ وہ ابھی موجود ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں مگر چہرے پر وہی سختی تھی جس میں صرف بے بسی چھپی تھی۔

اسے گھر لے چلیں ”··· میر کی آواز بھاری تھی، جیسے الفاظ بھی“
زخمی ہو رہے ہوں۔ “یہ ہسپتال کی دیواریں مجھے اور نہیں دیکھنے دے
”...رہیں باسل

،باسل نے فائل بند کی اور ایک لمحہ خاموش رہا۔ پھر آہستہ سے بولا

...میر··· ابھی اس کا ٹرانسفر خطرناک ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر تم چاہو تو“
”...ہم اسے سٹیبل کر کے گھر شفٹ کر سکتے ہیں۔ مگر

وہ رکا، پھر حقیقت صاف بول دی۔

"مگر ہر موومنٹ میں درد بڑھے گا۔ اسٹچز ابھی نازک ہیں۔ ایک ہی جگہ پر انجری ہے، اس لیے ہر جھٹکا اسے تکلیف دے گا۔"

میر نے نظریں روح کے چہرے پر جما دیں۔ وہ سانس لیتی تھی مگر ہر سانس کے ساتھ اس کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آ جاتی تھی۔ جیسے درد نیند کے اندر بھی اسے چھوڑ نہیں رہا تھا۔

"میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا"... میر کی آواز پہلی بار ٹوٹی تھی۔

"باسل تم سمجھ نہیں رہے ...یہ میری برداشت سے باہر ہے۔"

باسل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں سمجھ رہا ہوں میر۔۔۔ اس لیے روک رہا ہوں۔ لیکن اگر یہی واحد راستہ ہو کہ وہ تمہارے پاس رہ سکے، تو ہمیں کوشش کرنی ہو گی۔"

کمرہ پھر خاموش ہو گیا۔ صرف روح کی سانسوں کی آواز اور مشینوں کی بیپ رہ گئی۔

کچھ دیر بعد باسل نے نرس کو بلایا، اور احتیاط سے ساری تیاری شروع کر دی گئی۔ آکسیجن پورٹیبل کر دی گئی، ڈرپ فکس کی گئی، اور اسٹچز کو مزید سیکیور کیا گیا۔

—روح کی آنکھیں ایک بار پھر کھلیں۔ اس نے بس دھندلا سا منظر دیکھا
میر کا چہرہ، اس کی جھکی ہوئی پیشانی، اور ہاتھ جو اس کے ہاتھ کو تھامے
ہوئے تھے۔

وہ کچھ بول نہ سکی۔۔۔ بس ہلکی سی پلکیں جھپکیں، جیسے کہنا چاہ رہی ہو کہ وہ
یہیں ہے۔

میر نے فوراً اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما۔

"۔۔۔بس تھوڑا سا اور ... کہیں نہیں جانے دوں گا تمہیں"

روح کی پلکیں دوبارہ بند ہو گئیں، مگر اس بار اس کے چہرے پر درد کے ساتھ ایک عجیب سا سکون بھی تھا۔

اور پھر آہستہ آہستہ اسے اسٹریچر پر شفٹ کیا جانے لگا... گھر واپسی کے لیے، مگر ہر قدم کے ساتھ ایک خطرناک نزاکت بھی ساتھ چل رہی تھی۔

.....

ہسپتال سے واپسی کے بعد گھر کا ماحول بالکل بدل چکا تھا۔ وہی حویلی جو کبھی شور، ہنسی اور قہقہوں سے گونجتی تھی اب ایک انجانی سی خاموشی میں ڈوبی

ہوئی تھی۔ روح کو انتہائی احتیاط کے ساتھ گھر لایا گیا تھا اور سیدھا کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ہر قدم پر ڈاکٹر کی ہدایت واضح تھی کہ مریضہ کو کسی بھی قسم کی جھٹکے یا زیادہ حرکت سے بچانا ہے۔

میر اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ملازموں کو باہر کروا چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی بے چینی تھی، جیسے وہ سانس بھی اس وقت لے رہا ہو تو صرف اس لیے کہ روح سامنے لیٹی ہے۔ وہ بار بار اس کے پاس آ کر بیٹھتا، اس کا ہاتھ تھامتا اور پھر جیسے خوف آتا کہ کہیں وہ درد میں نہ ہو، فوراً نرمی سے اسے دیکھنے لگتا۔

روح کی حالت ابھی بھی مکمل بہتر نہیں تھی۔ آنکھیں آدھی کھلتی تھیں، ہونٹ ہلنے کی کوشش کرتے تھے مگر آواز ساتھ نہیں دیتی تھی۔ کبھی کبھی اس کی پلکوں کے کنارے سے آنسو پھسل جاتے، جیسے جسم کمزوری اور درد دونوں سے لڑ رہا ہو۔ میر ہر بار جھک کر اس کے آنسو صاف کرتا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیتا۔

کمرے میں باسل بھی موجود تھا۔ وہ فائل ہاتھ میں لیے سنجیدہ کھڑا تھا مگر چہرے پر تھکن اور فکر صاف دکھائی دے رہی تھی۔

میر۔۔۔ اب اسے اس طرح نہیں اٹھا سکتے تم۔" باسل نے آہستہ مگر سخت لہجے میں کہا، "اب اسے زمین پر چلنا ہوگا ...آہستہ آہستہ۔ ورنہ اندرونی زخم ٹھیک نہیں ہوں گے۔"

میر نے فوراً سر اٹھایا، جیسے یہ بات اس کے دل پر چوٹ بن کر لگی ہو۔

"میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا باسل...تم سمجھ نہیں رہے۔" اس کی آواز بھاری ہو گئی، "کوشش کرو ...کوئی اور طریقہ نکالو۔"

باسل نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر گہرا سانس لیا۔

اچھا۔۔۔ کرتا ہوں کچھ۔ ”وہ نرم پڑ گیا، “لیکن میر۔۔۔ یہ ضروری ہے۔ اگر وہ اسی طرح تمہارے بازوؤں میں رہے گی تو اسٹچز ٹھیک نہیں ہوں گے۔ ایک ہی جگہ دباؤ پڑ رہا ہے، مسئلہ بڑھ سکتا ہے۔“

میر خاموش ہو گیا۔ اس نے ایک نظر روح پر ڈالی، جو نیم بے ہوشی میں صرف سانس لے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک بے بسی اتر آئی۔

روح کی آنکھیں کبھی کھلتیں، کبھی بند ہو جاتیں۔ وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی، بس اپنی نظریں میر پر جما دیتی، جیسے خاموشی میں ہی شکایت اور سکون دونوں تلاش کر رہی ہو۔

میر نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

نہیں... ابھی نہیں۔ "اس کی آواز میں سختی آ گئی، "ابھی وہ کمزور ہے۔ میں اسے گرا نہیں سکتا۔"

باسل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”میر… یہ علاج کا حصہ ہے۔ درد سے بچا کر تم اسے ٹھیک نہیں کر سکتے۔“

یہ بات سن کر میر کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے خاموشی اتر آئی۔ وہ روح کو دیکھنے لگا، جو آہستہ سانس لے رہی تھی۔

پھر بہت بھاری دل کے ساتھ اس نے سر جھکا دیا۔

"ٹھیک ہے... لیکن تم میرے سامنے کرو گے۔ میں ایک سیکنڈ بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔"

تمہیں بھی ساتھ دینا ہو گا میرا باسل بولا ۔۔۔

کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔ باہر رات گہری ہو رہی تھی اور اندر ایک شخص اپنی محبت کو درد سے بچانے اور علاج کے درمیان ٹوٹتا جا رہا تھا۔

....

میر۔۔۔م۔۔میں نہیں چل سکتی۔۔۔ روح نے اپنے پاؤں زمین پر لٹکاتے ہوئے میر کو دیکھا، اس کی آواز میں کمزوری اور درد دونوں واضح

تھے۔ جسم ابھی مکمل طور پر سنبھلا نہیں تھا اور ہر حرکت جیسے زخم کو کھینچ رہی تھی۔

میر ایک لمحے کے لیے خاموش رہا۔ اس کی نظریں روح کے چہرے پر جمی تھیں، جیسے وہ خود کو کسی اندرونی جنگ سے روک رہا ہو۔ باسل ایک طرف کھڑا تھا اور صورتحال کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گڑیا چلو بس تھوڑا سا۔۔۔ باسل نے نرمی سے اس کا ایک بازو پکڑا تاکہ وہ سہارا لے سکے۔

میر نے ایک تیز، کھا جانے والی نظر باسل پر ڈالی۔ اس نظر میں غصہ نہیں بلکہ بے بسی اور خوف تھا، جیسے وہ ہر اس شخص سے ناراض ہو جو اس کی روح کو درد میں دیکھ رہا ہو۔

"میری جان... بس تھوڑی سی ہمت کرو"... میر نے آہستہ کہا۔ اس کی آواز اس بار سخت نہیں تھی، بلکہ ٹوٹتی ہوئی سی تھی۔ اس نے روح کو اپنے قریب کیا، اس کے کندھے کے نیچے بازو دیا اور اسے سہارا دے کر آہستہ سے قدم اٹھانے پر مجبور کیا۔

روح نے جیسے ہی وزن ڈالا، درد کی ایک تیز لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔
اس کی سانس رک گئی۔

آہ۔۔۔ اللہ ”...وہ چیخی، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ سٹیچز پر دباؤ“
پڑتے ہی اس کا جسم کانپ گیا، اور وہ تقریباً گرنے لگی۔

میر نے فوراً اسے مزید مضبوطی سے تھام لیا، اپنے دانت بھینچ لیے تاکہ اپنی
بے بسی باہر نہ آجائے۔ وہ صرف ایک چکر لگا کر اسے کمرے تک لایا، ہر
قدم پر اس کی تکلیف محسوس کرتے ہوئے۔

روح پسینے سے شرابور ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ زرد اور آنکھیں نیم بند تھیں۔ میر نے اسے نرمی سے بیڈ پر لٹایا اور فوراً اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

باسل نے آگے بڑھ کر پانی کا گلاس دیا۔ روح نے کپکپاتے ہاتھوں سے چند گھونٹ لیے، مگر جسم اب بھی درد سے بھرا ہوا تھا۔

بس میری جان...اب اور درد نہیں "... میر نے اس کے بالوں کو" پیچھے کرتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ اس کی آواز میں پہلی بار مکمل شکست جھلک رہی تھی۔

اس نے روح کو دوا دی، اور دوا کے اثر سے اس کی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔ وہ غنودگی میں ڈوبنے لگی۔

کچھ دیر تک میر وہیں بیٹھا رہا، اس کا ہاتھ تھامے، جیسے ڈر ہو کہ اگر چھوڑا تو سب کچھ دوبارہ چھن جائے گا۔

پھر آہستہ سے اس نے خود کو سنبھالا۔ منت کو اس کے پاس چھوڑا اور اپنی پستول اٹھائی۔ اس کے قدم باہر کی طرف بڑھ گئے، مگر اب وہ وہی میر نہیں تھا جو پہلے تھا—اس کے چہرے پر ایک ایسی خاموش سختی تھی جو خطرے سے بھی زیادہ خوفناک لگ رہی تھی۔

حویلی کے دروازے سے نکلتے وقت اس نے سرد آواز میں صرف اتنا کہا—

"جس نے میری روح کو یہ تکلیف دی ہے...اب اس کی باری ہے۔"

......

وہ کرسی سے جھکا ہوا، آدھا بے ہوش جسم، ہونٹوں سے بہتا ہوا خون اور آنکھوں میں موت کا سایہ لیے بس سانسوں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ کمرے کی سخت ٹھنڈی ہوا بھی جیسے اس کی گھبراہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔ اگلے

ہی لمحے ایک جھٹکے سے پانی اس کے چہرے پر گرا تو وہ کانپ اٹھا، پلکیں لرزیں اور بند ہونٹوں سے ٹوٹی پھوٹی آواز نکلی۔

"ب۔۔بچا لو۔۔۔ م۔۔مجھے بچا لو۔۔۔ ابو۔۔۔"

آواز کمزور تھی، مگر اس میں چھپی دہشت واضح تھی۔ کرسی کے ساتھ بندھے ہوئے اس کے ہاتھ ہلکے سے ہلے، جیسے کسی امید کی تلاش میں ہوں، مگر اگلے ہی لمحے ہلکا سا جھٹکا اس کے جسم میں دوڑ گیا۔ وہ کرنٹ کی معمولی سی لہر تھی، مگر اس کے لیے جیسے موت کی وارننگ۔

"ن۔۔ نہیں۔۔۔ مجھے مت مارو۔۔۔ م۔۔معاف کر دو۔۔۔ میر

شاہ۔۔۔"

اس کی التجا کمرے میں گونج رہی تھی، مگر سامنے کھڑا میر شاہ پتھر بنا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی نرمی نہیں تھی، صرف ایک ٹھنڈی، خطرناک خاموشی جو چیخوں سے زیادہ خوفناک لگ رہی تھی۔

"میر شاہ کے لیے ہر وہ انسان موت ہے جس نے میری روح کو چھوا بھی ہے۔۔۔" اس کی آواز آہستہ تھی مگر ہر لفظ کا وزن گولہ بارود جیسا تھا۔ وہ

آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھاتا ہوا اس کے قریب آیا، پستول ہاتھ میں گھماتے ہوئے اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اس پر رحم نہیں کیا۔

"اب دو راستے ہیں تیرے پاس۔۔۔ یا تو باقی زندگی اس کرسی سے چپکا رہے گا، یا پھر ابھی ختم ہو جائے گا۔۔۔ اور یہ وولٹیج تجھے یہ سمجھا دے گا کہ میری روح کے درد کا مطلب کیا ہوتا ہے۔"

اس نے اشارہ کیا تو کرنٹ کا نظام دوبارہ ہلکا سا آن ہوا، اور فہد ملک کا جسم ایک بار پھر جھٹکوں سے لرز گیا۔ وہ چیخ بھی نہ سکا، بس ٹوٹ کر کرسی کے ساتھ لگ گیا۔

نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ مار دو مجھے۔۔۔ مگر ایسے مت مارو۔۔۔ تڑپا تڑپا“
کر نہیں۔۔۔”

اس کی آواز اب التجا نہیں رہی تھی، صرف بکھراؤ تھا۔ جسم مکمل طور پر بے بس ہو چکا تھا۔

اسی لمحے دروازہ زور سے کھلا اور پولیس افسران اندر داخل ہوئے۔ ماحول ایک دم بدل گیا۔

"مسٹر میر شاہ، آپ اس حد سے زیادہ جا رہے ہیں۔۔۔ اب انہیں ہمارے حوالے کریں۔"

میر شاہ نے آہستہ سے مڑ کر دیکھا، آنکھوں میں وہی ٹھنڈا غصہ موجود تھا۔ اس نے پستول نیچے کی طرف کیا اور ایک لمحہ خاموش رہا، جیسے اندر کی آگ کو دبا رہا ہو۔

پھر سخت آواز میں بولا،

"ٹھیک ہے۔۔۔ لے جاؤ اسے۔ ۔۔۔ شکریہ کہ تم نے اس کے اور اس کے باپ کے سارے کالے راز ہمارے ہاتھ میں دے دیے۔ اس کے

باپ کو بیس تاریخ کو پھانسی ہے۔۔۔ اور یہ بھی بہت جلد اسی انجام تک پہنچے گا۔"پولیس آفیسر نے کہا

ہمم ٹھیک ہے۔۔، اس کے چہرے پر کوئی جذبات نہیں تھے۔ صرف ایک ہی حقیقت واضح تھی—وہ اپنی روح کے درد کا حساب لے چکا تھا، مگر اس کے اندر کا طوفان ابھی بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

۔۔۔۔

حویلی کے ڈرائنگ روم میں عجیب سا تناؤ پھیلا ہوا تھا۔ فضا میں ایسی خاموشی تھی جیسے کسی طوفان کے آنے سے پہلے سب کچھ ساکت ہو

جائے۔ شاہین بیگم بے چینی سے ٹہل رہی تھیں جبکہ ایما صوفے پر بیٹھی موبائل اسکرول کر رہی تھی۔

ایما... مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔ "شاہین بیگم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے" "کہا۔ "وہ کارل ...اور وہ لڑکی ... آخر حیام کو کہاں لے گئے تھے؟

رباب نے بے پروائی سے قہقہہ لگایا۔

ارے خالہ، مت پریشان ہوں۔ کہیں مر مرا گئی ہو گی تو دفنانے لے گیا" "ہو گا۔ آپ کا بیٹا کوئی نہ کوئی دن تو واپس آئے گا نا۔

اسی لمحے دروازہ زور سے کھلا۔

!دھڑام

دونوں چونک کر کھڑی ہو گئیں۔

دروازے پر ماہیر کھڑا تھا۔

سیاہ لباس، زخم کی وجہ سے ہلکی سی زرد پڑتی رنگت، مگر آنکھوں میں ایسا غضب کہ دیکھنے والے کا خون خشک ہو جائے۔

اس کے ساتھ حیام بھی کھڑی تھی۔

کارل چند قدم پیچھے خاموشی سے موجود تھا۔

"!بس"

ماہیر کی دھاڑ پورے ہال میں گونجی۔

رباب کا رنگ ایک دم اڑ گیا۔

اگلی بار میری بیوی کے خلاف کسی نے ایک لفظ بھی بولا تو جان لے لوں"
"گا۔

م ...ماہیر "...شاہین بیگم کے ہونٹ کانپے۔"

ماہیر نے حیام کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا۔

"...میں پوچھ رہا ہوں"

اس کی آواز اتنی خطرناک تھی کہ ایما کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔

"دوائی کس نے دی تھی؟ Abortifacient حیام کو"

خاموشی۔

"کس نے میرے بچے کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی؟"

رباب کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"ب ...بچہ؟"

شاہین بیگم حیرت سے بولیں۔

"کیسا بچہ ماہیر؟"

"میرا بچہ۔"

ماہیر کے لفظوں میں ایسی ملکیت تھی کہ حیام نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔

"میرا اور حیام کا بچہ۔"

شاہین بیگم کی آنکھوں میں حیرت اب خوشی میں بدلنے لگی تھی۔

"...حیام ... تم"

حیام نے دھیرے سے سر جھکا دیا۔

رباب کے چہرے کا خون اڑ چکا تھا۔

وہ دوائی "...ماہیر کی نظریں سیدھی رباب پر تھیں۔ "رباب نے جوس"
"میں ملائی تھی۔

"کیا؟"

شاہین بیگم نے چونک کر ایما کی طرف دیکھا۔

"!رباب"

"م...میں..." رباب ہکلائی۔

"کیا تمہیں پتا تھا کہ حیام پریگننٹ ہے؟"

شاہین بیگم نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ن...نہیں خالہ..."

"جھوٹ!"

ماہیر کی گرج سن کر پورا ہال لرز گیا۔

"جھوٹ بول رہی ہو تم۔"

وہ چند قدم آگے بڑھا۔

"میں عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ ورنہ ایک منٹ لگاتا تمہارا منہ کھلوانے میں۔"

رباب خوف سے پیچھے ہٹی۔

"ماما..."

ماہیر نے آزر خان کی طرف دیکھا۔

"آپ نے اپنے ہی گھر میں سانپ پال رکھے ہیں۔"

پھر اس کی نظریں شاہین بیگم پر گئیں۔

"خیر ...آپ بھی تو انہی سانپوں کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔"

نہیں بیٹا "...شاہین بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔"

اب میں یہاں رہ کر نہ اپنی بیوی کی ذہنی صحت خراب کر سکتا ہوں اور نہ"
"اپنے بچے کی زندگی خطرے میں ڈال سکتا ہوں۔

ماہیر نے حیام کا ہاتھ تھاما۔

"ہم یہاں نہیں رہیں گے۔"

"!روکو"

آزر خان یکدم کھڑے ہوئے۔

"تم کہیں نہیں جا رہے۔"

ماہیر رک گیا۔

"غلطیاں ضروری نہیں بچوں سے ہوں۔ ماں باپ سے بھی ہو جاتی ہیں۔"

آزر خان کی آواز بھرا گئی۔

"سمجھ لو ہم سے غلطی ہو گئی۔"

"بابا..."

"معاف کر دو اپنے ماں باپ کو۔"

پورا ہال خاموش ہو گیا۔

"اس گھر سے اگر کوئی جائے گا تو وہ رباب جائے گی۔"

رباب نے چونک کر سر اٹھایا۔

"خالہ!"

مگر کسی نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔

"ہم اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔"

شاہین بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"ماہیر ...مت جاؤ۔"

کچھ لمحے ماہیر خاموش رہا۔

پھر آہستہ سے بولا۔

"وقت بدل چکا ہے بابا۔"

اس کی نظریں حیام کے پیٹ پر گئیں۔

"اب میں مزید رسک نہیں لے سکتا۔"

اس نے حیام کو دیکھا۔

"جاؤ۔ اپنا سامان لے آؤ۔"

"ماہیر..."

حیام نے نرمی سے پکارا۔

"چپ۔"

اس نے فوراً ٹوک دیا۔

"ہم مزید یہاں نہیں رکیں گے۔"

شاہین بیگم روتے ہوئے حیام کے سامنے آ گئیں۔

"بیٹا ...مجھے معاف کر دو۔"

انہوں نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھے نہیں پتا تھا رباب نے کیا ملایا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا تم ماں بننے والی ہو۔"

"معاف کر دو بیٹا۔"

حیام کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"...تائی جان"

"تم ہی اسے سمجھاؤ۔"

حیام نے ایک نظر ماہیر پر ڈالی۔

پھر شاہین بیگم کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے۔"

شاہین بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"ماہیر..."

حیام اس کے قریب آئی۔

"کیسی ضد ہے آپ کی؟"

"وہ آپ کے ماں باپ ہیں۔"

"تم جا رہی ہو یا نہیں؟"

ماہیر نے سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں۔"

سب چونک گئے۔

"میں نہیں جا رہی۔"

حیام سیدھی چل کر شاہین بیگم کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔

"میں اپنی تائی جان کے ساتھ رہوں گی۔"

ماہیر نے اسے گھورا۔

"حیام..."

"میں نے ان کو معاف کر دیا ہے۔"

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"اب آپ نے جانا ہے تو جائیں۔"

"میں نہیں جا رہی۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔

پھر ماہیر نے خطرناک انداز میں سر ہلایا۔

"دیکھ لوں گا۔"

وہ مڑا اور اونچی آواز میں بولا۔

"نوری!"

"ج... جی سر!"

"چائے بنا کر لاؤ۔"

"جی سر!"

"مجھے کسی اور کے ہاتھ کی چائے نہیں پینی۔"

یہ کہہ کر وہ غصے سے سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی ماحول میں ہلکی سی جان آئی۔

نوری کچن کی طرف بھاگی۔

حیام نے منہ بنایا۔

"یہ اتنا غصہ کیوں کرتے ہیں؟"

"جلاد ہیں مکمل۔"

شاہین بیگم کی آنکھوں میں برسوں بعد مسکراہٹ آئی۔

"بس بیٹا..."

انہوں نے پیار سے حیام کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"شاید ہماری سختیوں نے اسے ایسا بنا دیا ہے۔"

حیام نے ہلکی سی سانس لی۔

"چلیں..."

وہ دوپٹہ سنبھالتے ہوئے اٹھی۔

"میں ہی چائے بنا لیتی ہوں۔"

"ورنہ جناب اوپر منہ بنا کر بیٹھے رہیں گے۔"

شاہین بیگم اور آزر خان کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی جبکہ اوپر اپنے کمرے میں جاتا ماہیر ابھی بھی غصے سے کھول رہا تھا، مگر دل ہی دل میں اسے یقین تھا کہ چند منٹ بعد اس کی ضدی بیوی چائے کا کپ لیے اس کے سامنے ضرور کھڑی ہو گی۔

....

کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا تھا۔

ماہیر اب بھی غصے میں صوفے پر بیٹھا تھا۔ بازو سینے پر بندھے ہوئے تھے اور چہرہ ایسا بنا رکھا تھا جیسے پوری دنیا نے اس کے ساتھ ناانصافی کر دی ہو۔

ادھر حیام ایک ٹرے میں چائے کا کپ لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

اس نے ایک نظر ماہیر کو دیکھا اور بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"...صاحب جی"

وہ میٹھی آواز میں بولی۔

"چائے لے لیں۔"

ماہیر نے گردن دوسری طرف گھما لی۔

"مجھے نہیں پینی چائے۔"

حیام نے معصوم بننے کی ناکام کوشش کی۔

"کیوں؟"

"تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی ہے۔"

حیام نے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہائیں؟"

"جی ہاں۔"

ماہیر نے غصے سے کہا۔

"تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی ہے، اس لیے نہیں پینی۔"

اب حیام کے لیے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔

"صاحب جی ایسا تو مت کریں۔"

اس نے ڈرامائی انداز میں دل پر ہاتھ رکھا۔

"میں نے بہت پیار سے بنائی ہے یہ چائے۔"

ماہیر خاموش رہا۔

"اور تو اور..."

حیام رازدارانہ انداز میں اس کے قریب ہوئی۔

"آپ کے کہنے سے پہلے چکھ کر بھی دیکھی تھی۔"

ماہیر کی بھنویں سکڑیں۔

"کیا؟"

"قسم سے!"

حیام نے ہاتھ اٹھایا۔

"بہت ذائقہ تھا۔"

ماہیر کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔

"حیام!"

"جی؟"

"میرا دماغ خراب مت کرو۔"

وہ دانت پیس کر بولا۔

"نہیں پینی تو نہیں پینی۔"

"اچھا؟"

حیام نے کندھے اچکائے۔

"ٹھیک ہے۔"

"مت پیئیں۔"

"میں کون سا مر رہی ہوں آپ کو چائے پلانے کے لیے۔"

ماہیر کو لگا شاید وہ اب منانے کی کوشش کرے گی۔

لیکن اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

حیام آرام سے کھڑکی کے پاس گئی۔

کھڑکی کھولی۔

اور پوری چائے باہر پھینک دی۔

چھپ!

"یا اللہ!"

ماہیر تقریباً اچھل پڑا۔

"تم نے کیا کیا؟"

"کیا؟"

حیام نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

"آپ نے پینی نہیں تھی۔"

"تو پھینک دی۔"

ماہیر چند لمحے اسے گھورتا رہا۔

پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرے صبر کا امتحان لیا جا رہا ہے۔"

حیام بے فکری سے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔

چادر اوڑھی۔

آنکھیں بند کیں۔

اور ایسے لیٹی جیسے دنیا کی سب سے مظلوم خاتون ہو۔

"...ہائے"

وہ آہ بھرتی بولی۔

"میری تو کوئی قدر ہی نہیں۔"

ماہیر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تمہاری؟"

"جی۔"

"میں بیچاری صبح سے آپ کو منا رہی ہوں۔"

"اور آپ ہیں کہ ناراض بیٹھے ہیں۔"

ماہیر نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"یہ بھی عجیب مخلوق ہے۔"

وہ دل میں بولا۔

"غلطی بھی خود کرو۔"

"ناراض بھی خود ہو جاؤ۔"

"اور پھر مظلوم بھی خود بن جاؤ۔"

ادھر حیام چادر کے اندر ہنسی روک رہی تھی۔

ماہیر نے اسے دیکھا۔

"سو رہی ہو؟"

کوئی جواب نہیں آیا۔

"حیام؟"

خاموشی۔

"اوئے ڈرامے باز۔"

اس بار بھی جواب نہ ملا۔

ماہیر اٹھ کر بستر کے قریب آیا۔

وہ واقعی آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔

لیکن اس کے ہونٹوں کے کناروں پر چھپی ہوئی مسکراہٹ صاف نظر آ رہی تھی۔

"اچھا جی۔"

ماہیر نے سر ہلایا۔

"اب ڈرامہ ہو رہا ہے۔"

پھر خود ہی بڑبڑانے لگا۔

"...مطلب شوہر کی غلطی بھی شوہر کی"

"...بیوی کی غلطی بھی شوہر کی"

"اور سزا بھی شوہر کو۔"

حیام کے ہونٹ مزید ہلے۔

ہنسی نکلنے ہی والی تھی۔

"اس سے اچھا بندہ کنوارہ مر جائے۔"

ماہیر نے غصے سے کہا۔

اسی لمحے حیام کی ہنسی نکل گئی۔

"!ہاہاہا"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

ماہیر نے اسے گھورا۔

"بہت ہنسی آ رہی ہے؟"

"جی۔"

وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"کیونکہ آپ بہت پیارے لگتے ہیں جب غصہ کرتے ہیں۔"

ماہیر کا غصہ ایک لمحے کو ڈگمگایا۔

لیکن پھر اسے یاد آیا کہ وہ ناراض ہے۔

اس نے فوراً سنجیدہ چہرہ بنایا۔

"میں ابھی بھی ناراض ہوں۔"

"اچھا؟"

حیام مسکراتی ہوئی اس کے بازو سے لٹک گئی۔

"تو پھر ایک کپ اور چائے بنا لاؤں؟"

ماہیر نے چند سیکنڈ اسے دیکھا۔

پھر نظریں چرا لیں۔

"ہاں..."

پھر فوراً سنبھل گیا۔

"نہیں!"

حیام پھر ہنس پڑی جبکہ ماہیر دل ہی دل میں اپنی ضد، اپنی بیوی اور اپنی قسمت تینوں کو کوس رہا تھا۔

کمرے کی کھڑکیوں سے شام کی سنہری روشنی اندر آ رہی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا پردوں کو جنبش دے رہی تھی جبکہ پورے کمرے میں شیمپو اور تازہ پھولوں جیسی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

منت ابھی نہا کر نکلی تھی۔

اس کے لمبے، گھنے بال کمر پر بکھرے ہوئے تھے جن کے سروں سے ابھی بھی پانی کے چند قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کا خوبصورت سوٹ پہنا ہوا تھا جو اس کی رنگت کو مزید نکھار رہا تھا۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی جب دروازہ کھلا۔

باسل اندر داخل ہوا۔

ایک لمحے کے لیے اس کے قدم وہیں رک گئے۔

پھر اس نے ہاتھ سینے پر رکھتے گہری سانس لی۔

"یا اللہ خیر..."

منت نے آئینے میں اسے دیکھا۔

"اب کیا ہوا؟"

باسل نے سر ہلاتے ہوئے افسوس سے کہا۔

"بیگم، آج کیا قتل کرنے کا ارادہ ہے آپ کا؟"

منت کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔

"باسل، چپ کر جائیں۔"

"میں بالکل چپ ہوں۔"

وہ اس کے قریب آتے بولا۔

"مگر یہ جو آپ اتنی خوبصورت لگ رہی ہیں، اس کا حساب کون دے گا؟"

"آپ ہر وقت بڑھا چڑھا کر بات کرتے ہیں۔"

منت نے شرماتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

"میں؟"

باسل نے حیران بننے کی اداکاری کی۔

"قسم سے اگر جھوٹ بول رہا ہوں تو ابھی آئینہ توڑ دیتا ہوں۔"

کیونکہ قصور میرا نہیں، آئینے کا ہے جو آپ کو اتنا خوبصورت دکھا رہا
ہے۔"

منت ہنس پڑی۔

"آپ نا..."

"میں کیا؟"

"بہت فالتو ہیں۔"

باسل نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"دیکھا؟ میں محبت کرتا ہوں اور بدلے میں توہین ملتی ہے۔"

منت نے قہقہہ لگایا۔

کئی دنوں بعد اس کی ہنسی سن کر باسل کے دل کو سکون ملا۔

وہ آہستہ آہستہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

دونوں کی نظریں آئینے میں ملیں۔

باسل کے چہرے پر اس بار شرارت کی بجائے نرمی تھی۔

"بیگم یار..."

اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"آج تو نا ایسے کرو۔"

"کیسے؟"

منت نے بھنویں اٹھائیں۔

"...بس ایسے ہی"

اس نے مصنوعی اداسی سے کہا۔

"ویسے ہی روح کی وجہ سے بہت ٹینشن میں ہوں۔"

"سب پریشان ہیں۔"

منت کے چہرے پر بھی فکر ابھری۔

"اللہ کرے وہ جلدی ٹھیک ہو جائے۔"

"آمین۔"

باسل نے سر ہلایا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے اس کے اور قریب آیا۔

"تھوڑا سا سکون لینے دو۔"

منت کچھ بولتی، اس سے پہلے باسل نے نرمی سے اس کے رخسار پر اپنے لب رکھ دیے۔

منت کا چہرہ فوراً سرخ ہو گیا۔

"!باسل"

"جی بیگم؟"

"آپ باز نہیں آئیں گے؟"

"نہیں۔"

اس نے فوراً جواب دیا۔

"کیونکہ میں ڈاکٹر ہوں۔"

منت نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"اس کا کیا مطلب؟"

باسل سنجیدگی سے بولا۔

"مریض کو سکون دینا میرا فرض ہے۔"

"اور اس وقت سب سے بڑا مریض میں ہوں۔"

منت نے قریب پڑا کشن اٹھا کر اس کے بازو پر مارا۔

"آپ کا کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"بالکل۔"

باسل ہنس پڑا۔

"کیونکہ میرا علاج صرف آپ کے پاس ہے۔"

منت نے نظریں چرا لیں۔

باسل نے اس کے بھیگے بالوں کی ایک لٹ کان کے پیچھے کی۔

"...ویسے"

وہ غور سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ سوٹ بہت خوبصورت ہے۔"

"سچ؟"

منت نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہمم۔"

باسل نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"لیکن سوٹ سے زیادہ اسے پہننے والی خوبصورت ہے۔"

منت کا دل عجیب سی نرمی سے بھر گیا۔

"آپ ہمیشہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟"

باسل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔"

اس کی آواز میں خلوص تھا۔

"اس لیے دل کی اچھی باتیں روکنی نہیں چاہئیں۔"

منت چند لمحے خاموش رہی۔

پھر آہستہ سے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

باسل کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔

ایک ایسی خاموشی جس میں لفظوں کی ضرورت نہیں تھی۔

...صرف دو دل تھے

جو ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر چند لمحوں کا سکون محسوس کر رہے تھے۔

کمرے کی کھڑکی سے شام کی نرم روشنی اندر آ رہی تھی۔ روح اب پہلے سے کافی بہتر ہو چکی تھی۔ چہرے پر دوبارہ رنگ لوٹ آیا تھا اور آنکھوں میں وہی شرارتی چمک واپس آ گئی تھی جس نے میر کی زندگی کو روشن کر رکھا تھا۔

میر ٹرے میں سوپ اور دوائیاں لے کر کمرے میں داخل ہوا۔

"چلو میری جان، پہلے یہ سوپ ختم کرو۔"

روح نے فوراً منہ بنا لیا۔

"نہیں۔"

"کیوں نہیں؟"

"بس نہیں۔"

میر نے آنکھیں سکیڑیں۔

"...روح شاہ"

"نہیں پینا مجھے۔"

وہ ضدی بچوں کی طرح بازو باندھ کر بیٹھی تھی۔

"آج میں یہ یخنی بھی نہیں پیوں گی، سوپ بھی نہیں پیوں گی اور دوائی بھی نہیں کھاؤں گی۔"

میر نے ماتھا پکڑ لیا۔

"یا اللہ !گولی لگنے کے بعد بھی عقل واپس نہیں آئی۔"

روح ہنس دی۔

"بس ہو گئی ہے میری۔"

پھر وہ اس کے بازو سے لٹک گئی۔

"...مجھے باہر ڈنر پر لے کر جائیں نا پلیززززز"

"...روح"

"...پلیززززز"

"—ڈاکٹر نے ابھی"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔"

روح نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے نا پیزا کھانا ہے۔"

میر نے چند لمحے اسے دیکھا۔

پھر بے بسی سے مسکرا دیا۔

"اوکے میرے بچے۔"

اس نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔

"میں ابھی اپنی جان کو خود بنا کر دیتا ہوں۔"

"!نہیں"

روح فوراً بولی۔

"مجھے مارکیٹ والا کھانا ہے۔"

"اچھا؟"

میر نے بھنویں اٹھائیں۔

"تو اب اپنے میر کے ہاتھ کا بنا ہوا نہیں پسند؟"

روح نے ہنسی روکنے کی کوشش کی۔

"...پھر کبھی میر"

"پھر کبھی؟"

میر نے مصنوعی افسردگی سے دل پر ہاتھ رکھا۔

"میری محبت کی کوئی قدر ہی نہیں۔"

"اچھا بابا قدر ہے۔"

روح نے اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"لیکن آج باہر چلتے ہیں نا۔"

میر نے اس کی ضد بھری آنکھوں کو دیکھا۔

وہ جانتا تھا کہ اب انکار کا کوئی فائدہ نہیں۔

"چلو۔"

روح کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"سچ؟"

"ہممم۔"

"واقعی؟"

"جی ہاں، واقعی۔"

روح خوشی سے تقریباً اچھل پڑی۔

"یسسس!"

میر نے فوراً اسے بازو سے پکڑا۔

"آہستہ!"

"ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی ہو۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

روح نے سینہ پھلا کر کہا۔

اگلے ہی لمحے کھڑے ہوتے ہوئے ہلکا سا لڑکھڑا گئی۔

میر نے فوراً اسے اپنی باہوں میں اٹھا لیا۔

"بالکل ٹھیک ہوں؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

روح نے شرمندگی سے نظریں چرا لیں۔

"تھوڑا سا۔"

"ہمم۔"

میر نے اسے اپنے قریب کرتے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"میری بہادر گڑیا۔"

پھر وہ اسے بانہوں میں اٹھائے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔

"چلو، میڈم تیار ہو جائیں۔"

"میں خود چل سکتی ہوں۔"

"نہیں۔"

"میر!"

"نہیں۔"

"میر!"

"بالکل نہیں۔"

روح ہنس پڑی۔

"آپ بہت ضدی ہیں۔"

"اور تم؟"

"میں تو معصوم ہوں۔"

میر نے قہقہہ لگایا۔

"یہ جھوٹ بولنے پر سزا ملتی ہے۔"

"کون سی؟"

روح نے شرارت سے پوچھا۔

میر جھکا اور اس کی پیشانی پر لمبا سا بوسہ دے دیا۔

"یہ والی۔"

روح کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد دونوں تیار ہو کر نکلے تھے۔

میر کی ایک بازواب بھی روح کے گرد حفاظتی حصار بنائے ہوئے تھی جبکہ روح اس کے کندھے سے لگی مسکرا رہی تھی۔

مشکل دن، تکلیفیں، آنسو اور آزمائشیں آخرکار گزر چکی تھیں۔

آج ان دونوں کی زندگی میں صرف سکون تھا۔

محبت تھی۔

...اور وہ یقین

کہ چاہے وقت کتنی ہی آزمائشیں لے آئے، سچی محبت ہمیشہ اپنے لوگوں کو
❤️ واپس ایک دوسرے تک لے آتی ہے۔

شام کی ٹھنڈی ہوا شہر کی روشن سڑکوں پر بکھری ہوئی تھی۔ کئی ہفتوں بعد روح پہلی بار حویلی سے باہر نکلی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی خوشی تھی، جیسے کسی بچے کو لمبے عرصے بعد اس کی پسندیدہ جگہ لے جایا گیا ہو۔

میر گاڑی چلا رہا تھا جبکہ روح برابر والی سیٹ پر بیٹھی مسلسل باہر دیکھ رہی تھی۔

"...افففف"

وہ خوشی سے بولی۔

"مجھے لگ رہا ہے میں جیل سے رہا ہوئی ہوں۔"

میر نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"جیل؟"

"جی۔"

"تو میں جیلر تھا؟"

روح فوراً مسکرا دی۔

"نہیں، آپ تو سپر جیلر تھے۔"

میر نے گہری سانس لی۔

"دیکھ لینا آج واپس جا کر پھر سے کمرے میں بند کر دوں گا۔"

روح ہنسنے لگی۔

چند منٹ بعد گاڑی ایک مشہور ریسٹورنٹ کے سامنے رکی تھی۔

میر فوراً باہر نکلا اور روح کا دروازہ کھولا۔

"...آہستہ"

وہ اس کا ہاتھ تھامتے بولا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"نہیں، تم ٹھیک نہیں ہو۔"

"!میر"

"نہیں۔"

وہ ضدی لہجے میں بولا۔

"ابھی بھی تمہاری مکمل ریکوری نہیں ہوئی۔"

ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے ہی روح کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

ویٹر مینو لے آیا تھا۔

روح نے مینو کھولا۔

پھر دوسری طرف کا صفحہ کھولا۔

پھر تیسرا۔

پھر چوتھا۔

میر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

پانچ منٹ بعد بھی وہ مینو میں گم تھی۔

"روح..."

"ہمم؟"

"تم کھانا آرڈر کر رہی ہو یا ریسٹورنٹ خرید رہی ہو؟"

روح ہنس پڑی۔

"بس دیکھ رہی ہوں۔"

چند لمحے بعد اس نے آرڈر دینا شروع کیا۔

"...ایک لارج پیزا"

میر نے سر ہلایا۔

"اچھا۔"

"فرائز..."

"ہمم۔"

"گارلک بریڈ..."

میر کی بھنویں اٹھیں۔

"...اور"

"اور؟"

"...چکن ونگز"

میر نے آنکھیں بند کر لیں۔

ویٹر مشکل سے ہنسی روک رہا تھا۔

"اور ایک بڑی کولڈ ڈرنک۔"

"!نہیں"

میر فوراً بولا۔

روح چونک گئی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ نہیں۔"

"میر پلیززز..."

"روح، ہم پیزا کھانے آئے ہیں۔"

وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ابھی تم کچھ ایکسٹرا نہیں کھاؤ گی۔"

روح نے منہ بنا لیا۔

"لیکن مجھے کولڈ ڈرنک چاہیے۔"

"نہیں۔"

"صرف ایک گلاس۔"

"نہیں۔"

"آدھا گلاس۔"

"نہیں۔"

"ایک گھونٹ۔"

"روح!"

میر نے گھورا۔

"میں کچھ نہیں سنوں گا اب۔"

وہ انگلی اٹھاتے بولا۔

"بس پیزا۔"

"نو مور ادر تھنگ۔"

روح نے بازو سینے پر باندھ لیے۔

"بہت ظلم ہے۔"

"ہمم۔"

"شوہر کو بیوی کے جذبات کی کوئی قدر نہیں۔"

میر ہنس پڑا۔

"جذبات؟"

"جی۔"

"یہ جذبات نہیں، لالچ ہے۔"

روح نے ویٹر کی طرف دیکھا۔

"آپ بتائیں نا۔"

بیچارہ ویٹر فوراً پیچھے ہٹ گیا۔

"سر، مجھے اس بحث میں نہ ڈالیں۔"

میر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

کچھ دیر بعد پیزا آ گیا تھا۔

روح نے خوشی سے پہلا سلائس اٹھایا۔

پھر دوسرا۔

پھر تیسرا۔

میر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟"

روح نے پوچھا۔

"میں سوچ رہا ہوں۔"

"کیا؟"

"اتنی سی لڑکی میں اتنا کھانا کہاں جاتا ہے؟"

روح نے فوراً چوتھا سلائس اپنی پلیٹ میں کھینچ لیا۔

"آپ فکر نہ کریں۔"

"جگہ بنی ہوئی ہے۔"

میر نے سر پکڑ لیا۔

"!یا اللہ"

پھر وہ آہستہ سے جھکا۔

نیپکن اٹھایا۔

اور اس کے ہونٹوں کے کنارے پر لگا سوس صاف کیا۔

"بچہ ہو بالکل۔"

اس کی آواز بے حد نرم تھی۔

روح چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

پھر مسکرا دی۔

"اور آپ؟"

"میں؟"

"آپ دنیا کے سب سے زیادہ پوزیسیو شوہر ہیں۔"

میر نے فوراً جواب دیا۔

"غلط۔"

"پھر؟"

"میں دنیا کا سب سے زیادہ فکر کرنے والا شوہر ہوں۔"

روح کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

وہ میز کے نیچے سے آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑ گئی۔

میر نے بھی اس کی انگلیاں تھام لیں۔

اور پھر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

...کیونکہ کبھی کبھی محبت بڑی بڑی باتوں میں نہیں

بلکہ ایک اضافی کولڈ ڈرنک سے منع کرنے، نیپکن سے چہرہ صاف کرنے اور ہر لمحہ خیال رکھنے میں چھپی ہوتی ہے۔ ❤️✨

......

🌸 ...سال بعد 5

حویلی کے بیڈروم میں صبح کی نرم روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔ آئینے کے سامنے کھڑی منت اپنے لمبے بال سمیٹ رہی تھی، ایک ہاتھ میں کاجل اور دوسرے میں مسکارا تھا۔

لگا رہی تھی جب پیچھے سے eyeliner وہ ہلکی سی گنگناہٹ کے ساتھ باسل کی آواز آئی۔

"!باسل آج آپکے بیٹے نے میری شہزادی آئنور کو مارا ہے"

منت نے فوراً پلٹ کر اسے دیکھا۔

"اور آپکا بیٹا ابھی بھی اپنی صفائی میں کھڑا ہے۔"

باسل جو اخبار ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا، آہستہ سے سر اٹھایا۔

"پھر کیا ہوا؟"

منت غصے سے بولی۔

"اسکی ٹیچر نے شکایت کی ہے کہ وہ کلاس میں لڑکیوں کو ڈسٹرب کرتا ہے!"

اسی لمحے شایان کمرے کے دروازے سے اندر آیا، چھوٹا سا مگر پورا اعتماد لیے۔

"ماما بس بس!"

وہ فوراً بولا۔

"وہ میری بھی شہزادی ہے، لیکن جب وہ کسی اور کے ساتھ بیٹھتی ہے نا تو

مجھ سے برداشت نہیں ہوتا!"

منت نے ہاتھ کمر پر رکھ لیے۔

"تو کوئی ہیرو ہے تم؟ اور تجھے کیا تکلیف ہے جس کے ساتھ مرضی

بیٹھے؟"

شایان نے فوراً سینہ پھلا لیا۔

"بس پاپا کی طرح ہوں۔"

باسل نے فوراً سر اٹھایا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟"

شایان نے بے دھڑک جواب دیا۔

"آپ بھی تو ماما کو کسی کے ساتھ برداشت نہیں کرتے!"

کمرے میں چند لمحے خاموشی رہی۔۔۔ پھر منت نے باسل کو گھورا۔

"دیکھا؟ آپکا اثر!"

باسل نے بے بسی سے مسکرا دیا۔

"بیگم، میں نے صرف محبت کی ہے، وائرس نہیں پھیلایا۔"

شایان فوراً بولا۔

"!اور میں بھی محبت کرتا ہوں"

منت نے فوراً ہاتھ اٹھایا۔

"!بس کرو"

اسی وقت شایان نے ضدی انداز میں کہا۔

اور اگر آئنور کسی اور کے ساتھ بیٹھی تو میں بھی برداشت نہیں کروں" !گا"

منت نے ماتھا پکڑ لیا۔

"!یہ بچہ نہیں، مکمل ورژن ہے آپ کا"

باسل نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شایان کو گود میں اٹھا لیا۔

"افف جانم ...کیا کریں؟ خوبصورتی دیکھ کر بندہ پگھل جاتا ہے۔"

شایان فوراً بولا۔

"بابا !آپ ماما کو کیا کہہ رہے ہیں؟"

باسل نے اس کی گردن پر ہلکا سا بوسہ دیا۔

"میں کہہ رہا ہوں تمہاری ماما سب سے خوبصورت ہیں۔"

منت نے آنکھیں گھمائیں۔

"آپ دونوں کا علاج ضروری ہے۔"

اسی لمحے آئنور کمرے میں آئی، چھوٹی سی گڑیا ہاتھ میں پکڑے۔

شایان فوراً سیدھا ہو گیا۔

"!اوہ میری شہزادی"

آئنور نے منہ بنا لیا۔

"!میں تم سے بات نہیں کر رہی"

شایان فوراً گھبرا گیا۔

"کیوں؟"

"تم نے مجھے کلاس میں شرمندہ کیا!"

شایان نے فوراً سنجیدہ لہجہ اختیار کیا۔

"میں نے صرف تمہیں بچایا ہے!"

باسل نے سر پکڑ لیا۔

"یہ بچہ یا تو ہیرو بنے گا یا مسئلہ۔"

منت ہنس پڑی۔

"اور شاید دونوں۔"

اسی وقت باسل نے آہستہ سے منت کے کان میں کہا۔

"ویسے۔۔۔ تم نے میری شہزادی کو چڑیل کی بیٹی کیوں کہا تھا؟"

منت فوراً پلٹی۔

"!میں نے سچ کہا تھا"

باسل نے قہقہہ لگایا۔

"حیام کی بیٹی ہے، لازمی چالاک ہوگی۔"

منت نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔

"اور آپکا بیٹا...؟"

باسل نے مسکرا کر شایان کو دیکھا۔

"میری کاپی پیسٹ۔"

شایان نے فوراً کہا۔

"!اور آئنور میری فائنل ورژن ہے"

منت نے آنکھیں بند کر لیں۔

"یا اللہ، یہ گھر نہیں... مکمل رومینٹک سرکس ہے۔"

باسل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"سرکس نہیں۔۔۔ خاندان۔"

اسکے ہاتھ پر اپنے لب رکھے۔۔

بابا آپ نے ماما کو کس کی ۔افف اللہ ۔۔میں دادو کو بتاؤں گا۔۔۔

شایان قہقہ لگاتا چلایا ۔۔۔

تو بتا دیں ۔۔۔میں ڈرتا نہیں ہوں بیوی ہے میری ۔۔تیری وجہ سے ہم رومینس بھی نہیں کر پاتے ۔۔۔باسل نے اسکا ہاتھ پکڑتے اپنے سینے پر رکھا

یہ نہیں کہ بچے کو سمجھائیں بلکے کہہ رہیں بتا دے ڈرتا نہیں ہوں

تو یہ جو سامنے نمونہ کھڑا ہے ہم نے کونسا ڈونلوڈ کیا سب کو پتا ہے یہ کتنی

قربت اور محنت سے حاصل ہوا پھر کس تو بہت چھوٹی چیز ہے۔۔

باسل نے آنکھیں بند کرتے اسکے ہاتھوں کی نرماہٹ کو محسوس کیا تھا۔۔۔

اور دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

❤️ ...کیونکہ اس گھر میں محبت ہمیشہ شور کے ساتھ جیتی تھی

حویلی کے لان میں شام اتر رہی تھی۔ ہلکی سی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور چاروں طرف بچوں کی ہنسی گونج رہی تھی۔ ایک طرف چھوٹا شایان اپنے کھلونوں کے ساتھ مصروف تھا، دوسری طرف باسل اور منت صوفے پر بیٹھے کسی ہلکی سی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔

اور اسی لان کے کنارے، روح میر کے ساتھ بیٹھی اپنی گڑیا کو ٹھیک کر رہی تھی۔ اس کی گود میں چھوٹی سی الیانہ تھی، جس کی آنکھوں میں آج کچھ زیادہ ہی چمک تھی۔

وہ اچانک سیدھی بیٹھی اور بڑے سنجیدہ انداز میں بولی:

"!بابا ...میں بڑی ہو کر پولیس آفیسر بنوں گی"

روح نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں میری جان؟ پولیس آفیسر ہی کیوں؟"

الیانہ نے گڑیا ایک طرف رکھ دی، اور پورے اعتماد سے بولی۔

"بابا آپ نے دیکھا نا...جب ہم سڑک پر جاتے ہیں تو لوگ کتنے ڈرتے ہیں پولیس والوں سے؟"

میر نے مسکراتے ہوئے بھنویں اٹھائیں۔

"اچھا؟ ڈرتے ہیں؟"

الیانہ نے سر زور سے ہلایا۔

"ہاں !سب کھڑے ہو جاتے ہیں، سائیڈ لے لیتے ہیں، جیسے وہ انہیں روک لیں گے!"

وہ چھوٹی چھوٹی انگلیاں ہوا میں لہراتے ہوئے بولی۔

"میں بھی سب کے دل میں ایسا ہی اپنا رعب دیکھنا چاہتی ہوں!"

روح ہنسنے لگی۔

"یہ کونسا خواب ہے بیٹا؟"

الیانہ نے فوراً سنجیدگی سے جواب دیا۔

"!خواب نہیں، پلان ہے"

میر نے ہنسی دبا لی۔

"یہ پلان کس نے دیا تمہیں؟"

الیانہ چند لمحے خاموش رہی، پھر اچانک بولی:

"باسل ماموں!"

روح نے فوراً سر پیٹ لیا۔

"اوہ خدا..."

الیانہ نے اپنی بات جاری رکھی۔

"اس دن ہم پارک گئے تھے نا..."

وہ انگلی سے یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تو باسل ماموں کہہ رہے تھے کہ شایان تیرے باپ کا چالان کاٹ دیں گے"! اتنا ڈر رہے تھے ان سے

روح اور میر دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

الیانہ نے مزید جوش سے کہا:

"پھر سب لوگ راستہ بدل رہے تھے!"

"پولیس والے پیچھے آ رہے تھے، اور ہم آگے جا رہے تھے!"

وہ اپنی توتلی زبان میں پورا واقعہ ایسے بیان کر رہی تھی جیسے کوئی بڑا کیس ہو۔

"!تو میں نے سوچا ...بس !میں بھی چالان کٹاؤ گی"

روح زور سے ہنس پڑی۔

"تم چالان کاٹو گی؟"

الیانہ نے فوراً سر ہلایا۔

"ہاں !سب میرے ماموں کو ڈراتے ہیں نا، میں بھی سب کا چالان کاٹوں گی!"

میر نے ہنستے ہوئے اسے گود میں اٹھا لیا۔

"اوہ میری چھوٹی پولیس آفیسر!"

الیانہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"!میں مذاق نہیں کر رہی بابا"

میر نے محبت سے اس کی پیشانی چومی۔

"اچھا ٹھیک ہے، پھر تم پولیس آفیسر بنو گی... لیکن ایک شرط ہے۔"

الیانہ نے فوراً پوچھا۔

"کیا شرط؟"

"تم سب سے پہلے مجھے نہیں پکڑو گی۔"

الیانہ نے فوراً سوچا، پھر سر ہلا دیا۔

"!ٹھیک ہے ...لیکن اگر آپ غلطی کریں گے تو پھر پکڑوں گی"

روح نے ہنستے ہوئے میر کو دیکھا۔

"دیکھ لیا؟ تمہاری بیٹی بھی تمہارے جیسے اصول بناتی ہے۔"

میر نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں… یہ میری نہیں… میری روح کی کاپی ہے۔"

الیانہ فوراً بولی۔

"!اور میں بابا کی طرح سخت بھی ہوں گی"

بابا سخت نہیں میری جان

پھر وہ چند لمحے سوچتی رہی اور اچانک بولی۔

"!لیکن آپ بہت پوزیسیو ہیں"

یہ سنتے ہی روح کا قہقہہ نکل گیا۔

"یا اللہ !اب یہ لفظ بھی سیکھ لیا اس نے؟"

میر نے حیران ہو کر بیٹی کو دیکھا۔

"آپ کو پوزیسیو کا مطلب پتا بھی ہے؟"

الیانہ نے فوراً اعتماد سے سر ہلایا۔

"!ہاں"

"کیا مطلب ہے؟"

"!یہی کہ بابا ماما کو کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتے"

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

پھر روح اتنا ہنسی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میر نے بے بسی سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔

"یہ سب تمہاری ماما نے سکھایا ہے۔"

"!نہیں"

الیانہ فوراً بولی۔

"!میں نے خود دیکھا ہے"

روح دوبارہ ہنس پڑی۔

میر نے اپنی ننھی بیٹی کو گود میں اٹھا لیا۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

!السلام علیکم

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔
تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔
آپ کے تعاون کا شکریہ۔

"آؤ میری جان کے ٹکڑے۔"

اس نے محبت سے اس کے دونوں گال چومے۔

"آپ اور آپ کی ماما بابا کی دنیا ہیں ...پوری دنیا۔"

الیانہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں جھپکائیں۔

"...لیکن"

میر نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"لیکن کیا؟"

"میں چاہتی ہوں ایک اور انسان بھی آپ کی دنیا بن جائے۔"

روح نے چونک کر بیٹی کو دیکھا۔

"اچھا جی؟"

"!ہاں"

الیانہ نے پوری سنجیدگی سے سر ہلایا۔

میر کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"وہ کیسے میری جان؟"

اس نے اس کے ننھے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

الیانہ نے فوراً جواب دیا۔

"مجھے بھی بھائی چاہیے!"

میر نے بھنویں اٹھائیں۔

"بھائی؟"

"ہاں!"

وہ جوش سے بولی۔

"!بالکل نہال جیسا"

"نہال؟"

روح نے حیرت سے پوچھا۔

"!ہاں نا"

الیانہ بولتی جا رہی تھی۔

"وہ اپنی بہن آئنور کا کتنا خیال رکھتا ہے۔ اس کا بیگ اٹھاتا ہے، اس کو پانی
دیتا ہے، کسی کو تنگ نہیں کرنے دیتا۔"

پھر وہ میر کے قریب جھکی۔

"مجھے بھی ایسا بھائی چاہیے۔"

میر نے ہنسی روکتے ہوئے سنجیدہ انداز بنایا۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔"

پھر اس نے فوراً روح کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ مسئلہ تو آپ کی ماما ہی حل کر سکتی ہیں۔"

روح کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"!میر شاہ"

الیانہ فوراً اپنی ماما کی طرف مڑی۔

"!ماما پلیززززز"

"!نہیں"

روح نے فوراً جواب دیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ نہیں!"

"پلیززززز!"

"نہیں!"

"پلیززززز!"

میر باپ بیٹی کی یہ ٹیم دیکھ کر مزے لے رہا تھا۔

"میں تو کہتا ہوں بچی کی بات پر غور کرنا چاہیے۔"

روح نے فوراً پاس پڑا تکیہ اٹھا کر میر کی طرف پھینکا۔

"!شرم کر لیں"

تکیہ سیدھا میر کے سینے پر آ لگا۔

الیانہ فوراً ہنسنے لگی۔

"!ماما نے بابا کو مارا"

"دیکھا؟"

روح بولی۔

"یہ سب آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔"

میر نے تکیہ ایک طرف رکھتے ہوئے معصومیت سے کہا۔

"میں نے کیا کیا؟"

"!آپ بچی کو روکنے کے بجائے مزید بات چڑھا رہے ہیں"

میر نے فوراً اپنی بیٹی کو اور مضبوطی سے گود میں لیا۔

"کیونکہ میری بیٹی کی خواہشات اہم ہیں۔"

الیانہ خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔

"!بابا جیت گئے"

"!نہیں"

روح فوراً بولی۔

"!بابا نہیں جیتے"

"!جیت گئے"

"!نہیں جیتے"

"!جیت گئے"

.....

خان حویلی آج واقعی کسی دلہن کا منظر پیش کر رہی تھی۔ پوری حویلی رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔ لان میں سفید اور سنہری سجاوٹ کی گئی تھی، درختوں پر لائٹس لپٹی ہوئی تھیں جبکہ درمیان میں خوبصورت فوارے کے گرد بیٹھنے کا انتظام تھا۔

یہ دعوت حیام نے خاص طور پر رکھی تھی تاکہ برسوں بعد سب ایک ساتھ کچھ وقت گزار سکیں۔

کھانے کے بعد بڑے لوگ اپنی محفلوں میں مصروف تھے۔

آغا جان، عیان شاہ، شاہ زیب شاہ اور دیگر بزرگ ایک طرف بیٹھے قہقہے لگا رہے تھے جبکہ دوسری طرف شاہین بیگم، زیمرہ اور منت کسی پرانی بات پر ہنس رہی تھیں۔

مگر اصل رونق تو بچوں نے لگا رکھی تھی۔

لان کے ایک کونے میں نہال، آئنور، شایان اور الیانہ کھڑے تھے۔

اور حسبِ معمول جھگڑا ابھی انہی کے درمیان چل رہا تھا۔

"میں نے بولا تھا یہ میری ٹیم ہے!"

شایان ہاتھ کمر پر رکھے بولا۔

"اور میں نے بولا تھا میں تمہاری ٹیم میں نہیں ہوں!"

آئنور نے ناک چڑھاتے جواب دیا۔

شایان نے غصے سے پیر زمین پر مارا۔

"!تو پھر جاؤ"

"!جا رہی ہوں"

آئنور نے بھی فوراً جواب دیا۔

نہال دونوں کے درمیان آیا۔

"بس کرو تم دونوں!"

"تم بیچ میں مت آؤ!"

شایان فوراً بولا۔

"یہ میری اور آئنور کی بات ہے!"

نہال نے بھنویں چڑھائیں۔

"اسی لیے تو آ رہا ہوں۔"

آئنور فوراً نہال کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔

"!دیکھا؟ نہال بھائی میرے ساتھ ہیں"

شایان کا چہرہ فوراً لال ہوا۔

"!ہاں تو رہو"

یہ کہتے ہوئے اس نے دوسری طرف منہ کر لیا۔

الیانہ کافی دیر سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔

وہ آہستہ سے شایان کے قریب آئی۔

"...شایان"

"کیا ہے؟"

وہ منہ پھلائے بولا۔

"آپ رو رہے ہو؟"

شایان فوراً سیدھا ہوا۔

"میں؟"

"ہاں!"

الیانہ نے سر ہلایا۔

"آپ ایسے ہی لگ رہے ہو۔"

"!میں نہیں رو رہا"

شایان فوراً بولا۔

"!میں مرد ہوں"

الیانہ نے چند لمحے اسے دیکھا پھر بولی۔

"بابا بھی یہی کہتے ہیں۔"

دور کھڑا میر یہ سنتے ہی ہنس پڑا۔

روح نے اسے کہنی ماری۔

"دیکھو، تمہاری بیٹی پھر تمہاری کلاس لے رہی ہے۔"

میر نے فخر سے کہا۔

"میری بیٹی ذہین ہے۔"

دوسری طرف شایان نے آئنور کی طرف دیکھا جو اب نہال کے ساتھ کھڑی ہنس رہی تھی۔

"!نہال"

وہ اچانک چلایا۔

"کیا ہے؟"

"!آئنور سے اتنی باتیں مت کرو"

پورا لان خاموش ہوگیا۔

آئنور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟"

شایان ایک لمحے کو اٹکا۔

"بس ...مت کرو!"

نہال نے قہقہہ لگایا۔

"!اوہ"

اب اسے پوری بات سمجھ آگئی تھی۔

"!تو اصل مسئلہ یہ ہے"

آئنور نے بھی سمجھتے ہوئے مسکراہٹ دبائی۔

"...شایان"

وہ شرارتی انداز میں بولی۔

"جل رہے ہو؟"

"میں؟"

شایان فوراً بولا۔

"کبھی نہیں!"

مگر اس کے کان سرخ ہو چکے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر باسل نے ماتھا پکڑ لیا۔

"یا اللہ!"

منت نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"میرا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور مسائل بڑے پیدا کر رہا ہے۔"

ادھر حیام اور ماہیر بھی یہ سب دیکھ رہے تھے۔

حیام نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں ابھی سے بتا رہی ہوں، میری بیٹی کو تنگ کیا نا تو میں خود شایان کے کان کھینچوں گی۔"

ماہیر نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔

"میں بھی۔"

حیام نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"سچ؟"

"ہاں۔"

پھر چند لمحے بعد وہ بولا۔

"لیکن پہلے باسل کو ڈانٹوں گا۔"

حیام زور سے ہنس پڑی۔

اسی دوران الیانہ نے اچانک اعلان کیا۔

"!میں پولیس آفیسر بنوں گی"

سب کی نظریں اس پر گئیں۔

"!اور سب کا چالان کاٹوں گی"

"سب کا؟"

میر نے پوچھا۔

"ہاں!"

پھر اس نے انگلی اٹھا کر سب بچوں کی طرف اشارہ کیا۔

"!سب سے پہلے شایان کا"

"کیوں؟"

شایان فوراً بولا۔

"!کیونکہ آپ روز لڑائی کرتے ہو"

پورا لان قہقہوں سے گونج اٹھا۔

بچوں کی معصوم شرارتیں، بڑوں کی محبت بھری ہنسی اور خاندان کا اکٹھا ہونا...

یہ وہ لمحے تھے جن کے لیے سب نے بہت سی آزمائشیں جھیلی تھیں۔

اور آج، اس روشن رات میں، ہر چہرے پر سکون اور خوشی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ❤️✨

خان حویلی کا لان روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ رات گہری ہو رہی تھی مگر محفل ابھی بھی اپنے عروج پر تھی۔ بچے لان کے دوسرے کونے میں کھیل رہے تھے جبکہ بڑے اپنی محفل میں مصروف تھے۔

حیام نے جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے ماہیر کو دیکھا جو حسبِ معمول اس پر نظر رکھے بیٹھا تھا۔

"ماہیر، پلیز مجھے خود بھی پتا ہے کیا کھانا ہے۔"

"نہیں پتا۔"

ماہیر نے فوراً جواب دیا۔

"پتا ہوتا تو پچھلے آدھے گھنٹے میں تین دفعہ آئس کریم نہ کھا چکی ہوتیں۔"

حیام نے آنکھیں گھمائیں۔

"پانچ سال ہو گئے شادی کو۔"

"ہمم۔"

"اور آپ ابھی تک ایسے ہی ہیں۔"

"کیسے؟"

"جیسے میں پانچ سال کی بچی ہوں۔"

ماہیر نے سکون سے جوس کا گھونٹ لیا۔

"بچی نہیں ہو۔"

حیام کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔

"دیکھا۔"

"بچیوں سے زیادہ مسئلہ ہو۔"

حیام نے فوراً اس کے بازو پر مکا مارا۔

"!جلاد انسان"

ماہیر ہنس دیا۔

دوسری طرف باسل اور منت بیٹھے تھے۔

منت نے باسل کے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک چھین لی۔

"یہ چوتھا گلاس ہے۔"

باسل نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"میں ڈاکٹر ہوں۔"

"اور میں تمہاری بیوی ہوں۔"

"یہ کوئی دلیل ہوئی؟"

"میرے سامنے یہی دلیل کافی ہے۔"

باسل نے ڈرامائی انداز میں آسمان کی طرف دیکھا۔

"یا اللہ !میری عزت واپس دلوا دے۔"

منت نے فوراً جواب دیا۔

"عزت تھی کب؟"

پاس بیٹھے میر کے منہ سے قہقہہ نکل گیا۔

باسل نے گھورتے ہوئے کہا۔

"تم مت ہنسو۔"

"کیوں؟"

میر نے پوچھا۔

"کیونکہ تمہاری حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں۔"

اس بار روح ہنس پڑی۔

"یہ بات تو صحیح کہی ہے۔"

میر نے فوراً رخ موڑا۔

"روح!"

"جی؟"

"تم بھی؟"

روح نے معصوم چہرہ بنایا۔

"میں تو سچ بول رہی ہوں۔"

میر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

"بہت بولنے لگی ہو۔"

روح کے گال سرخ ہوئے۔

"سب دیکھ رہے ہیں۔"

"دیکھنے دو۔"

"!میر"

"ہماری بیوی ہو۔"

روح نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

مگر میر کی گرفت مضبوط تھی۔

دوسری طرف حیام نے یہ منظر دیکھا تو ہنس پڑی۔

"قسم سے، آپ دونوں پانچ سال بعد بھی نئے نئے شادی شدہ لگتے ہیں۔"

"اور تم؟"

روح نے فوراً جواب دیا۔

"تمہارے اور ماہیر کے رومانس پر تو پوری حویلی کتاب لکھ سکتی ہے۔"

"بالکل!"

منت بھی شامل ہوئی۔

"پچھلے ہفتے میں نے خود دیکھا تھا۔"

حیام نے فوراً آنکھیں پھیلائیں۔

"کیا دیکھا تھا؟"

"ماہیر تمہارے پیچھے کچن تک آیا تھا صرف یہ پوچھنے کہ تم نے دوپہر میں کھانا کیوں کم کھایا۔"

سب ہنسنے لگے۔

ماہیر نے بے پروائی سے کہا۔

"تو؟"

"تو؟"

باسل نے قہقہہ لگایا۔

"بھائی، یہ بیماری ہے۔"

"محبت کہتے ہیں اسے۔"

ماہیر نے سکون سے جواب دیا۔

"نہیں، یہ بیماری ہی ہے۔"

حیام نے فوراً باسل کو گھورا۔

"آپ چپ کریں۔"

منت نے فوراً کہا۔

" صحیح کہہ رہی ہے۔ تم بولنے والے آخری شخص ہو۔"

"میں نے کیا کیا؟"

باسل نے احتجاج کیا۔

شایان جو قریب سے گزر رہا تھا فوراً بولا۔

پاپا روز ماما کو کس کرتے ہیں"

پورا لان ہنسی سے گونج اٹھا۔

"!غدار"

باسل نے اپنے بیٹے کو گھورا۔

شایان فوراً بھاگ گیا۔

کافی دیر تک یہی ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ اور محبت بھری نوک جھونک چلتی رہی۔

رات مزید گہری ہو چکی تھی۔

لان کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں اور بچوں کی آوازیں بھی اب آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھیں۔

تبھی حیام اچانک کھڑی ہوئی۔

اس کی آنکھوں میں وہی پرانی شرارت چمک رہی تھی۔

"سنو!"

سب نے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا؟"

روح نے پوچھا۔

حیام نے ہاتھ باندھتے ہوئے اعلان کیا۔

"آج ایک Couples Game مجھے لگتا ہے ہونا چاہیے!"

منت فوراً سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"اووووو..."

باسل کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

میر نے مشکوک نظروں سے حیام کو دیکھا۔

"تمہارے گیمز خطرناک ہوتے ہیں۔"

"اس بار نہیں!"

حیام نے فوراً کہا۔

"صرف ینگ جنریشن!"

"بزرگوں کی انٹری منع!"

روح کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"میں تیار ہوں!"

منت بھی ہنس دی۔

"میں بھی!"

باسل نے ہاتھ اٹھایا۔

"میں تو پہلے سے تیار ہوں۔"

ماہیر نے گہرا سانس لیا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"!لگنا بھی چاہیے"

حیام فاتحانہ انداز میں بولی۔

اور سب کے قہقہوں کے درمیان فیصلہ ہو گیا کہ اب رات کا اگلا حصہ صرف نوجوانوں کے نام ہو گا...

کھیلنے والے تھے۔ Couples Game اور وہ سب مل کر ایک

لان رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہلکی موسیقی فضا میں بکھری ہوئی تھی اور سب کے چہروں پر خوشی نمایاں تھی۔ بچوں کو اوپر کمروں میں بھیج دیا گیا تھا جبکہ نوجوان نسل اپنی الگ محفل جما چکی تھی۔

"اب گیم کچھ یوں ہے کہ ہم بوتل اسپن کریں گے!" حیام نے فاتحانہ انداز میں اعلان کیا۔

"اور جس پر بوتل رکے گی وہ کپل اٹھے گا!"

"پندرہ بار گھومے گا اور پھر..." حیام نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ سب کو دیکھا۔

"پھر کیا؟" منت نے مشکوک نظروں سے پوچھا۔

"پھر دونوں ایک دوسرے کو کس کریں گے!"

"یہ تو بہت آسان ہے۔" ماہیر فوراً بولا۔

روح نے قہقہہ لگایا۔

"!اتنا بھی آسان نہیں ہے جناب"

یار یہ کیسی گیم ہے؟ "باسل نے ماتھا پکڑ لیا۔"

یہی گیم ہے "!حیام نے فوراً جواب دیا۔"

حیام کوئی ڈھنگ کی گیم کھیل لو۔ "منت نے احتجاج کیا۔"

نہیں، بس یہی "!روح نے حیام کا ساتھ دیا۔"

جی بالکل، جو میری بیگم نے کہہ دیا وہی ہو گا۔"ماہیر آرام سے صوفے پر" ٹیک لگاتے بولا۔

میر نے فوراً روح کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"میں تو تیار ہوں۔"

روح نے گھورتے ہوئے تکیہ اس کی طرف پھینکا۔

"!میر شاہ !سیدھے بیٹھیں"

سب کے قہقہے بلند ہوگئے۔

حیام نے بوتل گھمائی۔

سب کی نظریں گھومتی بوتل پر جم گئیں۔

...بوتل ایک چکر

...دو چکر

...تین چکر

اور پھر جا کر باسل کے سامنے رک گئی۔

اووووو "!سب نے ایک ساتھ شور مچایا۔"

منت نے فوراً حیام کو گھورا۔

"اگر کوئی بے عزتی ہوئی نا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔"

آنکھیں بند کر لینا۔ "روح نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔"

منت نے فوراً اسے کہنی ماری۔

"!روح"

پورا لان ہنسی سے گونج اٹھا۔

باسل فاتحانہ انداز میں کھڑا ہوگیا۔

"!آؤ جانم"

"دور رہیں آپ!" منت نے فوراً ایک قدم پیچھے ہٹایا۔

"گیم کے رولز ہیں۔"

"رولز بنانے والی حیام ہے، میں نہیں!"

"چلیں جی، پہلے پندرہ چکر۔"

سب نے گننا شروع کیا۔

"ایک!"

"دو!"

"تین!"

چکر بڑھتے گئے اور منت کا چہرہ بدلنے لگا۔

"...آٹھ"

"...نو"

"...دس"

"بسسسسس!"

نہیں "!سب نے ایک ساتھ شور مچایا۔"

"!پندرہ پورے کرو"

بمشکل پندرہواں چکر مکمل ہوا تو منت کا توازن بگڑ گیا۔

وہ سیدھی باسل کی طرف گری۔

باسل نے فوراً اسے سنبھال لیا۔

"دیکھا؟ قسمت بھی ہمیں قریب کرنا چاہتی ہے۔"

قسمت نہیں، چکر آئے ہیں مجھے "!منت نے آنکھیں بند کرتے ہوئے"
کہا۔

سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

چلو اب ٹاسک مکمل کرو "!حیام نے مطالبہ کیا۔"

باسل نے قریب ہوتے اسے کس کرنا چاہی ۔۔ لیکن سب کچھ گھومتا ہوا نظر آ رہا تھا

مجھے کچھ نظر نہیں آرہا "! باسل نے فوراً اعلان کیا۔"

اور وہ دونوں نیچے گرے تھے

"! یہ دھوکا ہے"

کیوں؟ "میر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔"

"میں خود گھوم گیا ہوں۔"

کریڈٹ کارڈ نکالو "!روح نے فوراً کہا۔"

"کیوں؟"

"ہار گئے ہو۔"

"میں نے کیا ہارا ہے؟"

"!بہانے بازی کی ہے"

ماہیر فوراً اٹھا اور باسل کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

"!ارے اوئے"

لیکن تب تک کریڈٹ کارڈ ماہیر کے ہاتھ میں تھا۔

حیام نے فاتحانہ انداز میں کارڈ لہرا دیا۔

"!آج کی آئس کریم، کولڈ کافی اور ڈیزرٹس سب باسل شاہ کے ذمے"

یہ کھلی ڈکیتی ہے "!باسل چلایا۔"

شکریہ میرے پیارے بھائی "!روح نے فوراً کہا۔"

شکریہ پاپا "!شایان کی نقل اتارتے ہوئے میر بولا۔"

پورا لان ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھا جبکہ باسل بے بسی سے اپنا کریڈٹ کارڈ دیکھ رہا تھا اور منت ہنستے ہنستے اس کے کندھے پر سر رکھ چکی تھی۔

اب اگلی باری "!حیام نے بوتل دوبارہ اٹھائی۔"

اور سب کی نظریں ایک بار پھر گھومتی بوتل پر جم گئیں۔۔۔۔

حیام ابھی تک باسل کا کریڈٹ کارڈ ہاتھ میں گھماتے ہوئے فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی جبکہ باقی سب اس کی خوشی دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

اب اگلی باری "!روح نے جوش سے کہا۔"

لان میں ہلکی موسیقی اب بھی گونج رہی تھی۔ رنگین لائٹس کے درمیان سب کی نظریں ایک بار پھر بوتل پر جم گئی تھیں۔

حیام نے بوتل کو گھمایا۔

بوتل تیزی سے گھومتی رہی۔

...ایک چکر

...دو چکر

...تین چکر

پھر آہستہ آہستہ اس کی رفتار کم ہونے لگی۔

سب کی نظریں اس پر جمی تھیں۔

اور پھر...

بوتل آ کر سیدھی ماہیر کے سامنے رک گئی۔

"اوووووو!"

روح اور منت ایک ساتھ چلائیں۔

میر نے قہقہہ لگایا۔

"اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے!"

ماہیر نے بے نیازی سے بوتل کو دیکھا۔

"اتنا شور کیوں مچا رہے ہو؟"

"کیونکہ اب آپ کی باری ہے "! باسل نے فوراً جواب دیا۔

"اور رولز سب کے لیے برابر ہیں۔"

حیام کا چہرہ ایک دم سرخ ہوگیا۔

"...یار رہنے دو نا"

نہیں "!روح فوراً بولی۔"

"اب کوئی رعایت نہیں ملے گی۔"

میر نے بھی سنجیدگی سے سر ہلایا۔

"قانون سب کے لیے برابر ہے۔"

ماہیر نے سب کو ایک ایک نظر دیکھا۔

"تم لوگ ضرورت سے زیادہ خوش ہو رہے ہو۔"

"جی بالکل!" باسل بولا۔

"کیونکہ آج شکار آپ ہیں۔"

پورا گروپ ہنس پڑا۔

"چلو پہلے پندرہ چکر "!حیام نے فوراً موضوع بدلا۔"

"جی نہیں۔"

ماہیر آرام سے بولا۔

"چکر بھی لگائیں گے۔"

روح نے حکم صادر کیا۔

"ورنہ جرمانہ!"

"تم لوگ واقعی فارغ ہو۔"

ماہیر بڑبڑایا۔

مگر پھر حیام کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"آؤ بیگم۔"

سب نے گننا شروع کیا۔

"ایک!"

"دو!"

"تین!"

شروع کے چند چکر تو آسان گزرے۔

مگر آٹھویں چکر کے بعد حیام نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"افف..."

"ابھی تو سات باقی ہیں!" منت ہنس کر بولی۔

"یہ ظلم ہے۔"

حیام نے احتجاج کیا۔

لیکن کسی نے نہ سنی۔

آخرکار پندرہ چکر مکمل ہوئے۔

حیام تقریباً لڑکھڑا گئی۔

ماہیر نے فوراً اس کا بازو تھام لیا۔

"دھیان سے۔"

اس کی آواز میں فوری فکر شامل تھی۔

روح نے فوراً آنکھیں گھمائیں۔

"دیکھا؟ ابھی سے ہیرو بن گئے۔"

حیام ہنستے ہوئے سیدھی ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مجھے واقعی چکر آ رہے ہیں۔"

ماہیر نے اس کی پیشانی پر نظر ڈالی۔

"اگر بیٹھ جاؤ—"

"نہیں!"

باسل فوراً بولا۔

"پہلے ٹاسک مکمل ہوگا۔"

"تمہیں اپنی باری کا بدلہ لینا ہے نا؟"

میر ہنسا۔

"سو فیصد۔"

حیام نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔

جبکہ باقی سب شور مچا رہے تھے۔

"!جلدی"

"!جلدی"

"!جلدی"

ماہیر نے ایک لمحہ حیام کی طرف دیکھا۔

وہ واضح طور پر شرما رہی تھی۔

"یہ لوگ باز نہیں آئیں گے۔"

اس نے آہستہ سے کہا۔

حیام نے ہنسی روکتے ہوئے سر ہلایا۔

"مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔"

ماہیر اس کے قریب جھکا اور محبت بھرے انداز میں اس کی پیشانی پر ایک مختصر سا بوسہ دے دیا۔

"لو۔"

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

پھر...

"!چیٹنگ"

روح سب سے پہلے چلائی۔

"!یہ تو بہت شارٹ تھا"

بالکل "!باسل نے بھی احتجاج کیا۔"

میر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ماہیر خان نے قانون میں راستہ نکال لیا۔"

حیام کا چہرہ مزید سرخ ہوگیا جبکہ ماہیر بالکل مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"ٹاسک مکمل ہوگیا۔"

اس نے سکون سے کہا۔

"اعتراض مسترد۔"

یہ ناانصافی ہے "!روح بولی۔"

"میں ریفری ہوں۔"

ماہیر نے جواب دیا۔

"اور ریفری کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔"

پورا لان ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھا جبکہ حیام بے اختیار ہنس دی۔

رات خوشیوں، شرارتوں اور اپنائیت بھرے لمحوں کے ساتھ مزید خوبصورت ہوتی جا رہی تھی۔

حیام ابھی تک سب کی چھیڑ چھاڑ کا نشانہ بنی ہوئی تھی جبکہ لان قہقہوں سے گونج رہا تھا۔

"!اب آخری بار"

روح نے ہنستے ہوئے بوتل دوبارہ گھمائی۔

سب کی نظریں گھومتی بوتل پر جم گئیں۔

بوتل ایک چکر...

دو چکر...

...تین چکر

اور پھر آہستہ آہستہ اپنی رفتار کھوتی ہوئی جا کر ایک جگہ رک گئی۔

چند لمحوں کی خاموشی چھائی۔

پھر باسل زور سے چلایا۔

"!اووووووو"

"!میر شاہ"

منت بھی ہنس پڑی۔

"!اب آیا مزہ"

میر نے بوتل کو دیکھا اور پھر سب کو۔

"تم لوگ بہت خوش نظر آ رہے ہو۔"

کیونکہ شکار آپ ہیں "!ماہیر نے فوراً جواب دیا۔"

روح نے ماتھا پکڑ لیا۔

"...یا اللہ خیر"

نہیں بھابھی جان "!حیام ہنستی ہوئی بولی۔"

"آج کوئی رعایت نہیں ملے گی۔"

سب نے ایک ساتھ ہوٹنگ شروع کر دی۔

"!میر"

"!میر"

"میر!"

"میر!"

الیانہ اور دوسرے بچے بھی شور مچانے لگے حالانکہ انہیں پوری گیم سمجھ بھی نہیں آرہی تھی۔

میر نے چند لمحے روح کو دیکھا۔

پھر اچانک جھک کر اسے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔

"!میر شاہ"

روح چونک کر بولی۔

پورا لان شور سے گونج اٹھا۔

"!اووووووو"

"!یہ ہوئی نا بات"

باسل نے تالیاں بجائیں۔

میر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ روح کو بانہوں میں اٹھائے ہی گھومنا شروع ہوگیا۔

"ایک!"

"دو!"

"تین!"

سب گن رہے تھے۔

پانچویں چکر پر ہی روح نے اس کی گردن مضبوطی سے پکڑ لی۔

"!میر !آپ گر جائیں گے"

"ناممکن۔"

وہ پراعتماد انداز میں بولا۔

آٹھ...

...نو

...دس

اب واقعی اس کا توازن ہلکا سا متاثر ہونے لگا تھا۔

مگر اس کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی نہیں ہوئی۔

روح کی نظریں مسلسل اس کے چہرے پر تھیں۔

...باره

...تیره

...چوده

!پندره

جیسے ہی آخری چکر مکمل ہوا، میر ہلکا سا لڑکھڑایا۔

پورے لان سے ایک ساتھ آواز نکلی۔

"اووو!"

لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

روح ایک لمحے کے لیے بھی اس کے بازوؤں سے نہیں پھسلی۔

اس نے آہستگی سے روح کو زمین پر اتارا۔

روح ابھی بھی اس کے قریب کھڑی تھی۔

اس کے گال سرخ ہو رہے تھے جبکہ سب کی نظریں انہی دونوں پر تھیں۔

میر نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

اور محبت بھرے انداز میں اس کے گال پر ایک بوسہ دے دیا۔

پورا لان شور سے گونج اٹھا۔

"ہووووو!"

"واہ!"

"آخرکار!"

باسل اور ماہیر دونوں تالیاں بجا رہے تھے۔

روح نے شرماتے ہوئے میر کے بازو پر ہلکا سا مکا مارا۔

"!سب دیکھ رہے ہیں"

"دیکھنے دو۔"

میر نے مسکرا کر جواب دیا۔

اسی دوران الیانہ دوڑتی ہوئی آئی۔

"!بابا جیت گئے"

شایان بھی فوراً بولا۔

"!نہیں !میری ٹیم جیتی ہے"

"نہیں!"

"ہاں!"

اور چند سیکنڈ میں بچے آپس میں پھر بحث کرنے لگے۔

بڑے سب ہنس پڑے۔

آغا جان بی جان، شاہیزیب شاہ،زیمرہ،زینرہ،اعزر خان،شاہین خان،عیان شاہ سب دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

ان کے لبوں پر دعا بھری مسکراہٹ تھی۔

شاہ حویلی اور خان حویلی نے بہت دکھ، جدائیاں، سازشیں اور آزمائشیں دیکھی تھیں۔

کبھی آنسو تھے...

...کبھی جدوجہد

...کبھی محبت کے امتحان

اور کبھی جنون کی حد تک چاہت۔

...لیکن آج

آج ہر چہرے پر سکون تھا۔

ہر رشتے میں محبت تھی۔

ہر دل اپنی منزل پا چکا تھا۔

ماہیر اور حیام ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

⚠ اہم نوٹس (Copyright Notice)

السلام علیکم!

یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے اور اس کے تمام حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں۔

میری پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کو کسی بھی ویب سائٹ، یوٹیوب چینل، فیس بک پیج، ٹک ٹاک، ٹیلیگرام، واٹس ایپ یا کسی بھی دوسرے آن لائن یا آف لائن پلیٹ فارم پر پوسٹ، اپ لوڈ، نقل، شیئر، ترمیم یا کسی بھی صورت میں استعمال کرنا سختی سے منع ہے۔
اگر کوئی فرد یا ادارہ میری اجازت کے بغیر اس ناول کو شائع یا استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف حقوقِ اشاعت کے متعلقہ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جائے گی، جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ فرد یا ادارے پر ہو گی۔
تمام ویب سائٹس، یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز اور دیگر پلیٹ فارمز سے گزارش ہے کہ میرے ناول کو شائع یا اپ لوڈ کرنے سے پہلے باقاعدہ تحریری اجازت ضرور حاصل کریں۔
آپ کے تعاون کا شکریہ۔

میر اور روح اپنی دنیا میں خوش تھے۔

باسل اور منت کی نوک جھونک آج بھی ویسی ہی تھی۔

بچے ہنستے کھیلتے مستقبل کے خواب بن رہے تھے۔

اور ان سب کے درمیان محبت اپنی جیت کا جشن منا رہی تھی۔

...شاید یہی "اسیرِ جنون "کا حاصل تھا

کہ سچی محبت آزمائشوں سے گزر کر اور بھی مضبوط ہو جاتی ہے۔

کہ کچھ لوگ دل میں ایسے بس جاتے ہیں کہ پھر عمر بھر نکلتے نہیں۔

...اور یہ کہ

کبھی کبھی جنون ہی محبت کی سب سے خوبصورت شکل بن جاتا ہے۔

🌹 اختتام 🌹 اسیرِ جنون

بعض محبتیں قسمت سے ملتی ہیں، اور بعض محبتیں قسمت لکھ دیتی"

❤️ "ہیں۔